نصیحت گوش کن جانا کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را
(دیوانِ حافظ)

تحفۃ الفضلاء

یعنی

فضلائے مدارس کی خدمت میں قیمتی تحفہ

(جدید ایڈیشن مع حذف واضافہ)

جامع ومرتب

ابوالربیع عبدالرب عبدالوہاب خان واپی سعادتی

خادم مدرسہ نورالاسلام، دمن، انڈیا

ناشر

مکتبہ ربانیہ، دمن

تفصیلات

نام کتاب : تحفۃ الفضلاء

مرتب : (مولانا) عبدالرب (صاحب) خان واپی سعادتی

کمپوزنگ : کاتب اسامہ صاحب، محمد عبید منیار سعادتی

ناشر : مکتبہ ربانیہ، دمن

سن اشاعت : پہلا ایڈیشن: شعبان ۱۴۴۰ھ

تعداد :

قیمت :

PUBLISHED BY:

Maktabah Rabbaaniyyah, Daman, Gujarat, India.

Mo. : +91 94264 - 26733

ملنے کا پتہ

مکتبہ ربانیہ، دمن، انڈیا (مولانا عبدالرب صاحب واپی)	+91 94264 - 26733
مولانا محمد عبید صاحب منیار	+91 74050 - 05501

فہرست مضامین

کلمات بابرکت

از: حضرت اقدس مولانا محمد سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

(بانی و شیخ الحدیث اسلامک دعوۃ اکیڈمی، لیسٹر، یو- کے)

محب مکرم مولانا عبدالرب صاحب زید مجدکم السامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد سلام مسنون؛ امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے۔

دینی مدارس کے فضلاء اور علماء کے لیے قیمتی نصائح پر مشتمل آپ کے تالیف کردہ کتابچے کا مسودہ پہنچا۔ ماشاء اللہ؛ یہ کتابچہ فضلاء اور علماء کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے، جس میں آپ نے ہمارے اکابر کی دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی باتوں کو ایک لڑی میں پِرو دیا ہے۔ اگرچہ یہ روسیاہ ان بزرگوں کی صف میں یکسر نہیں ہے؛ پھر بھی آپ نے ازراہِ محبت بندے کی چھپی ہوئی تقریروں سے بھی چند اقتباسات ذکر کیے ہیں، اور اس طرح آپ نے بندے کو بھی اس کارِ خیر میں شریک کرلیا۔ بندہ اس عنایت پر مشکور ہے۔ فجزاکم اللہ خیرا.

امید ہے کہ یہ کتابچہ طلبہ، فضلا اور علما کے لیے یکساں مفید ہوگا، اور وہ ان نصائح کی روشنی میں اپنی زندگی کے لیے لائحۂ عمل طے کرکے دارین کی کامیابی حاصل کریں گے۔ بندے کو بھی الحمدللہ نفع ہوا، اور ہمارے یہاں دورۂ حدیث کے طلبہ کو بھی سنانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعیِ جمیل کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور مزید توفیقات سے

نوازیں، اور ہم سب کو ان قیمتی باتوں پر عمل کرنے کی خوب توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بندہ چوں کہ آج کل اسباق کی تکمیل میں مشغول ہے، اس لیے ان ہی سطور پر اکتفا کرتا ہے۔ بندہ آپ کے لیے دل وجان سے دعا کررہا ہے، اور دعا کا خود بھی محتاج ہے۔

والسلام

محمد سلیم دھورات غفرلہٗ

خادم اسلامک دعوۃ اکیڈمی

۱۸؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

کلمات دعائیہ

از: حضرت الاستاذ مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم العالیۃ
(استاذ حدیث جامعہ فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات، انڈیا)

بحمد اللہ؛ مدارس وجامعات کی فضا میں طالبین علوم نبوت کی تعلیم کے ساتھ تربیت کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا ہے۔ خصوصاً سند فضیلت حاصل کرنے والے فضلاء کے لیے پند و موعظت کا اہتمام ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی کے طور پر قیمتی جواہر پاروں پر مشتمل یہ رسالہ پیشِ خدمت ہے، جو "تحفۃ الفضلاء" کے پرکشش نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ماشاء اللہ مواد بہت مفید ہے، اور دلچسپ ایسا کہ قاری ایک ہی نشست میں پڑھنے پر مجبور ہوجائے۔ اس رسالے کے ذریعے تعلیمی سال کے اختتام پر تکمیل فضیلت کی ایک اہم ضرورت پوری ہورہی ہے۔ ہر فقرہ باحوالہ ہے، جو اکابر ومشایخ سے منقول ہے، گویا اکابر کے دل کی آواز ہے۔

مرتب رسالہ عزیز القدر مولانا عبد الرب زید مجدہٗ وسیع النظر، کثیر المطالعہ، مستند اور باذوق عالم دین ہیں، صلاحیت وصالحیت کے سنگم ہیں، "جوینده یابنده" کے مصداق ہیں۔ اللہم زد فزد۔

مرتب ہم سب کی طرف سے اس پیشکش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے: یہ مجموعہ مستفیضین کے لیے سرمۂ حیات ثابت ہو، جدید فضلاء کے لیے توشۂ سفر ثابت ہو، اور قلم کا یہ مسافر بے تکان ترقی کرتا رہے۔ آمین یارب العالمین۔

احمد ٹنکاروی غفرلہٗ (خادم التدریس فلاح دارین، ترکیسر)

۲۷/رجب ۱۴۴۰ھ، جمعرات

عرضِ مرتب

اس وقت بندے کا دل جذباتِ تشکر سے معمور ہے، اور زبان وقلم دونوں اظہارِ تشکر سے عاجز ہیں کہ ربِ رحمٰن ورحیم، منعم ومحسن حقیقی، خالق ومالک نے محض اپنے فضل و احسان سے اس بات کی توفیق ارزانی فرمائی کہ "تحفۃ الفضلاء" کی صورت میں اکابرین کی نصائحِ عالیہ کا یہ حسین گلدستہ اور قیمتی تحفہ فضلائے مدارس کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

اللّٰھُمَّ لك الحمد كله، ولك الشكر كله، وإليك يرجع الأمر كله، اللّٰھُمَّ لك الحمد كما أنت أهله، ولك الشكر كما أنت أهله، لا نحصي ثناءً عليك، أنت كما أثنيت على نفسك.

"تحفۃ الفضلاء" کا داعیہ اس طرح پیدا ہوا کہ پچھلے کئی سالوں سے تقریباً احقر کا معمول رہا ہے کہ تعلیمی سال کے اختتام پر دورۂ حدیث کے طلبۂ عزیز کے سامنے اکابرین کے وہ بیانات اور قیمتی تحریرات جمع وترتیب کے بعد پیش کرتا ہے جو ہمارے اساتذہ اور مشائخ ابتدا یا انتہائے سال کی مناسبت سے طلبہ کے سامنے استقبالیہ یا الوداعیہ نصیحتوں میں بیان کیا کرتے ہیں۔ سال بہ سال مواد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

گذشتہ سال (۱۴۳۹ھ) یہ خیال دل میں آیا کہ ان قیمتی نصائح کا ایک مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو، تو فارغ ہونے والے جوانانِ سعادت مند کو یکجا پڑھنے اور آئندہ زندگی کا لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے ایک دلچسپ اور مفید مواد میسر آجائے گا، اس لیے کہ خاص اس موضوع پر کوئی مستقل کتابچہ مختلف اکابرین کی نصائح پر مشتمل بندے کی ناقص نظر سے نہیں

گذرا۔[۱]

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع ہوا، لیکن گذشتہ سال یہ کام مکمل نہ ہوسکا، البتہ سالِ رواں (۱۴۴۰ھ) ہر طرح کے اتار چڑھاؤ کے باوجود اس کام کو مالک نے اپنے فضل سے پورا کرادیا۔ **فللہ الحمد والمنۃ.**

تاہم چوں کہ بندہ قلم وقرطاس کا دھنی نہیں ہے، اور یہ کتابچہ بہ عجلت تمام ایک ماہ سے کم مدت کی جدوجہد سے تیار کیا گیا ہے، اس لیے اس میں ضرور کتابت اور ترتیب وغیرہ کے اعتبار سے اغلاط رہ گئی ہوں گی۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ مطالعے کے دوران کوئی بھی غلطی نظر آئے، یا کوئی بات قابلِ مشورہ ہو تو اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔ بندہ آپ کا احسان مندر ہے گا۔

ارشادِ نبوی ہے: "مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ" (جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوگا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہوگا)[۲]، اس لیے اس کتابچے میں جن جن حضرات کا

---

(۱) تاہم ۱۴۱۱ھ میں ایک قیمتی مجموعے کا نام اور اس کے مختلف اقتباسات دیگر کتب میں باصرہ نواز ہوئے، لیکن اصل کتاب دریافت نہ ہوسکی۔ یہ قیمتی مجموعہ" پا جا چراغِ زندگی" کے نام سے حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ العالی کا تالیف کردہ ہے، بقول مؤلف: اس میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے لے کر حضرت مولانا اسلم شیخوپوری شہیدؒ تک کے بیانات اور تحریریں جمع کی گئی ہیں، ان بیانات اور نصائح کا تعلق تمام طلبہ سے بالعموم؛ اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت پانے والے فضلاء سے بالخصوص ہوتا ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کے تقریباً ان تمام مشاہیر کی ہدایات، تجربات، مشوروں اور نصیحتوں کا نچوڑ آ گیا ہے جو علم اور عمل، روحانیت وللّٰہیت کی دنیا کے آفتاب ومہتاب تھے۔

۱۴۴۵ھ کے سفر برطانیہ کے موقع پر اسلامک دعوہ اکیڈمی کے جواں سال، کثیر المطالعہ عالم حضرت مولانا محمد زاہد پٹیل (جن کا اصل وطن" بارڈولی، گجرات" ہے) سے اس کتاب کا مذاکرہ ہوا؛ تو انہوں نے یہ کتاب بطور تحفہ عنایت فرمادی۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

یہ کتاب" السعید پبلکیشنز" سے شائع ہوئی ہے، ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی ہے۔

(۲) فیض القدیر: ٦/ ٢٧٦۔

تعاون بندے کو حاصل رہا؛ بندہ ان تمام کا تہِ دل سے شکر گزار ہے۔ مثلاً: والدین ماجدین، جن کی بہترین تعلیم وتربیت اور دعائے نیم شبی کا یہ نتیجہ ہے کہ بندے نے اس وادی میں قدم رکھا۔ نیز تمام مشفق اساتذۂ کرام، خصوصاً حضرت الاستاذ حضرت مفتی عبداللہ صاحب رویدروی رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ؛ جن کی روز وشب کی کاوشوں کا یہ ثمرہ ہے، اسی طرح حضرت الاستاذ حضرت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم العالیہ؛ جنہوں نے ایک ایک سطر کا گہرائی سے مطالعہ کرکے ظاہری اور معنوی اغلاط کی نشان دہی فرمائی۔ نیز حضرت اقدس مولانا سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بھی بے حد ممنون ہے، حضرت نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، بلکہ باوجود اپنے انتہائی قیمتی اشغال کے اپنی قیمتی تحریر بھی ارسال فرمائی، جو میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

علاوہ ازیں بندہ مولانا محمد اسامہ مئوی صاحب اور عزیزم مولوی محمد عبید منیار صاحب سلمہما اللہ کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے بڑی دل سوزی کے ساتھ رات دن ایک کرکے کمپوزنگ اور تصحیح وتزیین میں جانفشانی کا ثبوت دیا۔ فجزاھم اللہ خیرًا.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتابچے کو بے حد قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔ (آمین)

عبدالرب واپی سعادتی غفرلہٗ

۲۸/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ، بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

برِّصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے ہزاروں مدارس و جامعات میں تعلیمی سال کا اختتام شعبان المعظم پر؛ جب کہ یورپین، عرب اور بعض دیگر ایشیائی ممالک میں مختلف مہینوں میں تعلیمی سال کا اختتام ہوتا ہے۔ ان جامعات و مدارس سے ہر سال ہزاروں طلبہ اپنا تعلیمی دورانیہ پورا کر کے سند فراغت حاصل کرتے ہیں، اکابر و مشائخ، علما و صلحا ان کے سروں پر عمامہ بندی کر کے ان پر اظہارِ اعتماد کرتے ہیں۔ حقیقت میں ان فضلا کے ساتھ اساتذۂ کرام علومِ نبوت کی وہ وراثت و امانت جو اُنھوں نے اپنے اپنے مشائخ و اساتذہ سے حاصل کی تھی، اور اس بارِ امانت کو اگلی نسل تک پہنچانے کا جو عہد و پیمان اپنے رب اور اپنے اساتذہ و مشائخ عظام سے کیا تھا؛ اُس عہد و پیمان کا ایفا کر کے اپنے فریضے سے سبک دوش ہو رہے ہوتے ہیں، اور اُن کے نوخیز فضلا و تلامذہ اس بارِ امانت کو اپنے اپنے کندھوں پر لادے اپنے اکابر کا عہد و پیمان اپنے ذمے لے کر عملی میدان میں اُترے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر اُنھیں ذمے داری کا احساس دلانا اور ان کی رہنمائی کرنا اُن کا حق اور اساتذہ کا فرض ہوتا ہے، اس لیے تعلیم کے آخری ایام میں بیشتر مدارس و جامعات میں فضلا کے لیے خصوصی تقاریب کا انعقاد ہوتا ہے، اور بعض حضرات تحریری طور پر فضلائے کرام کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ (۱)

بہر حال! دینی مدارس میں تعلیمی سال کا آخر آخر ہے، ان میں بہت سے طلبہ وہ ہیں، جن کے تعلیمی دورانیہ کا یہ آخری سال ہے، اور یوں آٹھ دس سال پہلے انھوں نے

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال سنہ ۱۴۴۳ھ: ص ۴۳۔

اسلامی علوم میں استعداد حاصل کرنے کے لیے جو سفر شروع کیا تھا، اس کی منزل آ پہنچی ہے، ان اختتامی ایام میں طالب علم عجب کشمکش کی حالت سے دوچار ہوتا ہے، ایک طرف ایک سنہرے مرحلے کو مکمل کرنے کی خوشی ہوتی ہے کہ اب مولوی کہلائیں گے، سر پر دستار فضیلت سجائی جائے گی۔ اسی لیے ماہِ شعبان کی آمد سے پہلے ہی مدارس اسلامیہ کے دورۂ حدیث شریف کے طلبہ مختلف تیاریوں میں مصروف ہوجاتے ہیں، کوئی نیا جوڑا سلوا رہا ہے کہ سالانہ جلسے میں دولہا بنیں گے، کہیں دعوت نامے چھپوائے جاتے ہیں کہ اعزہ، اقرباء اور اہل خانہ کے نام بھیج کر انھیں الوداعی تقریب میں مدعو کریں گے، کوئی سفر کے لیے ٹکٹ کی بکنگ میں سرگرداں ہے، کوئی مختلف قسم کی دعوت طعام کی اُدھیڑ بُن (سوچ بچار) میں ہے۔

دوسری طرف جب ایک طالب علم اپنا تعلیمی دورانیہ ختم کر کے زندگی کی ایک نئ اور نسبتاً اجنبی منزل میں قدم رکھتا ہے، تو اس کے دل و دماغ پر مستقبل کے کئ خدشات منڈلا رہے ہوتے ہیں، یادیں تعاقب کرتی ہیں، اندیشے ڈستے ہیں، آئندہ کے مشاغل، سکون خانۂ دل میں رَولا (ہنگامہ) مچاتے ہیں، اساتذہ، ساتھیوں اور مادر علمی سے بچھڑنے کی فکر کُسمُساتی (مچلتی) ہے، لیکن اس میں کوئی اچنبھے کی بات اس لیے نہیں کہ دنیا کی یہ چند روزہ زندگی خوشی وغم، شدت ورخوت، بہار وخزاں اور وصال وجدائی ہی سے تو عبارت ہے، ابھی ایک منزل پر پہنچ کر گرد سفر جھاڑا نہیں ہوتا کہ اگلا مرحلہ آ پہنچتا ہے۔ ع

صد بیاباں بگذشت ودیگرے درپیش است

فراغت خوشی ورنج کا سنگم:

میرے عزیز طلبہ! ایسے موقع پر اگر آپ رنجیدہ ہیں، تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ موقع ہی ایسا ہے، جو رنج ومسرت دونوں کا جامع ہے۔ لیکن وہ ماں قابلِ مبارک باد

نہیں جو ہمیشہ اپنے بچوں کو سینے سے لگائے رہے، اور آنکھوں سے اوجھل کرنے پر تیار نہ ہو، بلکہ اس کا ایک وقت مقرر رہے، اس وقت تک وہ بچے کی پرورش کرتی ہے، پھر وہی ماں اس بچے کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتی ہے، تا کہ وہ اس کی پیری کے لیے سہارا بن سکے۔ اسی طرح آپ نے ایک مدت یہاں گزاری، اس میں آپ کا ہم سے مانوس ہونا یا ہمیں آپ سے انس ہونا بالکل قدرتی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے اندر انس کا مادہ رکھا ہے، لیکن انسانوں کے اندر یہ جوہر زیادہ ہی نمایاں ہے، صرف لسانیات ہی نہیں، نفسیات کے بعض بڑے بڑے ماہروں کا کہنا ہے کہ انسان کا لفظ بھی اسی انس سے مشتق ہے، اس موقع پر ہمیں اس حیثیت سے تو یقیناً رنج ہے کہ آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں، ہمارا آپ کا جو ساتھ تھا، وہ چھوٹ رہا ہے، لیکن دوسری حیثیت سے ہمیں یہ مسرت ہے کہ آپ نے اپنی تعلیمی مدت بہ حسن وخوبی پوری کر لی، آپ نے اس زمانے میں جب کہ حالات بالکل ہی مخالف ہیں، اور زمانے سے سکون واطمینان رخصت ہو چکا ہے؛ دین کی تعلیم حاصل کی، اس حیثیت سے آپ قابل صد مبارک باد ہیں اور ہمیں اس پر دلی مسرت ہے۔[1]

مبارک بادی:

عزیزانِ من! بندہ بھی اور بہت سوں کی طرح آپ لوگوں کو دل کی گہرائیوں سے مبارکبادی کے ساتھ وہ تمام دعائیں دیتا ہے، جو اس موقع پر دی جاتی ہیں، یا دی جانی چاہیے۔ چناں چہ ابو داود شریف میں روایت ہے: "عن عبد الله الخطمي رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يستودع الجيش قال: أستودع الله دينكم

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۱۷-۱۸۔

وأمانتكم وخواتيم أعمالكم"۔[1]

اس کے علاوہ جناب نبی کریم ﷺ کی ایک عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ سفر پر جانے والوں کو دعاؤں اور گراں قدر نصیحتوں سے نوازتے تھے، جن کی حیثیت زادِ راہ کی ہوتی تھی۔ چناں چہ ترمذی شریف میں روایت ہے: "عن أنس ؓ قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! إني أريد سفرًا فزودني فقال: زودك الله التقوٰى، قال: زدني، قال: وغفر ذنبك، قال: زدني بأبي أنت وأمي، قال: ويسر لك الخير حيث ما كنت"۔[2]

نیز ایک اور روایت میں ہے: "عن أبي هريرة ؓ قال: إن رجلا قال: يا رسول الله! إني أريد أن أسافر فأوصني، قال: عليك بتقوى الله والتكبير على كل شرف، فلما ولى الرجل قال: اللّٰهُمَّ أَطْوِ لَهُ البعد، وهوِّن عليه السفر"۔[3]

اسی طرح "إن أولى الناس بي المتقون مَن كانوا وحيث كانوا"[4]۔ یہ جملہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو زندگی کی آخری ملاقات کے وقت ارشاد فرمایا تھا، جب کہ حضرت معاذ ؓ یمن کی طرف جانے کے لیے سوار تھے اور آقا ﷺ پیدل چل رہے تھے۔[5]

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۲۱۴ - کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات -۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۲۱۴ - کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات -۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۲۱۴ - کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الاوقات -۔

(۴) مسند احمد: ۲۱۴۸۳۔

(۵) تیری رہبری کا سوال ہے: ص ۲۱۔

نیز بخاری شریف[۱] میں مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم چند نوجوان آپ سے پڑھ کر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ارجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلموهم، ومروهم، وصلّوا كما رأيتموني أصلّي"، یعنی اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ، ان کو جا کر تعلیم دو، جن گھر والوں نے اتنا عرصہ آپ کو فارغ کر کے دین کے لیے بھیجا تھا؛ آخر اُن کا بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟ اللہ نے یہ جو اتنی بڑی نعمت دی ہے اُس کا شکر یہ ہے کہ اس کو پھیلاؤ، اس کو پھیلانا ہے؛ یہ نہیں کہ اس کو اپنے تک بند کرنا ہے، اور جا کر دکان کھول دو، ریڑھی لگا دو، یہ تو ساری دنیا کر رہی ہے؛ آپ کا اصل کام یہ ہے کہ بس دین کے خادم بن جاؤ۔[۲]

علاوہ ازیں دنیا کا دستور ہے کہ جب کسی کا بیٹا اجنبی علاقے میں سفر کے لیے جا رہا ہو تو باپ اُسے بتاتا ہے: بیٹا! فلاں راستے سے جانا، فلاں گاڑی میں سوار ہونا، فلاں جگہ اترنا، فلاں شخص سے ملنا، فلاں فلاں لوگوں سے نہ ملنا! غرض؛ ہر طرح سے سمجھا کر ایک باپ اپنے بیٹے کو روانہ کرتا ہے۔ طلبہ بھی چوں کہ اساتذہ کے روحانی بچے ہوتے ہیں، اور جب وہ فارغ ہو کر معاشرے میں جا رہے ہوتے ہیں تو اساتذہ کی اُن سے بہت سی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں؛ کہ اِس معاشرے میں وہ دین کا خوب کام کریں گے، لہٰذا طلبہ کو بھی چند باتیں بتلائی جاتی ہیں۔[۳]

چناں چہ سلطان القلم، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ انور شاہ

---

(۱) کتاب العلم، کتاب الأذان، باب الأذان للمسافر، رقم الحدیث: ۶۳۱۔

(۲) ماہنامہ بینات، رجب المرجب ۱۴۴۳ھ: ص ۱۶۔

(۳) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۵۱۔

کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ حدیث کے اختتامی کلمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

دورہ اختتام کی حد پر جب پہنچتا تو اُس وقت اپنے خاص انداز میں فرماتے کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے کہ میں مرغیوں کے ڈربے کو کھول دوں گا، یہ مرغے جو ہمارے اِردگرد جمع ہیں؛ ڈربے سے نکلیں گے، دیکھتا ہوں کہ بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر بازؤوں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے کون بانگ دیتا ہے؟ کس کی آواز کتنی اونچی ہوتی ہے؟ اس قسم کے لطیفوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا کرتے تھے جو کہنا چاہتے تھے۔ (۱)

عزیز طلبہ! آپ بھی چوں کہ ایک دور دراز سفر پر جا رہے ہیں، جسمانی اعتبار سے جدا ہو رہے ہیں، اس لیے اکابر و معاصر علما کے تجربات، ان کے بیانات اور تحریروں کی روشنی میں میری بھی آپ سے چند گزاراشات ہیں۔ اگر چہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ "بسم اللہ" نکال کر سوئے ادب سے بچنے کے لیے شروع میں ۷۸۶ ر کا عدد لکھ دیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ جو برکت بسم اللہ کے اندر ہے وہ ۷۸۶ ر سے نہیں حاصل ہو سکتی، بالکل اسی طرح؛ باتیں ان کی ہیں- قلم میرا، لیکن جو تاثیر اکابرین سے بالمشافہہ سننے میں ہے وہ کہاں سے لاؤں؟ تاہم یہ چند بے ترتیب گزارشات پیش خدمت ہیں، اگر کسی کو ان سے فائدہ ہو تو زہے نصیب!

نصیحت گوش کن جانا کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر داناں را (۲)

---

(۱) احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن: ص ۱۰۸۔

(۲) دیوان حافظ: ص ۳۲۔

ترجمہ: پیارے! نصیحت سن لے، اس لیے کہ سعادت مند جوان بوڑھے سمجھ دار کی نصیحت کو جان سے زیادہ پیارا سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہم تو نصیحت کریں گے اور اخیر دم تک کریں گے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”اگر میری گردن پر تلوار رکھ دی جائے، اور میں نصیحت کر سکوں، کوئی حدیث پہنچا سکوں، تو پھر بھی میں پہنچاؤں گا“۔ [۱]

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۳۲۶

﴿مقاصد﴾

(۱) تشکر نعمت اور استغفار:

میرے پیارو! آپ لوگ فارغ ہو رہے ہیں یا ہو گئے، اور اب ماشاء اللہ آپ کا شمار علما میں ہونے لگا ہے، لوگ آپ کو عالم دین ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، اس سے آپ کا دل مسرور ہے اور ہونا بھی چاہیے، ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا، هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (آپ کہہ دیجیے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہٰذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہیے، یہ اس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں)[1]۔ اللہ جب کسی نعمت سے سرفراز فرمائے تو قدرتی طور پر اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ کیا کم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کے حصول اور پھر تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اور ہمیں بغیر استحقاق کے اہل علم کے ساتھ جوڑ دیا!! یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے اور ان کی صفت ستّاری کا ایک مظہر۔ اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اور اس شکر کی سب سے اہم شق یہ ہے کہ ہم علمائے ربانیین جیسا بننے کی کوشش کریں اور ان کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ بنائیں، کیوں کہ یہی حضرات انبیا علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

بہرحال؛ ہمیں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں حدیث پڑھنے پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی، اور اِس بات پر اللہ سے استغفار کرنا چاہیے کہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا جو حق تھا وہ ہم ادا نہ کر سکے، پڑھنے اور پڑھانے میں بہت سی کوتاہیاں

---

(۱) یونس: ۵۸۔

ہوئیں، ہمارے ناپاک منہ اس قابل نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی زبان سے ادا کرسکیں، یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں احادیث پڑھنے پڑھانے کے شرف سے نوازا۔ (۱)

(۲) فراغت کا غلط تخیل:

سروں پر دستارِ فضیلت سجائے ہوئے فضلائے کرام!

وقت اتنی تیزی سے کروٹ بدلتا ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا، کب دورِ طفولیت کا اختتام اور کب جوانی کا آغاز ہوا؟ ابھی کل ہی کی تو بات ہے؛ جب آپ اپنے والد اور سرپرست کی انگلی پکڑ کر مکتب میں بیٹھے تھے، اور اپنی توتلی زبان سے "الف، باء" پڑھ کر علمی سفر کا آغاز کیا تھا، اکثریت ایسوں کی ہوگی جنہیں خبر ہی نہیں تھی کہ اُن کی منزل کیا ہے؟ اور سفر کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے ہر ممکن حد تک مکتب اور مدرسے سے جاں خلاصی کی کوششیں کی ہوں گی، انہوں نے بارہا ناسازیِ طبع کے بہانے بنائے ہوں گے، روکھے سوکھے لنگر، استاذ کی سرزنش اور گھر سے جدائی پر منہ بسورے ہوں گے، راہِ فرار بھی اختیار کی ہوگی، لیکن گرتے پڑتے وہ بھی منزل تک پہنچ ہی گئے، بلکہ پہنچا دیے گئے، لیکن کیا واقعی یہی منزل ہے؟؟ نہیں! ہرگز نہیں!! یہ منزل نہیں؛ بلکہ دیکھا جائے تو سفر کا آغاز اب ہوا ہے۔

آپ نے مکتب اور مدرسے کی فضا میں جو ۱۲-۱۴/سال گزارے؛ وہ تو سفر کی تیاری کے دن اور حالات کے سمندر میں تیرنے کی صلاحیت حاصل کرنے کی راتیں تھیں۔ ہرطرف ایک شور بپا ہے، مبارک باد کی صدائیں آرہی ہیں کہ آپ فارغ ہوگئے ہیں، کیسے

---

(۱) البلاغ کراچی- جولائی ۲۰۱۵ء-۔

عجیب لوگ ہیں!! فارغ کو شاغل اور شاغل کو فارغ کہتے ہیں، اگر آپ نے بھی اپنے آپ کو فارغ سمجھ لیا تو اُس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ ابھی سمجھ آئی ہی نہیں، بچپن کے اثرات ختم نہیں ہوئے، سبق یاد نہیں ہوا، جسے سبق یاد ہو جائے اُسے چھٹی کہاں ملتی ہے؟ اُس کے پیروں میں زنجیر پڑ جاتی ہے، یہ زنجیر کوئی اور نہیں؛ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ڈالتا ہے۔ رسمی طالب علمی کا زمانہ تو غفلت اور بے فکری کا زمانہ تھا، نہ معاش کی فکر، نہ تلاش کا غم، نہ حوادث کی یلغار، نہ حریفوں کی للکار، ہر رات ایسی مدہوشی کی نیند آتی تھی کہ سرمایہ داروں کو پتا چل جائے تو سب مدرسوں میں داخلہ لے لیں۔ جمعرات کی بزم آرائی اور جمعہ کی ملاقاتوں اور تفریح کا لطف ہی کچھ اور ہوتا تھا۔

کیا ہی مزہ ہوتا، کیا ہی بات ہوتی
ہر دن جمعہ ہوتا، ہر رات جمعرات ہوتی

لیکن اب وہ بے فکری کا زمانہ لد گیا، وہ بزم آرائیاں اور تفریحات بھولی بسری داستانیں بن گئیں، زندگی کے عملی حقائق سے واسطہ اب پڑے گا۔ (۱)

لہٰذا جدید فضلا کے پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ مدارس سے حاصل شدہ معلومات اور استعداد پر قناعت اپنے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہے، ہمارا نصاب عالم نہیں بناتا؛ بلکہ علم کی راہ کھولتا ہے، اسی کو پڑھ کر اپنے تئیں عالم باوَر کرنا (سمجھنا) جہل ہے۔ چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب (علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) نے ہمیں دورۂ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا،

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۳۰-۲۳۱۔

فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوتِ مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے، اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازے میں داخل ہو، اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لا کر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے۔ (۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

ایسے موقع پر جب ”فارغ“ کا لفظ بولا جاتا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مفہوم سمجھنے میں لوگ غلطی کریں۔ دارالعلوم کو ایک ایسی تعلیمی مدت تو رکھنی ہی چاہیے تھی جس مدت کو آپ طے کرتے اور اس مرحلے سے فارغ ہوتے، لیکن اس موقع پر جو بات ہم کو آپ سے کہنی ہے؛ وہ یہ ہے کہ اگر آپ نے اس کا مفہوم یہ سمجھ لیا کہ ہم تعلیم سے فارغ ہو گئے، اب ہمیں تعلیم و تربیت کی کوئی ضرورت نہیں، تو بلا کسی حجاب کے اور تردد کے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آپ نے کچھ بھی نہیں سیکھا، اور آپ کا ادارہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام ہے، اور ہم لوگ بالکل ناکام ہیں، لیکن جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ نے فارغ ہونے کا یہ مفہوم نہیں سمجھا ہے، بلکہ فارغ ہونے کا مفہوم آپ کے نزدیک بھی یہ ہے کہ آپ اس قابل ہو گئے ہیں کہ کتابوں کو ہاتھ لگا سکیں، اور حسب ضرورت ان سے استفادہ کر سکیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ کو اب علم حاصل کرنے کی کنجی دے دی گئی ہے تو زیادہ صحیح ہوگا، آپ اس کنجی کے ذریعہ ہر قفل کھول سکتے ہیں، اور علم

(۱) تحفۃ المدارس: ۱/ ۳۳۲۔

کے خزانے اپنے پاس جمع کر سکتے ہیں، آپ اس کنجی کو جتنا ہی استعمال کریں اسی قدر وہ کام دیتی چلی جائے گی۔

ہر نصاب کی ایک خصوصیت ہوتی ہے، اگر وہ نصاب اپنے فارغ شدہ طلبہ کے اندر یہ احساس (جہل کا اعتراف) پیدا کر دے، شاید یہ لفظ بعض کانوں کو نامانوس معلوم ہو، لیکن مجھے اس لفظ پر اصرار ہے، جسے لوگ ذوقِ علمی سے تعبیر کرتے ہیں، اگر آپ کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا ہے تو آپ کامیاب اور قابل مبارک باد ہیں، اور میں آپ کے اس ادارے کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ (۱)

دو لفظوں نے مدارس سے نکلنے والوں کو پیچھے کر دیا:

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۹/رجب ۱۴۳۲ھ صبح بارہ بجے کے قریب بخاری شریف جلد اول مکمل فرمائی، بعدہٗ قیمتی نصیحتوں سے فضلا کو مستفیض فرمایا، من جملہ ان باتوں کے ایک بات یہ ارشاد فرمائی:

دو لفظوں نے مدرسہ سے نکلنے والے طلبہ کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے:

(۱) "میں فارغ ہو گیا"۔ ارے فارغ تو بیت الخلاء سے ہوتے ہیں، انسان تو زندگی کے آخری سانس تک فارغ نہیں ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: "اَلْعِلْمُ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ" (تحصیلِ علم کا زمانہ پالنے سے شروع ہوتا ہے اور قبر تک چلتا ہے)۔ عرب ممالک میں لفظ فارغ استعمال نہیں کرتے، "خِرِّيْجُ جَامِعَةِ كَذَا" کہتے ہیں، (یعنی فلاں یونیورسٹی سے نکلا ہوا) یونیورسٹی کا جو نصاب ہے وہ پڑھ کر

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۱۸۔

یونیورسٹی سے نکلا۔ یہ بہت اچھا لفظ ہے، مگر ہمارے یہاں فارغ لفظ ہے، جو آدمی کو دھوکہ دیتا ہے۔

...... اس سے یہ ذہن بن جاتا ہے کہ جتنا پڑھنا تھا؛ پڑھ چکے، فارغ ہو گئے، حالاں کہ مدارس اسلامیہ میں استعداد بنائی جاتی ہے، سارا علم نہیں پڑھایا جاتا، علم تو ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے، ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ ہی نہیں، کوئی مدرسہ ہزار سال میں بھی پورا علم نہیں پڑھا سکتا، مدرسوں میں تو تحصیل علم کی استعداد بنائی جاتی ہے، اب آپ کو اس استعداد سے کام لے کر زندگی بھر پڑھنا ہے، تب علم آئے گا۔

(۲) دوسرا لفظ "فاضل" ہے۔ ابھی چار لفظ آئے نہیں اور بن گیا فاضل (با کمال)، دماغ میں گھس گیا کہ سب کچھ آ گیا، آخری درجے کا علم بھی حاصل ہو گیا، پھر اب کیوں پڑھے؟ یہ دوسرا لفظ ہے، جس نے ترقی روک دی ہے۔

دو "اقرأ" اور اُن میں فرق:

قرآن کریم میں دو "اقرأ" ہیں، ایک ناخواندہ کا "اقرأ" ہے، دوسرا عالم کا "اقرأ" ہے، فرمایا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝﴾ (اپنے پروردگار کے نام کی مدد لے کر پڑھ، جس نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) یعنی تمہیں بے جان مادے سے پیدا کیا، پس اگر تم جاہل ہو، بالکل آخری درجے کے اَن پڑھ ہو تو بھی اللہ کے نام کی مدد لو اور پڑھو، اللہ تعالیٰ تمہیں علم دے گا، یہ پہلا "اقرأ" ہے، اور ناخواندہ کا "اقرأ" ہے۔

میرے عزیزو! آپ حضرات پہلے "اقرأ" سے نکل گئے، پہلا "اقرأ" آپ کا مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرا "اقرأ" شروع ہوگا، اور دیکھو: انداز کیسا بدلا ہوا ہے!! ﴿اِقْرَاْ

وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳﴾ (پڑھ تیرا رب بڑا سخی داتا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی)۔ "أکرم" اسم تفضیل ہے، تیرا پروردگار بڑا سخی داتا ہے۔ مگر اب اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کرنا ہے، اب کیسے پڑھنا ہے؟ ﴿الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴﴾ تیرا پروردگار پین (pen) کے ذریعے علم سکھلاتا ہے۔ یعنی متقدمین نے جو لکھا ہے وہ پڑھ، اب اساتذہ سے نہیں پڑھنا؛ اب مطالعہ کرنا ہے، گذرے ہوئے لوگوں نے قلم سے جو کچھ لکھا ہے، جو کتابیں تصنیف کی ہیں، اُن کو پڑھنا شروع کر۔ مدرسے نے استعداد بنادی، اب اس استعداد سے کام لے کر گذشتہ بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کر۔ ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾ (انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا) مدرسے کی زندگی میں انسان نے جو نہیں جانا، اللہ تعالیٰ کتابوں کے مطالعے سے وہ علم عطا فرمائیں گے۔

یہ دوسرا "اقرأ" ہے، پہلا "اقرأ" ناخواندہ کا ہے اور دوسرا "اقرأ" خواندہ کا ہے۔ مگر مدرسوں سے نکلنے والے پہلا "اقرأ" کر کے بیٹھ جاتے ہیں، کہتے ہیں: ہم فارغ ہوگئے، ہم فاضل ہوگئے، وہ دوسرا "اقرأ" شروع نہیں کرتے، جب دوسرا "اقرأ" شروع نہیں کریں گے تو علم کہاں سے آئے گا؟ علم تو بہت آگے ہے، اگر استعداد بن گئی مطالعہ کرنے کی اور علم حاصل کرنے کی؛ تو جو معمولی استعداد کا ہے اس کے لیے ۲۰/سال، اور جو متوسط استعداد کا ہے اس کے لیے ۱۵/سال، اور جید الاستعداد ہے اس کے لیے ۱۰/سال پڑھنا ضروری ہے، اتنی مدت رات دن کتابوں کے کیڑے بنے رہو گے تو اس مدت کے بعد علم آنا شروع ہوگا، پندرہ سال کے بعد علم آنا شروع ہوگا، بیس سال کے بعد علم آنا شروع ہوگا، اور جب علم آنا شروع ہوگا تو تمہیں خود احساس ہوگا کہ اب کچھ علم آنے لگا ہے۔ (۱)

---

(۱) تحفۃ القاری: ۷/ ۴۰۴-۴۰۵۔

حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

اب تک آپ نے انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا ہے، اب آپ کو اپنے پیروں پر چلنا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس طرح بچہ تیرنے کے لیے تالاب میں اُترتا ہے تو ابتدا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر یا اُس کو اپنی کمر سے کپڑا اتھا کر یا سینے میں ہاتھ لگا کر تیرانے کی کوشش کی جاتی ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ پانی کے اوپر تیرنے لگتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ اب تم تیرنا سیکھ لوگے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم کو تیرنے سے تھوڑی مناسبت پیدا ہوگئی ہے، اگر تم نے مشق جاری رکھی اور کوشش کرتے رہے تو تم تیراک ہوجاؤگے، لیکن اگر وہ ناسمجھ یہ سمجھ بیٹھے کہ میں تیراک ہوگیا ہوں تو یہ اُس کی بہت بڑی بھول ہے۔ اسی طرح یہ چند قطرے ہیں اُس سمندر کے جو آپ کے کشکول کے اندر ٹپکائے گئے ہیں اور آپ کی پیاس بجھائی نہیں گئی؛ بلکہ پیاس چمکائی گئی ہے۔(۱)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰۰ء) رقم طراز ہیں:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۲ء) نے "مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام"(۲) میں فرمایا: فاضل اس زمانے میں اس کو کہتے تھے کہ جس کا پڑھا بے پڑھا برابر ہو، اور سب کتابیں پڑھا سکے، اب اس کے معنی الٹے ہیں کہ جس کا پڑھا بے پڑھا برابر ہو کر پڑھا ہوا بھی نہ پڑھا سکے۔(۳)

---

(۱) فضلا کو قیمتی نصیحتیں، افادات: حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی: ص ۴-۵۔

(۲) مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور ان کے خلفائے کرام: ۱/ ۵۶۹، طبع انگلینڈ۔

(۳) ماہنامہ نصرۃ العلوم، اگست ۲۰۲۲ء: ص ۱۹۔

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

اگلے مرحلے میں قدم رکھنے سے پہلے یہ بات ان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہیے کہ دینی مدارس میں اسلامی علوم کے لیے مرتب شدہ نصاب ایک طالب علم کے اندر صرف صلاحیت پیدا کر کے اس کے ہاتھ میں اسلامی کتب خانے سے فائدہ اٹھانے کی کنجی دے دیتا ہے، جس کے ذریعے وہ مختلف علوم کے مقفل دروازوں کو بہ آسانی کھول سکتا ہے، اس لیے مطالعے کو وسیع کرنے، استعداد بڑھانے اور علوم میں پختگی حاصل کرنے کا زمانہ در حقیقت رسمی طالب علمی کے دور سے فارغ ہونے کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، صرف درس نظامی پڑھ لینا یا ان ہی پڑھی ہوئی کتابوں کو پڑھانے پر اکتفا کرنا اپنی ذات کی علمی تکمیل و ترقی کے ذمہ داری سے عہدہ براں ہونے کے لیے قطعاً کافی نہیں۔

اسلامی علوم کے مصادر و مراجع اور جلیل القدر علمائے متقدمین و متأخرین کی کتابوں کا مطالعہ یکسر ترک کر کے چند کلیوں پر قناعت کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ درسِ نظامی سے حاصل شدہ استعداد سے صحیح نہج پر استفادہ نہیں کیا گیا، بلکہ اس اکتفا یا جمود سے رفتہ رفتہ مطالعہ کا وہ ولولہ، شوق اور جذبہ بھی بسا اوقات ماند پڑ جاتا ہے جو طلب علم کے دوران پروان چڑھتا ہے، مثلاً کسی نے درس نظامی کی مشہور کتاب "مختصر المعانی" پڑھی اور اللہ کے فضل سے برسوں پڑھائی، لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ علم معانی و بلاغت پر متقدمین علما کی اور کیا کیا کتابیں ہیں؟ متأخرین نے اس موضوع پر کیا لکھا ہے؟ قرآن کریم اور احادیث کی بلاغت پر عمدہ تصانیف کون سی ہیں؟ اور معاصر اہل قلم اس موضوع پر کس انداز سے کام کر رہے ہیں؟ تو یہ سمندر کی بے کراں وسعتوں میں جھانکنے کے بجائے حوض کی چہار دیواری میں اپنے کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا۔

علمی جہت کی تکمیل وترقی کے لیے جدید فقہی مباحث، عربی زبان کے جدید اسالیب واصطلاحات، ملک کی رائج زبان کے مروجہ اسلوب اور انگریزی زبان سے بھی بقدرضرورت واقفیت ضروری ہے۔ یہ علم کی نشرواشاعت اور دین اسلام کی تبلیغ کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے،طلب علم کے دورانیہ میں ان جدیدامور کی طرف عموماً توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا یاکم ملتاہے، اس لیے فاضل ہونے کے بعد دوسری مصروفیات میں ان کی طرف توجہ دینے کے لیےاہمیت کےساتھ وقت نکالنا چاہیے۔ (۱)

حضرت مفتی طاہرصاحب سورتی زیدمجدہٗ فرماتے ہیں:

پتہ نہیں عین مشغولی کی ابتدا کو"فراغت" کہنے کی ابتدا کس نے کی؟ کہ"فارغ ہونے" کوسوچ کران حضرات کی نفسیات پر بہت بُرااثر پڑتاہے،جنہیں بے پناہ مشاغل کےہجوم میں گھس جانا چاہیے۔فارغ تو آپ مدرسے میں تھے،اب کاہے کےفارغ؟اب تو عمل پیہم شروع کرناہے، چاروں طرف لگی آگ کو بجھاناہے،مختلف محاذ آپ سے جیالوں کےانتظارمیں ہیں۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

(علامہ اقبالؒ)

"فراغت" کے لفظ نے جوسب سے زیادہ نقصان پہنچایاہے وہ یہ کہ ہم پڑھنا چھوڑدیتےہیں کہ"جتنا تھا وہ توسب نوسال میں پڑھ لیا اب باقی کیا رہا؟" اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ذرافہرست کتب پرنظرڈالیے تاکہ پتہ چلے کہ باقی کیا رہا، پتہ چلا کہ جو پڑھا ہے

(۱) کرنیں:۱۸۰-۱۸۱۔

وہ تو ایک فیصد بھی نہیں، باقی تو بہت کچھ ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

(علامہ اقبالؒ)

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب مرنا ہی ہے اے دل پار ہوجانا (۱)

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

(۳) احساس ذمہ داری:

عزیزو! اس وقت آپ نے جو امتحان دیا ہے وہ درحقیقت اپنے علم یعنی اپنی درسی کتابوں کا دیا ہے، اور اسی کے نتائج آپ کے سامنے آئیں گے، مگر آپ کو یہاں نصابی کتابوں کی تعلیم وتدریس کے ساتھ کچھ اعمال اور اخلاق بھی سکھائے گئے، اور تعلیم کے ساتھ آپ کی ذہنی اور اخلاقی تربیت بھی کی گئی ہے، اور اس کا امتحان ابھی نہیں ہوسکا ہے، اس کے اصل امتحان کا وقت تو قبر میں اور قبر سے اٹھنے کے بعد میدانِ حشر میں ہوگا۔ جیسا آپ کا نامۂ اعمال ہوگا ویسا اس کا نتیجہ آپ کے سامنے آئے گا۔ مگر عارضی طور پر اس کا امتحان اسی ماحول میں بھی ہوگا، جہاں آپ محاسنِ اخلاق کی تربیت گاہ کو چھوڑ کر جارہے ہیں۔

اخلاقیات کا امتحان:

جب آپ گھر اور وطن کے ماحول میں جائیں گے اور گھر کی زندگی میں داخل

(۱) ماہنامہ راہ عافیت، ماہ شعبان ۱۴۳۸ھ: ص ۲۵۔

ہوں گے، تو آپ کی بستی یا محلے میں آپ کی تعلیم کا جائزہ لینے والے شاید ایک دو ہی آدمی ملیں گے، لیکن آپ کے عمل کا، آپ کے اخلاق کا، آپ کے ادب وتہذیب کا اور آپ کے کردار کا اور آپ کی پوری عملی زندگی کا جائزہ نہ صرف آپ کے والدین، آپ کے بھائی بہن لیں گے؛ بلکہ اس کا جائزہ آپ کے اعزہ واقربا، آپ کے دوست واحباب اور خاندان کے علاوہ بستی کا ہر خورد وکلاں لے گا۔ جس سے آپ ملیں گے اور تعلقات رکھیں گے وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ آپ نے نحو وصرف، فقہ وحدیث اور ادب وانشاء میں کتنا دَرک پیدا کیا ہے؟ بلکہ ان کی نگاہیں تو آپ کی رفتار، گفتار، نشست وبرخاست پر رہیں گی۔ وہ دیکھیں گے: آپ بڑوں سے کس طرح ملتے ہیں، چھوٹوں سے کس طرح پیش آتے ہیں، پاس پڑوس کے لوگوں سے آپ کا سلوک کیسا ہے، شادی وغم کے موقع پر آپ کا طرزِ عمل کیا ہے، ان معاشرتی حدود سے بڑھ کر وہ آپ کو مسجدوں میں پنج وقتہ نمازوں کی صفوں میں، وعظ وارشاد کی مجلسوں میں تلاش کریں گے، غرض: اپنے گھر اور اپنی بستی کے اس ماحول میں ڈیڑھ مہینے کی مدت میں ہر ہر قدم پر آپ کو اپنے دین واخلاق اور ادب وتہذیب کا امتحان دینا ہوگا۔ اگر آپ خدانخواستہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے تو پھر مدرسے کی اس دس ماہی تعلیم کے امتحان میں آپ کی سو فی صدی کامیابی بھی آپ کے حسن وخوبی کی ضامن نہیں ہوسکتی۔

پھر اس پریکٹکل امتحان میں لوگ نہ صرف آپ کو جانچیں گے اور پرکھیں گے؛ بلکہ وہ ہمارا اور آپ کی اس مادرِ علمی کا بھی جائزہ لیں گے، جس کے آغوشِ شفقت میں رہ کر آپ نے اپنی زندگی کے دس ماہ یا کئی ماہ گزارے ہیں۔ اگر آپ نے اس پریکٹکل امتحان میں کامیابی حاصل کر لی تو آپ کے طفیل میں ہم بھی ان تمام لوگوں کی نگاہوں میں کامیاب سمجھے جائیں گے، اور خدانخواستہ آپ کامیاب نہ ہوئے، اور لوگوں نے آپ میں وہ اچھے اعمال

واخلاق نہیں دیکھے جو دینی مدارس کے طلبہ میں ہونے چاہیے، تو وہ ہمارے اور آپ کی درس گاہ کے متعلق بھی اچھی رائے قائم نہیں کریں گے، جس کے آغوش میں آپ اتنی مدت تک رہے، یعنی آپ کے مدرسے کی تعلیم وتربیت پر بھی پانی پھر جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو آپ سوچیں کہ ہمارے لیے اور اس مدرسے کے لیے جس کو ہم اتنی مشقتوں، محنتوں، جاں فشانیوں کے ساتھ چلا رہے ہیں؛ کتنا بڑا المیہ ہوگا!! اور وہ اس کے بارے میں کیسی کیسی بدگمانیوں میں مبتلا ہوں گے!! بلکہ ممکن ہے کہ تمام دینی مدارس کی طرف سے وہ بدگمان ہوجائیں۔ سوچیے کہ اس لحاظ سے اپنے سَر آپ کتنی بڑی ذمے داری لے کر جا رہے ہیں![۱]

دستار بندی؛ عظیم ذمے داری کا پیش خیمہ:

حضرت مفتی شبیر صاحب قاسمی مرادآبادی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد) نے دستارِ فضیلت کے موقع پر خطاب میں فرمایا:

......فراغت کے بعد دستار امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (کی روایت) سے ثابت ہے، جسے "المعجم الکبیر" میں نقل فرمایا ہے۔[۲]

جامعات ومدارس کے فضلا کو اجازتِ حدیث، سندِ فراغ یا اُن کے مبارک سروں پر عمامہ بندی اُن پر اہلِ علم اور اساتذۂ کرام کے اعتماد کا اظہار ہوتا ہے، یہ اعتماد اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد سند یافتہ فاضل علم وعمل سے اپنا تعلق استوار رکھ کر علمی وعملی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا رہے گا، لیکن اگر مذکورہ فاضل علمی مشغلے کو ترک کردے تو نہ ہی ایسے شخص کی علمی شناخت باقی رہتی ہے اور نہ ہی سندِ فراغ کا وقار یا اساتذہ ومشائخ کا اعتماد باقی

(۱) اہلِ علم کی زندگی: ص۳۰۶-۳۰۷۔

(۲) مثالی مدرّس کیسے بنیں؟: ص۵۶۔

رہتا ہے۔ (۱) حضرت شیخ الہندؒ کے پاس طلبہ گئے کہ ہمیں نصیحت کریں، تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

جو پگڑی ہم نے آپ کے سروں پر رکھی ہے؛ اُس کو ہمارے قدموں میں نہ گرانا! یعنی یہ پگڑی جو سروں پر ہے، افتخار جو ملا ہے کہ آپ نے ایسے شاگرد تیار کیے، تو کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا کہ سروں پر عزت کی پگڑی داغ دار ہو جائے۔ (۲)

لہٰذا فراغت پر دستار بندی خوشی کی چیز ہے؛ مگر یہ عظیم ذمے داری کا پیش خیمہ ہے، محض ایک رسم نہیں؛ بلکہ ایک عزم ہے، اُن کے سر پر پگڑی رکھ کر در حقیقت اُنہیں انبیا کی وراثت منتقل کی جاتی ہے۔

چناں چہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

دستار فضیلت ایک قسم کا شرف ہے، اور یقیناً اس سے آپ کا دل بڑا خوش ہوگا، اور ہونا بھی چاہیے، ...... لیکن بہت سی مسرتیں ایسی ہیں کہ وہ سطحی ہوتی ہیں، جب انسان اس کی حقیقت پر غور کرتا ہے تو وہ ایک گہری فکر میں چلا جاتا ہے۔ آپ نے بار بار دیکھا ہوگا؛ محلوں میں شادی ہوتی ہے، ایک نوجوان کو ہار پہنا کر اچھے کپڑے پہنا کر اور بعض لوگ افتخار کے لیے ایسا کرتے ہیں کہ گھوڑے پر بٹھا کر اس کی بارات لے جاتے ہیں، اس وقت اس دولہے کے دل کو آپ ٹٹولیں تو وہ اندر سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ آج میں نوشہ بنا ہوا ہوں،

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۳ھ: ص ۴۳۔

(۲) پا جا چراغِ زندگی: ص ۲۰۵۔

لیکن اس بے چارے نے یہ کبھی غور نہیں کیا کہ میرے یہ سارے عزیز رشتہ دار اچھے کپڑے پہنا کر یہ کون سا پہاڑ ذمہ داری کا میرے سر پر ڈال رہے ہیں؟ اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بعد کتنا بوجھ اور پہاڑ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا؟ تو میرا خیال ہے کہ وہ بارات والوں سے چھپ کر گھوڑے سے بھاگ جائے گا کہ میں نہیں جاتا۔

یہ علما جن کی دستار بندی ہوئی ہے، ان کے اوپر کئی قسم کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: "اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الدِّيْنِ مَا لَمْ يُخَالِطُوا الْأُمَرَاءَ، فَإِذَا خَالَطُوا الْأُمَرَاءَ فَهُمْ لُصُوْصُ الدِّيْنِ، فَاحْذَرُوْهُمْ"[۱] (أو كما قال) (یعنی علما دین کے محافظ ہیں، جب تک کہ وہ امیروں سے مخالطت نہ کریں، پس جب اُمرا کے ساتھ مل بیٹھیں تو وہ دین کے ڈاکو ہیں، پس ان سے بچ کر رہو)۔ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ علما پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔[۲]

"أمناء" "أمين" کی جمع ہے۔ ان کے پاس کون سی امانت ہے؟ دین کی امانت ہے، بلکہ حقیقت میں دین ہی کو امانت کہا گیا ہے، ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ (ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی)[۳]۔

---

(۱) مذکورہ حدیث پاک ان الفاظ سے تو نہیں ملی، البتہ علامہ ابن الجوزیؒ نے "الموضوعات" (۱/ ۲۶۳) میں، علامہ سیوطیؒ نے اللآلئ المصنوعة (۱/ ۲۰۰) میں دوسرے الفاظ سے بیان کیا ہے، علامہ ابن الجوزیؒ نے رجال پر کلام کیا اور فرمایا: "هذا حديث لا يصح عن رسول الله ﷺ"، اور علامہ سیوطیؒ نے رجال پر کلام کیا، لیکن اس کو موضوع قرار نہیں دیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہے: "اَلْعُلَمَاءُ أمناء الرسل على العباد ما لم يخالطوا السلطان ويدخلوا في الدنيا فإذا دخلوا في الدنيا وخالطوا السلطان فقد خانوا الرسل فاعتزلوهم"۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۸۵-۸۸۔

(۳) الاحزاب: ۷۲۔

اس آیت میں دین کو ایک بہت بڑی امانت کہا گیا ہے، جو من جانب اللہ ان کے پاس ہے، اور یاد رکھیے کہ کبھی کبھی انسان تو چھوٹا ہوتا ہے، مگر امانت بہت بڑی ہوتی ہے، اور جب امانت بڑی ہو تو اس کو اپنے چھوٹے ہونے کا خیال نہیں ہوتا، امانت کے بڑے ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عالم کو سمجھنا چاہیے کہ میں اپنی ذاتی حیثیت میں چاہے غریب ہوں، چاہے میری آمدنی کم ہے، لیکن میرا مرتبہ اس امانت کی وجہ سے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے؛ بادشاہوں سے بھی بڑا ہے، اور جب وہ یہ سمجھے گا تو اس میں دو باتیں پیدا ہوں گی: خلق خدا سے بے نیازی اور دوسری بات: حق کا اظہار۔ [1]

ان دونوں کی قدرے وضاحت آگے آرہی ہے۔

آپ کا وجود امت کی امانت ہے:

بقول حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری اطال اللہ بقاءہٗ:

آپ اپنے آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنی ذات کے مالک ومختار ہیں، بلکہ آپ کا وجود امت کی امانت ہے، اور بہ حیثیت عالم کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علمی وجود اور تشخص عطا فرمایا ہے، آپ کے اس علمی وجود کو دنیا میں لانے میں ذریعہ یہ مدرسہ بنا ہے، اور امت کے افراد اس مدرسے کا تعاون کر رہے ہیں۔ ہمارے جتنے بھی مدارس چل رہے ہیں ان کے مصارف امت کے افراد کیوں برداشت کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ امت کی بقا جن چیزوں پر موقوف ہے؛ ان میں ایک یہ بھی ہے، اس لیے کسی نے چاہے فیس بھر کر ہی اپنے مدرسے کا زمانہ پورا کیا ہو، لیکن ہم اور آپ جانتے ہیں

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۸۵-۹۲۔

کہ جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ تو صرف کھانے کا معاوضہ بھی نہیں ہوتا، اور پھر یہ تعمیرات اور تعلیمی سلسلہ اور تربیت کا نظام جو مدارس میں جاری ہے۔

آج دنیا میں اگر کوئی آدمی ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو ہزاروں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں بھیجا جاتا ہے، ان کے لیے کتنی بڑی فیس ادا کی جاتی ہے!! فیس تو اپنی جگہ پر رہی؛ نفس داخلے کے لیے ڈونیشن (donation) کے نام سے رشوت کی بڑی بڑی رقمیں جو پیش کی جاتی ہیں، اور ان کے ٹرانسپورٹنگ (transporting) اور یونیفارم (uniform) اور کتابوں وغیرہ کا خرچہ جو ہزاروں اور لاکھوں روپے ہوتا ہے، لیکن وہ لوگ وصول کرتے ہیں، تب جا کر کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی انجینئر بنتا ہے۔ آج کل ڈاکٹروں کی فیس جو بڑھتی جارہی ہیں؛ وہ سب اسی لیے ہے کہ ان کے پیش نظر دنیا ہے، لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور (select) کر کے بھیجا ہے، اور پھر ہمیں جو علمی وجود ملا ہے وہ ان ہی تمام مسلمانوں کی محنتوں سے ہے، اس لیے آپ یوں نہ سمجھیں کہ میں اپنا مالک ومختار ہوں، بلکہ آپ تو پوری امت کی امانت ہیں، آپ کو عالم بنانے میں ایک ایک مسلمان نے حصہ لیا ہے، اس لیے عالم بننے کے بعد آپ اپنے آپ کو اس لائن سے الگ کرلیں، اور کسی ایسے مشغلے میں لگادیں جس میں مسلمانوں کو علمی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، تو یوں سمجھیے کہ آپ نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی، اور آپ امانت میں خیانت کا ارتکاب کررہے ہیں۔ سیدھی بات ہے! یہ نہ سمجھیے کہ میں جو چاہوں کروں، بلکہ اب آپ کو ہر جگہ علمی فائدہ ہی پہنچانا ہے۔[۱]

---

(۱) فضلاء سے اہم خطاب: ص ۸-۱۰۔

علما؛ امت کے نگراں:

حضرت اقدس مولانا محمد سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم (بانی وشیخ الحدیث اسلامک دعوت اکیڈمی، لیسٹر، یو۔ کے) نے ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۸ء میں جامعہ ریاض العلوم کے فضلا کو الوداعی نشست میں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آگے جو بات عرض کرنی ہے، اس سے پہلے بطور تمہید ایک بات سمجھ لیجیے! امت کی مثال بکریوں جیسی ہے، یعنی امت کے افراد بکریوں کے مانند ہیں، اور ان کے حق میں شیاطین الانس والجن خطرناک بھیڑیے ہیں، جو ہر وقت ان کی روحانی زندگی برباد کرنے کی تاک میں رہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ان پر حملہ آور ہوتے ہیں، امت کے علماء ان بکریوں کے نگراں اور چرواہے ہیں، اور ایک چرواہے کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی بکریوں کی پوری خیر خواہی کے ساتھ دیکھ بھال کرے۔ دیکھیے! چرواہا اپنی بکریوں کی کس طرح دیکھ بھال کرتا ہے؟ بکریاں نادان، بھولی بھالی اور ضدی ہوتی ہیں، اس کے باوجود چرواہا اپنے غصے پر کنٹرول کرتا ہے، اور انہیں سنبھالتا ہے، اس لیے کہ وہ ان بکریوں کو قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ اگر صبر وتحمل سے کام نہ لیا گیا تو کہیں یہ قیمتی سرمایہ ضائع نہ ہوجائے، وہ پوری بیدار مغزی کے ساتھ اور پوری مستعدی کے ساتھ بکریوں پر نظر رکھتا ہے، ہر وقت ہوشیار اور چوکنا رہتا ہے، اسے بکریوں کی حفاظت کا ہر وقت خیال رہتا ہے، وہ بکریوں کے سلسلے میں ہر وقت فکرمند رہتا ہے، اور ماحول پر برابر نظر رکھتا ہے، وہ یہ سوچتا رہتا ہے کہ بھیڑیے کس جہت میں رہتے ہیں؟ کہاں سے حملہ آور ہو سکتے ہیں؟ اور ان کو دور رکھنے کی کیا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؟ بکریاں کہیں ادھر ادھر غلط رخ پر تو نہیں جارہی ہیں؟ کوئی بکری ریوڑ سے الگ تو نہیں ہورہی ہے؟ غرض چرواہا اپنی ہر بکری کو ایک

قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے، اس کی حفاظت کی کوشش میں برابر لگا رہتا ہے، اور اپنی اس ذمہ داری سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا۔

میرے عزیزو! علما امت کے چرواہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ہر مصلّی، ہر شاگرد، بستی میں رہنے والے ہر مسلمان؛ بلکہ امت کے ہر فرد کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوشش میں ہر وقت لگا رہے، یہ ہمارا آخرت کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ جس طرح ایک چرواہے کو بکریوں کے منافع حاصل ہوتے ہیں، دودھ، گوشت، کھال، بال وغیرہ، اسی طرح امت کے افراد کو سنبھالنے سے علماء کو بھی بے شمار منافع حاصل ہوں گے، علم وتقویٰ میں اضافہ ہوگا، میزان حسنات بھاری ہوگا، قرب الٰہی میں ترقی ہوگی اور حق تعالیٰ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ حاصل ہوگی۔ امت کا ہر فرد ہماری آخرت کے لیے بڑا قیمتی سرمایہ ہے، اس کی نگرانی میں تن من اور دھن کی بازی لگانی چاہیے، اور ہر وقت یہ کوشش ہونی چاہیے کہ امت کا ایک فرد بھی شیاطین بھیڑیوں کا شکار نہ بنے۔ وارثین انبیاء کے سردار صدیق اکبرؓ نے فرمایا تھا: "أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ"[1] (کیا میرے جیتے جی دین میں نقصان آسکتا ہے؟) نہیں! چرواہے کے ہوتے ہوئے کسی بھی بکری کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

بس میرے عزیزو! اپنی حیثیت کو پہچانو اور ساتھ ساتھ امت کو اپنا بہت ہی قیمتی سرمایہ جانو! اگر یہ احساس پیدا ہوگیا تو پھر کوئی بھی لمحہ غفلت سے نہیں گزرے گا، جنگل کی طرف بھی نظر ہوگی، بھیڑیے پر بھی اور بکریوں پر بھی، اگر کسی وقت بھیڑیے کا خوف محسوس ہوگا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوگا اور پوری مستعدی کے ساتھ مقابلہ کرے گا، اور خطرات سے بچانے

---

(۱) مشکوۃ: ص ۵۵۶، باب مناقب أبی بکرؓ۔

کی فکر کے ساتھ ساتھ بکریوں کی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں لگا رہے گا۔

میرے پیارو! ہم صحیح معنی میں عالم کہلانے کے قابل اس وقت ہوں گے، جب ہم اچھے راعی بن کرامت کو سنبھالیں، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے مقصد کو سمجھیں، اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کریں، اور پھر احساس کو باقی رکھیں، ہر وقت چرواہے بن کر اپنی بکریوں کی نگرانی میں مشغول رہیں، اور ظاہر ہے کہ جو اپنی بکریوں کی فلاح و بہبودی کی فکر میں لگا رہے گا اسے اپنی فلاح و کامیابی کی بہ طریق اولیٰ فکر ہوگی، جو بکریوں کو بھیڑیے سے بچانے کی فکر کرے گا وہ اپنی ذات کو بھی بھیڑیے اور دوسرے تمام داخلی خارجی خطرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے گا۔ ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾[1] (دن میں تو تم لمبی مصروفیت میں رواں دواں رہتے ہو) دن میں بکریوں کی فکر میں لگا رہے گا اور خود کی فکر سے غافل نہیں ہوگا، بلکہ رات کو خلوت میں حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں راز و نیاز کر کے اپنی فلاح کی بھی فکر کرتا رہے گا۔ ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾[2] (اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو، اور سب سے الگ ہوکر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو)۔

یہی حضرات علماء ربانیین ہیں، جنہیں حدیث مبارکہ میں خیار العلماء کا لقب دیا گیا ہے، اور یہی خیار الناس ہیں۔ "إِنَّ خِيَارَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ"۔[3]

کچھ حضرات مدارس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے چرواہے ہونے کا احساس کھو دیتے ہیں، علمی اشتغال اور دین کی خدمت سے دور رہنے اور عوام کے ساتھ بکثرت

---

(۱) المزمل: ۷۔

(۲) المزمل: ۸۔

(۳) سنن الدارمی: - باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ- رقم الحدیث: ۳۸۲۔

اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے احساس کمتری کے شکار ہوجاتے ہیں، وہ امت کے عام افراد کی طرح ہوجاتے ہیں، اگر کسی جگہ پر منکر دیکھتے ہیں تو خاموشی اختیار کر جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات اس کے منکر ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا، اگر شیطانی بھیڑیے لوگوں کے دین پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ بھی بکریوں کے ساتھ ان کے شکار ہوجاتے ہیں، وہ حق اور باطل، اچھے اور برے، صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے، اور بڑی آسانی سے فتنے میں مبتلا ہوجاتے ہیں، میں آپ عزیزوں سے بڑی لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ سب اچھی طرح اپنا محاسبہ کریں، اور اگر کوئی اپنے آپ کو اس قسم میں پاتا ہے تو وہ جلد اس سے نجات حاصل کر کے علمائے ربانیین میں شامل ہوجائے۔

اس سے بھی نیچے ایک اور درجہ ہے- اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں-، یہ وہ لوگ ہیں جو چرواہوں کی شکل میں بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو چرواہے کی شکل اختیار کر کے بکریوں سے دنیوی منافع حاصل کرتے ہیں، عوام سے دنیوی مفادات حاصل کرتے ہیں، مالی اور جاہی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، دعوتوں اور ہدایا کی کثرت ان کی تمناؤں کی آخری منزل ہوتی ہے۔ افسوس صد افسوس! جو علم آخرت کے لیے تھا؛ اُسے دنیا کمانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کرتب دکھا رہا تھا، آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: "إِنَّ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَصْحَابِنَا، لِأَنَّه يَأْكُلُ الدُّنْيَا بِالدُّنْيَا، وَأَصْحَابُنَا يَأْكُلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ" (یہ ہماری برادری سے بہت اچھا ہے، اس لیے کہ یہ دنیا کے ذریعے دنیا کماتا ہے، اور ہمارے ساتھی دین کے ذریعے دنیا کماتے ہیں)[1]، یہ تو

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۳۹۔

دنیا کمانے والے تھے۔

دوسرا گروہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ چرواہوں کی شکل میں لوگوں کے دین پر حملہ کرتے ہیں، جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز بتلاتے ہیں، دینی تصلب، دینی پختگی، ورع، احتیاط اور تقویٰ کو تنگ نظری قرار دیتے ہیں، اور امت کو "اَلدِّیْنُ یُسْرٌ" (دین آسان ہے) سے مغالطے دے کر نئے نئے فتنوں میں ڈالتے ہیں، اور نصوص کے ظاہر سے غلط استنباط کر کے لوگوں کو صراط مستقیم سے دور لے جاتے ہیں۔

ان دونوں گروہ کو "علمائے سوء" کہتے ہیں، جنہیں حدیث میں "شرار العلماء" کہا گیا ہے، اور یہی شرار الناس ہیں۔ "إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ"[1]۔[2]

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر ❁ یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں ❁ تیری رہبری کا سوال ہے

(شہاب جعفری)

مفتی طاہر صاحب سورتی زید مجدہٗ اپنے مضمون "فراغت نامہ" میں رقم طراز ہیں:

فراغت اور دستار بندی جیسے لذیذ الفاظ سن کر مسرت و شادمانی کے خیالوں سے گدگدانے کی ضرورت نہیں ہے، ذرا مدرسہ کے صدر دروازے سے باہر قدم تو نکالیے، نانی نہ یاد آجائے تو کہنا؛ قسم بخدا! اتنا کام ہے کہ اگر آپ کو ایک ہزار سال کی عمر مل جائے اور اس میں آپ مسلسل کام میں لگے رہیں تب بھی کام پورا نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم پورا نہیں کر سکتے تو تھوڑا بھی نہ کریں، جتنا کر سکتے ہیں اتنا تو کرنا ہی ہوگا، ورنہ بار امانت سے

---

(۱) سنن الدارمی: - باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ - رقم الحدیث: ۳۸۲۔

(۲) عالم ربانی کسے کہتے ہیں اور فضلاء کی خدمت میں: ص ۵۱-۵۷۔

سبک دوش کیسے ہوں گے۔ [۱]

اور ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:

آپ کو اگر اندازہ ہوتا کہ عالم ہونے کے بعد آپ پر کیا ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، اور ہمارے آباء واجداد نے کس جاں فشانی اور دل سوزی سے ملک وملت کی خدمت کی ہے، تو شاید آپ اس کوچے میں داخل نہ ہوتے، لیکن یہ بہتر ہی ہوا کہ پہلے آپ کو اندازہ نہ ہوا، آپ خوب سمجھ لیجیے کہ آپ نے جتنا آرام کرلیا سو کرلیا، جتنا کھیلنا تھا کھیل لیا، علم کے تقاضوں اور عالم کی شان کے خلاف جتنے کام کرنے تھے کرلیے، اب ان میں سے کسی چیز کے لیے آپ کے پاس کوئی گنجائش باقی نہیں بچی ہے، اب آپ کو ایک بالکل نئی زندگی کی شروعات کرنی ہے، ...... اگر آپ کو احساس ذمہ داری ہے، تو بس آپ کفن باندھ کر ہی مدرسہ سے نکلیے۔ [۲]

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ کو ایک نصیحت کی تھی۔ ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں [۳]

شاعر مشرق کی زبانی یہ دعا ہے:

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

---

(۱) ماہنامہ راہِ عافیت–شعبان ۱۴۳۸ھ–: ص ۲۵۔

(۲) ماہنامہ راہِ عافیت–ماہ شعبان ۱۴۳۷ھ–: ص ۲۰۔

(۳) ضرب کلیم–بحوالہ: اہم علم کی زندگی: ص ۴۷–۳–۔

(۴) اختصاص اور خدمت دین کے لیے وقف کرنا:

اخلاص اور اختصاص یہ دو چیزیں انسان کو کامل بنانے کے لیے کافی ہیں۔ (۱)

چناں چہ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۷؍اگست ۱۹۹۹ء کو بعد نماز عشاء مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ کرام اور طلبۂ عزیز کے درمیان ایک تقریر کی تھی، اس میں فرمایا تھا:

اس حقیقت کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ آپ کتاب وحکمت کے خیر کثیر کے امین بن رہے ہیں۔ امانت کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب آپ اس کے ہوجائیں، جب اسکی حفاظت کے لیے تن من دھن لگادیں، یہ کام جزءِ وقتی (part time job) نہیں ہے، یہ امانت ارتکاز چاہتی ہے، اور یہ علم اختصاص اور امتیاز چاہتا ہے، اس لیے جب تک سب کچھ دینے کا جذبہ نہ ہو، پانے کی آرزو اَدھورا خواب ہے، جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ "اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَه حَتّٰى تُعْطِيَه كُلَّكَ" (علم تمہیں اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گا جب تک آپ اسے اپنا سب کچھ نہ دے دیں)۔

پھر آگے مزید فرماتے ہیں:

یہ دور مقابلے (Competition) کا ہے، اختصاص (Speciliation) کا ہے، اس میں علم دین اور دینی کاموں کو جزءِ وقتی (part time job) بنادیا جائے تو کام نہیں چلے گا، علم دین کے لیے، تشریح وتفصیلِ دین کے لیے لوگوں کا زندگیوں کو لگانا ضروری ہے، جو دین کا کام کرنے والے ہیں وہ اپنا پورا وقت اور پوری صلاحیت نہیں لگائیں گے تو کام نہیں چلے گا۔ (۲)

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ۵۵۔

(۲) آپ کی منزل یہ ہے: ص ۳۶-۳۸۔

اپنے آپ کو وقف کیجیے!

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل میں یہ دستور اور رواج تھا کہ اللہ کے نیک بندے اور بندیاں اپنے نومولود بچوں کو اللہ کے لیے وقف کر دیتے تھے، ان کو "مُحَرَّر" کہا جاتا تھا، مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے اپنے اس بچے کو خدا کی نذر کر دیا ہے، اب یہ کوئی کاروبار اور دھندا نہیں کرے گا، شادی بیاہ بھی نہیں کرے گا، گھر بھی نہیں بنائے گا، بیوی بچوں کی ذمہ داری سے بھی آزاد رہے گا، بس خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت کرے گا۔

امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں آیت کریمہ ﴿رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[1] (یارب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی، میری اس نذر کو قبول فرما، بے شک تو سننے والا، ہر چیز کا علم رکھتا ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اولاد کو خدا کی نذر اور وقف کرنے کا یہ طریقہ شریعت محمدیہ -علی صاحبها ألف ألف تحية وسلام- میں بھی ہے، لیکن اس کی شکل شریعت محمدیہ کے مطابق بدل دی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جن بندوں کو توفیق ہو وہ اپنے بچے کے متعلق یہ نیت کر لیں کہ ہم اس کو خدا کے لیے اور اس کے دین کی خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں، لیکن ہماری شریعت میں وہ نکاح بھی کر سکے گا، کوئی معاشی مشغلہ بھی اختیار کر سکے گا، لیکن اس کا مقصدِ زندگی اور اس کا اصل کام بس دین کی خدمت ہوگا، اسی کے لیے

---

(۱) آل عمران: ۳۵

جینا مرنا ہوگا۔[1] تو میرے بھائیو! ہم آپ جوان دینی مدرسوں میں پڑھنے آتے ہیں، ان کو دراصل اس طرح کا محرر ہونا چاہیے۔

میرے اندازے میں آپ بھائیوں میں سے ایسے بہت کم ہوں گے جن کو ان کے والدین یا مربیوں نے اس طرح سوچ سمجھ کے اللہ کی نذر اور وقف کیا ہو، اور اس نیت سے دین کی تعلیم میں لگایا ہو، لیکن اب آپ کو یہ موقع حاصل ہے کہ آپ خود اپنے لیے یہ نیت کر لیں اور آپ کو خدا کی نذر اور اس کے دین کے لیے وقف کر دیں، جس طرح آپ نماز کی نیت کرتے ہیں اور وہ نماز اللہ کے لیے ہو جاتی ہے، اسی طرح آپ پوری زندگی کے بارے میں نیت کر لیں کہ وہ اللہ کے لیے اور دین کی خدمت کے لیے ہے ہماری زندگی کا مقصد یہی ہوگا، اسی کے لیے ہمارا جینا مرنا ہوگا، ﴿مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[2] (میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)، تو آپ کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہو جائے گی، پھر آپ کا کھانا پینا اور سونا بھی اللہ کے راستے میں ہوگا اور عبادت میں شمار ہوگا، پھر آپ کی حیثیت یہ ہوگی کہ آپ "حزب اللہ" میں اور رسول اللہ کے لشکر میں بھرتی ہو گئے۔

من کان للہ کان اللہ لہ:

میرے بھائیو! خدا کے لیے سوچو؛ دنیا میں اس سے بلند مقام اور مرتبہ نہیں ہے، اس نیت اور فیصلے کے ساتھ ان شاء اللہ آپ کے اندر ایک بہت بڑی تبدیلی ہوگی، جس طرح ایک سیکنڈ میں ایجاب وقبول کے بعد دو اجنبیوں میں شوہر اور بیوی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے،

---

(۱) احکام القرآن: ۲/ ۲۹۱

(۲) الانعام: ۱۶۲

اسی طرح آپ ایک سیکنڈ میں اپنے دل میں یہ فیصلہ کر کے اللہ کے ہو جاتے ہیں اور اللہ آپ کا ہو جاتا ہے، پھر آپ یہ دیکھیں کہ اس کے بعد آپ کے نظر و فکر میں کیسی تبدیلی اور حوصلوں میں کیسی بلندی آتی ہے؟ اور آپ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں؟

میں قسم کھا کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ کا بھی آپ کے ساتھ خاص معاملہ ہوگا، جس کا اصل ظہور تو آخرت میں ہوگا، جو دار الجزاء ہے، لیکن اس دنیا میں بھی آپ پر کھلا فضل ہوگا۔

پھر آپ اس نیت اور فیصلے کی تجدید بھی کرتے رہیں، میں تو عرض کروں گا کہ روزانہ ایک وظیفے کے طور پر اس کا مراقبہ کیا کریں کہ میں نے اپنے آپ کو اللہ کی نذر کر دیا ہے اور علم دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے اور دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور ہمیں قبول فرمائے۔ (۱)

اختصاص کیوں ضروری ہے؟

فارغین مدارس کی ایک تعداد ایسی ہوتی ہے کہ جو اس تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھانا چاہتی ہے جس میں اس نے اپنی اب تک کی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ گزارا ہے، پھر بہتیرے طلبائے علم درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد یہ سوال پوچھتے نظر آتے ہیں کہ "تخصص فی العلوم" کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب مولانا محمد یاسر عبداللہ صاحب (فاضل جامعہ بنوریہ ٹاؤن) نے اپنے مضمون "تخصص فی الحدیث کی ضرورت" میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

علوم اسلامیہ کی دنیا وسیع و عریض ہے، دورِ قدیم میں طبائع باہمت، حوصلے

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۱۵۱-۱۵۵

بلند وبالا، صحتیں تنومند وتوانا اور حافظے مضبوط ہوا کرتے تھے، تو بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع شخصیات بھی موجودرہتی تھیں، عہد رفتہ کے ساتھ صلاحیتیں ضعف کا شکار ہوتی گئیں تو جامعیت کی شان بھی ندرت کا شکار ہوتی ہوگئی، یوں اختصاصی مہارتوں کی ضرورت بڑھتی چلی گئی۔

اختصاصی مہارتوں کی اہمیت بتلانے کو زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکلے ان الہامی جملوں میں پنہاں اشارے قابل غور ہیں: "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي دِيْنِ اللهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سب سے رحم دل انسان ابوبکر، حکم خداوندی کے معاملے میں سب سے سخت عمر، سب سے باحیا عثمان بن عفان، سب سے زیادہ حلال وحرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبل، علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت، اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ [1]

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، رقم الحدیث: ۳۷۹۰

محدثین اس حدیث کو عام طور پر مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں یکجا کئی کبارِ صحابہ کے مقام ومرتبے اور ان کے امتیازی اوصاف وخصوصیات کا بیان ہے۔ اشارۃ النص کے طور پر اس حدیث سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ "اختصاص" کی بنیاد عہد نبوت میں ہی ڈال دی گئی تھی، چناں چہ مذکورہ روایت میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اختصاصی علوم کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔

یوں بھی دورِ حاضر کو اختصاص (specialization) کا عہد کہا جاتا ہے، بلکہ نوبت اس سے بڑھ کر اب ذیلی اختصاص (sub specialization) تک جا پہنچی ہے، چناں چہ آج علاج کے سلسلے میں بھی جنرل ڈاکٹر کے بہ جائے متخصص (specialist) سے ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر علوم دنیویہ کی مانند علوم اسلامیہ میں بھی فطری طور پر یہی رویہ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ضروری علوم میں کلی وبنیادی معلومات کے حصول کے بعد کسی ایک علم وفن میں کمال حاصل کیا جائے، کیوں کہ ہر ایک علم وفن میں دقت رسی دشوار ہی نہیں؛ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں ناممکن ہے۔[1]

لہٰذا ان طلبہ کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی اپنی دلچسپی کے میدان میں خوب گہرائی وگیرائی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان طلبہ کی دلچسپی کے مطابق ہندوستان بھر میں کافی

---

(۱) تخصص فی الحدیث کی ضرورت: ص ۲-۳۔

مواقع موجود ہیں، ذیل میں اس نوعیت کے چند اہم اداروں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

الجامعۃ الاسلامیۃ، شانتا پرم، کیرالا:

پہاڑوں کی گود میں، ناریل کے باغات کی اوٹ میں، امن وسکون اور قدرتی مناظر کے درمیان قائم کیرالا کی اسلامی یونیورسٹی "الجامعۃ الاسلامیۃ" اس لحاظ سے ہندوستان کے دیگر اداروں میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں قرآن، حدیث، دعوت، اسلامی معاشیات اور عربی زبان وادب میں اختصاص کے لیے الگ الگ شعبے قائم کیے گئے ہیں، اور تدریس کے لیے ملک و بیرون ملک کے بہترین اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، اور الحمدللہ مسلسل پیش رفت جاری ہے، طلبہ کے لیے کمپیوٹر لائبریری اور دیگر سہولیات بھی فراہم ہیں۔ شانتا پرم کی اس اسلامی یونیورسٹی میں قرآن اور علوم قرآن میں اختصاص کے لیے کلیۃ القرآن کا قیام عمل میں آیا، جہاں قرآن، اسالیب قرآن، نظم قرآن نیز تفسیر کے جدید وقدیم اسالیب کا تجزیاتی مطالعہ، اور پھر قدیم وجدید تفسیر اور ان کے مفسرین پر لکچرس دیے جاتے ہیں۔ ۲/سالہ کورس ہے، تدریس کی زبان خالص عربی، دو سال کی تکمیل پر ایک مفصل اور تحقیقی مقالہ جمع کرنا ہوتا ہے، جس کی تیاری ماہر اساتذہ کی نگرانی میں ہوتی ہے۔

کلیۃ القرآن میں داخلہ کے لیے بی-اے (B.A.) یا اس کے مساوی سند کا ہونا ضروری ہے، مثال کے طور پر ندوۃ العلماء کی عالمیت، دارالعلوم دیوبند کا دورۂ حدیث اور جامعۃ الفلاح کی فضیلت۔

اس کے علاوہ عربی زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لیے کلیۃ اللغۃ، جس کا ذریعۂ تعلیم عربی اور مدتِ تعلیم ایک سال ہے۔ اور اسلامی معاشیات نیز اسلامی بینکنگ سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لیے کلیۃ الاقتصاد ہے، ذریعۂ تعلیم انگریزی اور مدتِ

تعلیم ایک سال ہے۔ بی-اے یا اس کے مساوی سند رکھنے والے طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں۔

المعهد العالي للتدريب في القضاء والإفتاء:

امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے زیر نگرانی قاضی نگر، پھلواری شریف، پٹنہ میں قائم اس معہد میں فقہ، اصول فقہ، قواعد فقہیہ، مقاصد شریعت، مذاہب فقہیہ کا مطالعہ، آیات احکام اور احادیث نبویہ پر خصوصی نظر اور آداب قضاء وافتاء کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی اور کمپیوٹر کی بھی بقدر ضرورت تعلیم دی جاتی ہے۔ نوجوان علما میں فقہی ذوق پیدا کرنے کے لیے فقہی سمینار منعقد کیے جاتے ہیں، جس میں نوجوان علما مقالات لکھ کر پیش کرتے ہیں، اور اس پر مناقشے کے بعد تجاویز مرتب کرتے ہیں۔ مختلف نوعیت کے علمی وفقہی موضوعات پر سال دوم کے نوجوان علما سے مقالات لکھائے جاتے ہیں، اور مقالات جمع کرنے کے بعد ہی افتاء اور قضاء کی سند دی جاتی ہے۔

المعہد العالی میں داخلے کے لیے ایسے نوجوان علما درخواست دے سکتے ہیں جو ہندوستان کے مستند اداروں اور مدارس سے ممتاز نمبرات سے فارغ ہوئے ہوں۔

المعهد العالي للدراسات الإسلامية:

لکھنؤ میں مولانا زکریا سنبھلی صاحب دامت برکاتہم کے صاحبزادے مولانا یحییٰ نعمانی جو خود علم وتحقیق کا کافی اچھا ذوق رکھتے ہیں، انہوں نے علمی وتحقیقی محاذ پر طلبہ کو تیار کرنے کی غرض سے ایک اہم ادارہ "المعهد العالي للدراسات الإسلامية" کے نام سے قائم کیا ہے، جہاں ایک سال کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس ادارے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہاں قدیم وجدید موضوعات پر لیکچرس کا اہتمام کیا جاتا ہے، قرآنیات کے سلسلے میں بھی اچھا خاصا مواد فراہم کر دیا جاتا ہے، "موجودہ

حالات کے تناظر میں قرآن کی رہنمائی“ کے سلسلے میں بھی لیکچرس وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

المعهد العالي، حيدرآباد:

حیدرآباد میں معروف فقہی اسکالر، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی زیدہ مجدہٗ (جنرل سکریٹری اسلامی فقہ اکیڈمی) کی نگرانی میں بھی ”المعہد العالی“ نام کا ایک ادارہ چل رہا ہے۔ اس ادارے میں قرآن، حدیث، فقہ میں تخصص اور تدریب الدعاۃ کے لیے الگ الگ کورسز موجود ہیں۔ چوں کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ فقہ اسلامی سے کافی دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں، لہٰذا اس میں تقابلی فقہ، قواعد فقہیہ، قرآن کے فقہی احکام کی تعلیم وغیرہ پر کافی خاصا زور دیا جاتا ہے۔ مزید برآں کمپیوٹر، انگریزی زبان وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ قضا کی عملی مشقیں نیز کورس کے اختتام پر ایک مقالہ بھی تیار کرنا ہوتا ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اختصاص کے خواہش مند طلبہ کے لیے مواقع کی یہاں ایک وسیع دنیا موجود ہے، کورس کی میعاد ۲/سال ہے، المعہد کی ویب سائٹ سے مزید تفصیلات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ شاندار لائبریری کی بھی سہولت میسر ہے۔

معهد الإمام ولي الله الدهلوي للدراسات الإسلامية:

یہ مہاراشٹر، نیرل کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”ممداپور“ میں ”دار العلوم امام ربانی“ کا ایک شعبہ ہے، جو حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیر نگرانی جاری ہے۔ اس معہد میں فارغ التحصیل نوجوان علماء کو ۲/سالہ ایسے تکمیلی اور تربیتی نظام سے گزارا جاتا ہے جس سے وہ اسلاف کے طریقے کے پابند رہتے ہوئے اور دورِ جدید کے مزاج اور نفسیات کی بھی رعایت کرتے ہوئے قرآن وحدیث اور شریعت اسلامی کی بہتر تفہیم وتشریح کے لائق بنیں۔

مرکز المعارف:

یہ اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے جہاں باقاعدہ طور پر فارغینِ مدارس کے لیے ۲/سالہ کورس "ڈپلوما اِن انگلش لینگوتج اینڈ لٹریچر" (DELL)، ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں تعارف کرایا گیا، اب جب کہ درجن بھر دوسرے اداروں نے اپنے یہاں اس کو شروع کیا ہے، جن میں سے ۸/ادارے باضابطہ "مرکز المعارف، بمبئی" سے منسلک ہیں۔ ان اداروں میں فارغ التحصیل طلبہ کو انگریزی زبان وادب، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ، تاریخ، جغرافیہ، صحافت، ریاضی، جنرل نالج وغیرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تقابل ادیان کا مطالعہ بھی کرایا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً طلبہ کو مختلف موضوعات مثلاً سائنس، ریاضی، صحافت، معاشیات وغیرہ فنون کے ماہرین کی خدمات فراہم کی جاتی ہیں، تاکہ یہ علماء پوری خوداعتمادی کے ساتھ جدید تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ ملک وملت کی ضرورت کے مطابق صحیح رہنمائی کرسکیں۔

دارالامور، میسور:

کرناٹک کے مشہور شہر میسور میں شہید ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے کے قریب واقع یہ ادارہ مدارس اسلامیہ کے ممتاز فارغین جن کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت دین ہے، ان کو دعوتی تربیت اور دیگر جدید علوم کی تعلیم دے کر ایسا بااختیار بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے ان کو دعوتی امور میں جِلا مل سکے، اور وہ ملکی، سماجی اور معاشی پیش آمدہ نت نئے مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرنے کی قابلیت واہلیت حاصل کرلیں، اور بہتر طور پر امت کی قیادت وسیادت کرسکیں۔ یہ ایک سالہ کورس ہے، جس میں داخلے کے لیے رمضان سے قبل درخواست ارسال کی جاتی ہے۔ کمپیوٹر اور انگریزی کی تعلیم پر خاصا زور دیا جاتا ہے۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ رفیق منزل۔

تخصص فی الحدیث وعلومہ:

بقول حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ: فقہ میں تخصص کی طرف بہت زیادہ رجحان ہے، لیکن حدیث شریف کے علوم سے دلچسپی کم؛ بلکہ مفقود جیسی ہے۔ (١)

نیز مولانا محمد یاسر عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا بنیادی ماخذ حدیث وسنت ہے، اس لیے حفظِ مراتب کے پہلو سے بھی قرآن وعلوم قرآن کے بعد علومِ حدیث زیادہ توجہات کے مستحق ہیں۔ شاید اسی بنا پر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے فرزند نسبتی اور ان کے افادات پر مشتمل "انوار الباری شرح صحیح بخاری" کے مرتب مولانا احمد رضا بجنوریؒ کا تجزیہ ہے: "میرے نزدیک علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل حدیث ہی کا تخصص ہے۔"

درسِ نظامی کے مختلف درجات میں کتب صحاح ستہ سمیت دیگر کتب حدیث اور اصول حدیث کی کتب شامل نصاب ہیں، جن سے علوم حدیث سے بنیادی شناسائی تو ضرور پیدا ہوجاتی ہے؛ لیکن دیگر علوم کی طرح اختصاصی مہارت تک رسائی حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا جیسے "تخصص فی التفسیر واصولہ"، "تخصص فی الفقہ والافتاء"، "تخصص فی الادب العربی"، "تخصص فی الدعوۃ والارشاد" اور "تخصص فی العلوم العقلیۃ" کی ضرورت

---

(١) باتیں ہمارے اکابر کی، تحریر: مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب۔ بلکہ مفتی ابولبابہ صاحب رقم طراز ہیں کہ اس عاجز کی رائے میں فقہ یا افتاء کا تخصص صرف اُن فضلا کو کرنا چاہیے جن کی استعداد نہایت مضبوط ہو، متوسط یا کمزور استعداد والے حضرات عربی تکمیل یا تدریب المعلمین میں ایک سال لگالیں تو انہیں یہ محنت ساری عمر کام آئے گی۔ (پا جا سراغ زندگی: ص ٢٨٢)

بجا طور پر محسوس کی جاتی ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ذہین فضلا کی ایک جماعت "تخصص فی علوم الحدیث" کی جانب متوجہ ہو، اور اس جہاں میں زندگی کھپا کر امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی کا ذریعہ ثابت ہو۔ اس نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے گردوپیش پر نگاہ ڈالی جائے تو افراد کی جتنی تعداد دیگر میدانوں میں نظر آتی ہے علوم حدیث میں اختصاصی مہارتوں کی جانب ویسی توجہات نہیں۔ (١)

آگے مزید لکھتے ہیں:

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے ایک موقع پر لکھا تھا:

تخصص کی دو شکلیں ہیں:

(١) ایک یہ کہ طالب علم درس کے سلسلے میں استعداد پیدا کر سکے، اور وہ "التخصص في درس الحديث" کا اہل ہو۔

(٢) دوسرے یہ کہ جب لوگوں میں تصنیف وتالیف کی اہلیت ہو، ان کے تخصص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی خاص موضوع پر کسی کتاب کی تالیف کر سکیں، یا حدیث کے کسی مخطوطے کی تصحیح کر سکیں، اس پر تعلیقات وحواشی لکھ سکیں۔ (٢)

ذیل میں برصغیر کے چند معروف اور اہم شعبہائے تخصص فی علوم الحدیث کا ایک مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

---

(١) تخصص فی الحدیث کی ضرورت: ص ٦

(٢) تخصص فی الحدیث کی ضرورت: ص ٧

دار العلوم دیو بند:

برّ صغیر کی عظیم دینی درس گاہ، از ہر ہند، دار العلوم دیو بند میں یہ شعبہ ۱۴۲۰ھ میں قائم ہوا، اور مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی اس کے نگراں مقرر ہوئے، جو تا حال اشراف کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بعد ازاں مولانا عبداللہ معروفی حفظہ اللہ بھی بحیثیت معاون مشرف اس شعبے سے منسلک ہوئے۔ اس شعبے سے متعدد تحقیقی مقالات شائع ہوئے، مثلاً: الحديث الحسن في جامع الترمذي، الحديث الحسن الصحيح، الحديث الحسن الغريب، الحديث الغريب، حقيقة الزيادة على القرآن بخبرالواحد واستعراض علمي لإيرادات ابن القيم على الحنفية بناء على هذا الأصل. وغیرہ۔

جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور:

جامعہ کی مجلس شوریٰ کی تجویز سے ۱۴۱۵ھ میں اس شعبے کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نگراں مقرر ہوئے، دوسرے ہی سال طلبہ کی تعداد میں اضافے کی بنا پر ان کی معاونت کے لیے مولانا عبداللہ معروفی حفظہ اللہ کا تقرر کیا گیا۔ اس شعبے سے "المؤتلف والمختلف في أسماء نقلة الحديث" اور "مشتبه السنة" کی تحقیق و تعلیق، اسی طرح علامہ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی مشہور کتاب "جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد" کی تحقیق حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی ہی میں ہوئی۔ اس کے علاوہ دسیوں مقالات مختلف موضوعات پر لکھے گئے۔

جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی:

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ برصغیر میں علومِ حدیث میں اختصاص کے لیے مستقل شعبہ قائم کرنے میں پہل اسی جامعہ کو حاصل ہے۔ محدث العصر حضرت علامہ یوسف صاحب بنوریؒ نے ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں اس شعبے کی بنیاد ڈالی، اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھیؒ کو اس کا نگراں مقرر فرمایا، بعد ازاں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحبؒ اس شعبے کے مشرف کے منصب پر فائز رہے۔

اس شعبے سے بھی دسیوں مقالات شائع ہوئے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(١) السنة ومكانتها في ضوء القرآن الكريم.

(٢) مسانيد الإمام أبي حنيفة وعدد مروياته من المرفوعات والآثار.

(٣) الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها.

(٤) الكلام المفيد في تحرير الأسانيد.

(٥) أحاديث تلاميذ الإمام وأحاديث العلماء الأحناف في صحيح البخاري. وغیرہ۔

جامعہ فاروقیہ کراچی:

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ۱۴۲۵ھ میں اس شعبے کی بنیاد ڈالی، مولانا نور البشر نور الحق صاحب اور مولانا ساجد صدوی صاحب کے اشراف میں "تخصص فی علوم الحدیث" کا شعبہ قائم کیا۔ اس شعبے سے بھی مختلف بیش قیمتی مقالات شائع ہوئے، جن میں سے ۲/ نمایاں مطبوعہ مقالات یہ ہیں: (۱) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ

(مصنف: مولانا طارق امیر خان صاحب)۔ (۲) الجزء فی فضائل القرآن (از: مولانا طارق امیر خان صاحب)۔ اور بھی مختلف مقالات لکھے گئے ہیں، مثلاً: "تحقيق ودراسة كتاب إمعان النظر في توضيح شرح نخبة الفكر"، "الإمام ابن همام وآراؤه الأصولية في فتح القدير"، "الحديث الضعيف ومدى الاستدلال به في الفضائل والأحكام"۔

مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ، ڈھاکہ، بنگلہ دیش:

یہ ادارہ بنگلہ دیش کے دار الحکومت ڈھاکہ میں قائم ہے، اس کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے مشرف ونگراں مفتی عبدالمالک صاحب (متخصص جامعہ بنوری ٹاؤن) ہیں۔[1]

علاوہ ازیں اہل اختصاص کی خدمت میں ایک خیر خواہانہ گزارش پیش کرتے ہوئے مولانا یاسر عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:

> کسی بھی علم وفن کے ساتھ مناسبت کی بقا کے لیے اس کا دائمی ومربوط مطالعہ ضروری ہوتا ہے، اختصاص مہارت حاصل کرلینے کے باوجود ربط وتسلسل نہ رہنے کی بنا پر برسوں کی محنت ہَوا ہوجاتی ہے۔...... گویا حقیقی متخصص وہی ہے جو تحقیق ومطالعے کے سفر میں کسی مقام پر قناعت کے بجائے فن کے ساتھ دائمی ربط قائم رکھے۔[2]

---

(۱) تخصص فی الحدیث کی ضرورت: ص ۸-۱۵ (ملخصاً)

(۲) تخصص فی الحدیث کی ضرورت: ص ۱۵

(۵) عصری علوم کی تحصیل

دینی تعلیم حاصل کرنے کے دوران عموماً عصری علوم کی طرف توجہ کا موقع نہیں ملتا یا کم ملتا ہے۔فراغت کے بعداس کی طرف التفات ہونا چاہیے یانہیں؟اس کے بارے میں فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ رقم طراز ہیں:

مدارس کے فارغین کوعصری تعلیمی اداروں سے استفادہ کرتے ہوئے عصری علوم کو حاصل کرنا چاہیے یانہیں؟اس میں علما وارباب ِدانش کے درمیان فکرونظر کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ایک گروہ کا خیال ہے کہ دینی مدارس کے فارغین کوعصری دانش گاہوں میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔اس کے دونقصانات ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اس سے دینی خدمت کے میدان میں افراد کم ہوجائیں گے، اور مدارس کا جو بنیادی مقصد ہے وہی حاصل نہیں ہوسکے گا۔

(۲) دوسرا یہ کہ جب مدارس کے یہ فارغین عصری درس گاہوں میں جائیں گےتو وہ وہاں کے ماحول سے متأثر ہوجائیں گے، اُن کی وضع قطع تبدیل ہوجائے گی، اوروہ اصل ڈگر سے ہٹ جائیں گے۔

یہ دونوں باتیں بے اصل نہیں ہیں،لیکن موجودہ حالات میں طلبہ کی اتنی بڑی تعداد مدارسِ اسلامیہ سے فارغ ہورہی ہے کہ اُن کوجگہ نہیں مل پاتی ، بلکہ بعض دفعہ توغول کا غول بڑےشہروں میں ملازمت کی تلاش میں مدرسوں اورمسجدوں کا چکرلگاتا ہوانظر آتا ہے،اور جب جگہ فراہم نہیں ہوتی ہےتوسخت مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔اُن میں سے کچھ تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگ جاتے ہیں، کچھ ہمت ہارکر بے دلی کے ساتھ کمیٹیوں کے تحت ایک

طرح کی غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کچھ اور جو کسی قدر ذہین و باصلاحیت ہوتے ہیں؛ بے ضرورت مدرسہ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں، بچوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ اگر ایسے دس مدرسوں کو جمع کر دیا جائے تب بھی طلبہ کی مطلوبہ تعداد پوری نہ ہو سکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عصری دانش گاہوں میں جانے والے بہت سے فضلا مدارس اپنی اس پہچان کو قائم نہیں رکھ پاتے جو مدرسہ کی تعلیم وتربیت کی بنیاد پر انہیں حاصل ہوئی تھی، لیکن اس سلسلے میں خود مدارس کو غور کرنا چاہیے کہ اُن کے طریقۂ تعلیم وتربیت میں کیا کمی ہے کہ وہ اپنا رنگ دوسروں پر ڈالنے کے بجائے خود دوسروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں؟؟ حالاں کہ جو نوجوان دینی جماعتوں اور تحریکوں سے مربوط ہوتے ہیں وہ بہت جلد اپنے فکر وعمل میں اس درجہ پختہ ہو جاتے ہیں کہ ان پر مخالف ماحول کی کوئی آنچ نہیں آتی۔

دوسرے: اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں بھی ایسے اہل علم کی ضرورت ہے جو دین سے واقف ہوں، اِس کی ضرورت پرائمری سطح سے لے کر یونیورسیٹیوں تک ہے، اگر مدارس کے فضلا کو اس میدان میں خدمت کا موقع مل جائے، خواہ سرکاری ادارے ہوں یا پرائیوٹ، تو ان کی تعلیم وتربیت طلبہ پر بہتر اثر ڈالتی ہے۔ ہندوستان کی بعض یونیورسیٹیوں میں آج سے پچاس سال سے پہلے کمیونسٹ اور بے دین اساتذہ کا غلبہ تھا، اسلامک اسٹڈیز میں ایسے اساتذہ اسلامیات پڑھاتے تھے جو برملا قرآن وحدیث کا انکار کرتے تھے، اور اسلام کے بارے میں طلبہ کے ذہن میں زہر گھولتے تھے، لیکن گذشتہ کم از پچیس سالوں سے یہ صورت حال بدل چکی ہے، اور اب عصری جامعات میں مدارس کے علما نمایاں مقام حاصل کر رہے ہیں، یہاں تک کہ بعضوں نے ”آئی-اے-ایس“ اور ”آئی-پی-ایس“ بننے میں بھی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنی

دینی وضع قطع کے ساتھ مخالف ماحول میں خدمت کر رہے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو اگرچہ اپنی اس روایتی شناخت پر قائم نہیں رہ سکے؛ لیکن کم سے کم ان کی وہ سوچ باقی رہی جو وہ مدارس سے لے کر گئے تھے، اس کے نتیجے میں اِلحاد اور بد دینی کی فضا دور ہوئی، آج مختلف اقلیتی یونیورسٹیوں میں اِس کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ جو لوگ اتنے کمزور کردار اور کوتاہ فکر کے حامل ہوں کہ موم کی ناک کی طرح اُن کی شکل بدلتی رہتی ہو، اگر عصری اداروں میں نہ جائیں اور مدرسہ و مسجد کے علاوہ زندگی کے کسی اور شعبے میں چلے جائیں، تب بھی ان کا یہی رویہ سامنے آتا ہے، اس لیے دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مدارس کے فضلا کو دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی سہولت کے لحاظ سے عصری تعلیمی اداروں سے بھی استفادہ کی کوشش کرنی چاہیے۔

خود تحریک مدارس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے سر سید احمد خاں مرحوم کو خط لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ مدرسہ عربیہ دیوبند سے تعلیم حاصل کر کے طلبہ علی گڑھ جائیں۔ نیز آپ نے سر سید احمد خاں کی خواہش پر اپنے داماد عبداللہ انصاری کو شعبۂ دینیات کے ذمے دار کی حیثیت سے وہاں بھیجا تھا، اس لیے معتدل رائے یہی ہے کہ جن فارغینِ مدارس کو فراغتِ وقت میسر ہو، مالی استطاعت ہو، اور مزید حصولِ علم کی پیاس ہو، تو وہ اِس نیت سے عصری تعلیمی اداروں سے استفادہ کریں کہ وہ اِسے کسبِ معاش کے ساتھ ساتھ کسبِ معاد کا، اور خدمتِ دنیا کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین کا بھی ذریعہ بنائیں گے۔

اِدھر کچھ عرصے سے مدارس کے فضلا مزید حصولِ تعلیم کے لیے عصری جامعات کا رُخ کر رہے ہیں، عام طور پر ان کا داخلہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، شعبۂ عربی اور شعبۂ اُردو میں لیا جاتا ہے، اور اپنے سابقہ تعلیمی پس منظر کی وجہ سے وہ اِن شعبوں میں امتیازی مقام حاصل کرتے ہیں، بعض اوقات یہ اُن کے لیے روزگار کا وسیلہ بھی بن جاتا ہے اور اس سے

خوداُن کی ذات اور خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے،لیکن اُن کی یہ تعلیمی کاوش اسلام اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اگر اُن کا داخلہ دوسرے تعلیمی شعبوں: جیسے قانون، معاشیات، میڈیا، تاریخ وغیرہ میں ہونے لگے تو اس سے اُن کو بھی فائدہ ہوگا اور قوم وملت کو بھی، وہ اِن شعبوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کرسکیں گے، جو غلط فہمیاں اسلام کے خلاف پھیلائی جارہی ہیں اُن کو دُور کرسکیں گے، اور آئندہ اگر انہیں اِن ہی شعبوں میں تدریس کا موقع مل گیا تو وہ ایک بصیرت مند مسلمان قانون داں، مسلمان صحافی اور مسلمان ماہرِ معاشیات وغیرہ تیار کرسکیں گے، یہ یقیناً ایک بڑا کام ہوگا۔

برج کورس:

لیکن یہ فضلا اِن شعبوں میں کس طرح داخلہ لیں؟ اور ان نامانوس مضامین کو کیوں کر پڑھیں؟ اُس کے لیے برج کورس کا ایک طریقۂ کار سوچا گیا، اب حکومت مختلف اقلیتی یونیورسیٹیوں میں ایسے برج کورس کا راستہ کھول رہی ہے، تاکہ مدارس کے فضلا کو خصوصی تعلیم وتربیت کے ذریعے دوسرے شعبوں میں داخلے کے لیے تیار کیا جائے، اور وہ امتحان پاس کرکے اِن شعبوں میں داخل ہوں۔ یہ ایک بہتر قدم ہے، اور اگر اِس کا صحیح استعمال ہو تو اس کا اچھے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ ملک کی پہلی اقلیتی یونیورسٹی "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" (جس کی ایک روشن تاریخ اور تعلیمی خدمت کا زبردست ریکارڈ ہے) نے بجا طور پر "برج کورس" کے قیام میں پیش قدمی کی، اور وہاں مدارس کے فضلا داخلہ لینے لگے۔ جو لوگ دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کے سلسلے میں معتدل فکر رکھتے ہیں، اور وسیع اُفق میں اسلام کی ترجمانی اور نئی نسل کی تربیت اور ذہن سازی کے بارے میں

سوچتے ہیں، ان کے لیے یقیناً یہ خبر بڑی خوش آئند تھی، لیکن افسوس کہ بقول علامہ اقبالؒ ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ

بجائے اِس کے کہ دین دار ماہرین فن کے ذریعے اِن فضلا کی تعلیم وتربیت کی جاتی؛ وہاں ایک ایسے صاحب کو اِس کام پر مامور کردیا گیا جن کا نام "شاذ" ہے، اور جو واقعی اسم بامسمّٰی ہیں۔ ان کی فکر "الف" سے "ی" تک شذوذ، تفرد، توارث سے بغاوت، اور سلف صالحین کے مسلّمات سے انکار؛ بلکہ اُن کی بےتوقیری پر مبنی ہے۔ یونیورسٹی کی ذمے داری ہے کہ وہ اسلام کے نام پر ایسی اسلام مخالف حرکتوں کو روکے، اور مدارس کا فریضہ ہے وہ اپنے فضلا کو حقیقی صورت حال سمجھائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سونا سمجھ کر بے قیمت پیتل خرید کرلیں، نیز خود فضلا کو بھی چاہیے کہ وہ ایسی تحریک سے متأثر نہ ہوں۔ (۱)

مدرسہ ڈسکورز کی حقیقت:

نوجوان عالم دین ڈاکٹر یاسر ندیم الواجدی حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ ڈسکورسز آخر کیا ہے؟ اس کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس

(۱) ماخوذ از: کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ۔ تحریر: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، بحوالہ: بصیرت فیچرس۔

پروگرام کے پیچھے کون سا ادارہ ہے۔ امریکہ کی سب سی بڑی کیتھولک یونیورسٹی نوٹر ڈیم جو امریکی صوبے انڈیانا میں واقع ہے؛ دراصل اس پروگرام کی محرک ہے۔اس یونیورسٹی کے ایک ذیلی ادارے کے پروفیسر ابراہیم موسیٰ جو اصلاً جنوبی افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں، مدرسہ ڈسکورسز کے ذمے دار بنائے گئے ہیں۔ اس پروگرام کے دوسرے ذمے دار ہیں پروفیسر ماہان مرزا۔ ان دونوں شخصیات کے نظریات پر کچھ کہنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مدرسہ ڈسکورسز نامی اس پروگرام کا مقصد کیا ہے۔نوٹرڈیم یونیورسٹی کی ویب سائٹ پراس پروگرام کا تعارف کراتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ"اس پروگرام کا مقصد علما کو پلورلزم، جدید سائنس، اور جدید فلسفہ سے آراستہ کرنا ہے۔"

پلورلزم ایک جدید اصطلاح ہے،جس کا مطلب ہے: یہ نظریہ رکھنا کہ میرا مذہب ہی سچائی کا مصدر نہیں ہے، بلکہ حق دیگر مذاہب میں بھی ہوسکتا ہے، اسی طرح یہ نظریہ رکھنا کہ مختلف مذاہب ایک عالم گیر سچائی کی الگ الگ تعبیرات ہیں۔ گویا اسلام کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، بلکہ مسیحی اور یہودی مذاہب بھی درست ہیں، کیوں کہ وہ حقانیت ہی کی دوسری تشریح ہیں۔ اس نظریے کو جدید ترین اصطلاح میں پلورزم بھی کہا جاتا ہے۔لہٰذا مدرسہ ڈسکورسز میں فضلائے مدارس کو داخل کرکے یہ تربیت دی جائے گی کہ پلورلزم پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے اور کیسے یہ جاہلی نظریہ آج کے دور میں ضروری ہے۔ (۱)

---

(۱) سرجیکل اسٹرائک۔

خلاصہ یہ کہ عصری علوم کی تحصیل دو دھاری تلوار ہے، اس لیے فضلا اپنے اساتذہ اور مشائخ کے مشورے اور استصواب کے بعد ہی بہت ڈرتے ڈرتے اس پُرخطر وادی میں قدم رکھیں۔ واللہ الموفق.

فضلا کو اسکولوں اور قومی اداروں کی طرف توجہ دینا بھی حالات اور وقت کا تقاضا ہے، ظاہر ہی کہ مدارس میں پڑھنے والے طلبا تو کُل آبادی کا بالکل معمولی حصہ ہیں، زیادہ تر بچے تو عصری تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں، انہیں ایک اچھا مسلمان بنانا اور محب وطن شہری بنانا بھی ان کا حق اور ہمارا فرض ہے، اس لیے علمائے کرام اپنی نگرانی میں ایسے عصری تعلیمی ادارے قائم کریں جہاں اعلیٰ عصری تعلیم نہایت اعلیٰ معیار پر دی جائے، اور ساتھ دینی تربیت اور اسلامی ثقافت وتہذیب کے اِحیا وتنفیذ کا اہتمام ہو، یہ سلسلہ فضلا کے رزقِ حلال کے ساتھ خدمت دین کا بھی ذریعہ ہوگا۔ اگر ادارہ قائم کرنا مشکل ہو تو پہلے سے موجود اداروں کو اپنی سرپرستی میں لے کر بھی کام کیا جاسکتا ہے، ان اداروں کے سربراہوں کو ترغیب دے کر اُنہیں اپنا تعاون پیش فرمائیں۔ اس سلسلے میں جو ادارے دینی طرز پر کام کر رہے ہیں اُن سے مزید رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تنبیہ:

جو فضلا جدید تعلیم گاہوں میں تعلیم وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہوں، یا انجام دینا چاہتے ہوں، اُنہیں خود اُس ماحول کے مطابق نہیں ڈھلنا چاہیے، بلکہ اُس ماحول کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ اپنی تعلیم گاہوں میں دینی شعائر کی سربلندی کے لیے تدابیر سوچنی چاہیے، اور اس کے لیے مناسب انداز میں مشورے دینے چاہیے، اور جو طلبہ اُن کے یہاں زیر تعلیم ہوں اُن میں دینی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے،

انہیں قرآن وحدیث کی ہدایات سے آگاہ کرنا چاہیے، بزرگانِ دین کے واقعات سنانے چاہیے، نیکی کی ترغیب، اخلاقِ حسنہ کی تلقین اور دینی فرائض کی پابندی کا شوق دلانا چاہیے، اورنو جوان طلبہ کوتبلیغی جماعت سے وابستہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ [۱]

(٦) نیابت رسول اور وراثت انبیا کے حق کی ادائیگی کا اہتمام:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد عالی قدر ہے: "إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ" (بے شک علما انبیا کے وارث ہیں) [۲]۔ تو جو طلبہ فارغ ہو کر جا رہے ہیں وہ میراث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لے کر جا رہے ہیں، اور وارث کا کیا مطلب ہے؟ یہ مطلب نہیں کہ اُن کو نبوت کے اندر سے کچھ مل گیا نہیں! بلکہ جو ذمے داریاں انبیائے کرام کی تھیں وہی ذمے داریاں اُن پر آ گئیں، اس لیے کہ وارث کے ذمے وہ ساری ذمے داریاں ہوتی ہیں جو مورث کے ذمے ہوتی ہیں۔ [۳]

دراصل وارث اپنے مورث کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے، اور نیابت اور قائم مقام ہونے میں فرع کا حکم اصل جیسا ہوتا ہے، اور میراث انہی اشیاء میں جاری ہوتی ہے جو مورث کے ساتھ مختص ہوں، اگر مورث کے پاس کسی کی چیز عاریت، امانت یا قرض ہو تو اس میں میراث جاری نہیں ہوتی، غیر مخصوص اشیاء میں میراث جاری ہوتی ہی نہیں۔ اب مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص چیز علم تھا، اور علماء کو یہ میراث و نیابت اس مخصوص صفت علم کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

یاد رکھیے! بادشاہی ملی تو فرعون و نمرود کی نیابت ملی، وزیر ہوا تو ہامان کے قائم مقام ہوا،

---

(۱) پا جا چراغِ زندگی: ۷۴-۷۵۔

(۲) سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۲۶۰۶-باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ-۔

(۳) پا جا چراغِ زندگی: ص ۷۰۔

فوجی جرنیل ہوا تو رستم کی جانشینی ملی، لیکن اس سے نبوت کی نیابت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی، اور نہ یہ عہدے اور مناصب سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و عظمت تک پہنچ سکتے ہیں۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو کسی حکومت، کسی سرمایہ دار، کسی جاگیردار کی وراثت نہیں ملی، آپ کو شداد، قارون، فرعون، نمرود کی وراثت نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت آپ کے حصے میں آئی ہے۔

آج اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کی وراثت کا تاج آپ کے سروں پر رکھ دیا ہے، وہ انبیائے کرام؛ جن کا مقام بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد انبیا ہی کا درجہ ہے، انبیاء کا مقام تو بہت بلند ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والے، آپ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو جلا بخشنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بھی اس قدر ارفع و اکمل اور بلند ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، بڑے سے بڑا عالم، شیخ وقت، قطب و ابدال؛ بلکہ کوئی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا ہے، جب صحابۂ کرام کا یہ مقام ہے تو انبیا کا مقام تو صحابۂ کرام کے مقام سے بہت بلند ہے، ان انبیا کا وارث اللہ نے آپ کو بنایا ہے، اور یہ اتنی بڑی دولت و نعمت ہے کہ دنیا کی تمام دولت اور ہر نعمت اس پر قربان کی جا سکتی ہیں۔

خدا کی قسم! اگر دنیا و مافیہا کی نعمتیں ایک طرف کر دی جائیں اور دوسری طرف اس نعمت کو رکھا جائے تو یہ ساری نعمتیں اس کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتیں۔ (۱)

طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ، قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَنْ هُمْ خُلَفَاؤُكَ؟ قَالَ:

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۱۱۳-۱۱۵، ۲۳۷-۲۳۸۔

اَلَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ وَيَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ "[۱] (اے اللہ! میرے خلفا پر رحم فرما، ہم نے عرض کیا: آپ کے خلفا کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، اور میری احادیث کو بیان کریں گے، اور لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں گے)۔

اگرچہ اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف بلکہ بعض نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن قاضی عیاض نے"الالماع" میں "باب في شرف علم الحديث وتشرف أهله" کے تحت اس حدیث کو بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں ہے۔[۲]

اس حدیث پاک میں علما کو عموماً اور بطور خاص حدیث پاک سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔غور کرو! اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے، اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت مل رہی ہے۔[۳] دعا ہے کہ باری تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بنادے (آمین)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت یہی ہے کہ یہاں دار العلوم میں حدیث کی تعلیم حاصل کی جائے، اور پھر فراغت کے بعد اپنے علاقے اور اپنے وطن میں جاکر؛ بلکہ پوری دنیا میں اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ چناں چہ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے "الحطة في ذكر الصحاح الستة" میں لکھا ہے:

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱/ ۱۲۶۔

(۲) درس ترمذی: ۱/ ۲۰۔

(۳) مبادیاتِ حدیث: ص ۴۷۔

محدّثین کو خلفا اس لیے فرمایا کہ مسلمانوں تک بطور خیر خواہی سنتوں کو پہنچانا انبیا علیہم السلام کا منصب ہے، تو جو آدمی اس خدمت کو انجام دے گا گویا وہ ان کا نائب ہے۔ (۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کے ایک خطاب کا لب لباب یہ ہے:

الحمدللہ ملّا ہوں، اور صرف ملّا نہیں؛ بلکہ ٹھیٹھ ملّا ہوں، اور ملّا نیت میں نے کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں اَپنائی کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا تو ملّا بن گیا؛ بلکہ ملّانیت میرا انتخاب ہے، کھاتے پیتے گھرانے سے ہوں الحمدللہ، کسی اور شعبے کو اختیار کرتا تو بڑی آسانی سے کرسکتا تھا، اور کسی دوسرے شعبے میں خوب ترقی کرسکتا تھا، لیکن یہ "ملّا ہونا" میرے دل کو بھایا ہے، سو ملّا ہونے کو باعث اعزاز سمجھتا ہوں، مسجد کی چٹائی مجھے عزیز ہے نرم ونازک قالینوں اور زرق برق گدّوں سے، مجھے کوئی "مولوی" کہے تحقیر سے؛ تب بھی میں اِس لفظ کو اپنے لیے تعظیم سمجھتا ہوں، مجھے تعجب ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ملّا ہونے کو معمولی سمجھتے ہیں، اور اپنا تعارف کرتے ہوئے شرمارہے ہوتے ہیں، ارے بھائی! نبوت کی وراثت کے منصب کو چھوٹا مت سمجھیے!! اگر اِس سے بڑا کوئی اعزاز ہوتا تو نبوت کی وراثت وہ قرار پاتا، نبی کا وارث اگر ملّا (عالم دین) کو قرار دیا گیا تو یہ طے شدہ بات ہے کہ یہی سب سے اعلیٰ منصب ہے، سو اِسے اعزاز جانیے! اکرام سمجھیے! اس منصب کے ساتھ جینا مرنا زندگی کا نصب العین بنالیجیے۔

---

(۱) الحطۃ: ص ۴۸۔

سرمایہ:

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ بھی یاد رکھیے کہ نبوت محمدی نے جس طرح علوم واحکام کا ایک بے پایاں دفتر اور وسیع ترین ذخیرہ چھوڑا، "فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَلٰكِنْ وَرَّثُوْا هٰذَا الْعِلْمَ" (اس لیے کہ انبیا میراث میں دینار و درہم نہیں چھوڑتے، بلکہ وہ تو اس علم کو بطورِ میراث چھوڑ کر جاتے ہیں)، یہ ذخیرہ قرآن وحدیث، فقہ واحکام کی صورت میں محفوظ ہے، اور آپ کا مدرسہ بحمد اللہ اس کی خدمت واشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے، اسی طرح نبوت محمدی نے کچھ اوصاف، خصوصیات اور کیفیات بھی چھوڑے۔ جس طرح پہلا سرمایہ نسل درنسل منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت واشاعت کا انتظام کیا، اسی طرح دوسرا سرمایہ بھی برابر منتقل ہوتا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ یہ اوصاف وخصوصیات کیا ہیں؟ یقین واخلاص، ایمان واحتساب، تعلق مع اللہ، انابت واخبات، خشوع وخضوع، دعا وابتہال، استغنا وتوکل، اعتماد علی اللہ، درد ومحبت، خود شکنی وخودداری، علوم نبوت واحکام اور اوصاف وکیفیات دونوں کی جامع تھی، "هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" (وہی ہے جس نے امی لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں)۔

نبوت محمدی سے صرف علوم واحکام کو لینا اور کیفیات واوصاف کو ترک کردینا ناقص وراثت ہے اور نامکمل نیابت۔ دنیا میں جن لوگوں نے نبوت کی نیابت کی اور اسلام کی امانت ہم تک پہنچائی وہ صرف ایک حصے کے امین نہ تھے، وہ دونوں دولتوں سے مالا مال تھے۔ اب بھی اسلام کی دعوت اور اسلامی انقلاب صرف پہلے حصے سے برپا نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو جن اسلاف کی طرف نسبت کا شرف حاصل ہے وہ بھی ان دونوں خصوصیتوں کے جامع تھے۔ آپ اگر حقیقی نیابت کے منصب بلند پر سرفراز ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو اس جامعیت کی کوشش کرنی پڑے گی، اس کے بغیر علم وفن کی صناعی کاغذی پھول ہیں، جن میں نہ خوشبو، نہ تازگی۔ آج دنیا کے بازار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، ہم اور آپ اس میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کرسکتے، یہاں تو نبوت کے باغ کے شاداب پھول چاہیے جو مشامِ جاں کو معطّر کردیں، اور جن کے سامنے دنیا کے پھول شرما جائیں۔ "فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (اسی طرح حق کھل کر سامنے آ گیا، اور ان کا بنا بنایا کام ملیا میٹ ہوگیا)۔

آپ برا نہ مانیں، کہنے والا بھی آپ ہی میں سے ہے، عرصے سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جارہے ہیں، ان اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہیے اور دیکھنا

چاہیے کہ کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے کہ ؎

اٹھا میں مدرسے وخانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

(علامہ اقبالؒ)

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہوکر نکلتے ہیں کبھی اس تعداد میں نہیں نکلے تھے،لیکن زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں۔ (۱)

نیابت رسول کا مطلب:

عزیز طلبہ! دینی درسگاہوں میں پڑھنے والے طلبہ اوران سے فارغ ہونے والے طلبہ سب کے سب نائب رسول ہیں، یا ہونے والے ہیں، اور نائب رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُس پیغام کے امین ہیں جس کو لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، اس لیے آپ کا فرض ہے کہ آپ اُس پیغام ہدایت کے قولاً وعملاً داعی بنیں جس کی دعوت وتعلیم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے، اگر آپ نے کوئی غلط حرکت کردی یا اپنے خاص مقام اور دینی ذمہ داری کو بھلا کر معاشرے میں بالکل گھل مل گئے، تو اس سے نہ صرف آپ بدنام ہوں گے؛ بلکہ نیابت رسول کی ذمہ داری پر بھی حرف آئے گا۔ (۲)

وارثین انبیا کا وصف خاص:

اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کیا تھی؟ "كَانَ مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ،

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۹۴-۹۶

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۳۱۲-۳۱۳۔

دَائِمَ الْفِكْرَةِ" (آپ (آخرت کے) متواتر غموم میں مشغول رہتے تھے، (ذات وصفات باری یا امت کے بہبود کے متعلق) ہر وقت سوچ میں رہتے تھے)۔ (۱)

اگر ہم وارثین انبیا ہونے کے مدعی ہیں، تو وراثت میں یہ اوصاف بھی منتقل ہونے چاہییے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار غموں والے اور دائمی فکر والے تھے، کوئی بھی نبی عیش والی زندگی نہیں گزارتا تھا، تنعم پروری والی زندگی نہیں گزارتا تھا، نبی دنیا کی طرف رغبت والی زندگی نہیں گزارتا تھا، نبی مال کمانے کے چکر میں نہیں رہتا تھا، نبی کو اچھی اچھی سواریوں کی، اچھے اچھے گھوڑوں کی، اچھے اچھے اونٹوں کی فکر نہیں تھی، نبی کو بڑے بڑے بنگلوں کی فکر نہیں تھی، نبی کو عمدہ عمدہ کپڑوں کی فکر نہیں تھی، نبی کو تو ایک ہی فکر تھی کہ اس زمین پر بسنے والا ہر انسان اللہ والا کیسے بن جائے، جنت میں جانے والا کیسے بن جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ انبیاء علیہم السلام کے سردار تھے، اس لیے اس وصف میں بھی آپ دوسروں پر فائق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "مُتَوَاصِلُ الْأَحْزَانِ، دَائِمُ الْفِكْرَةِ" تھے، ہر وقت سوچ، ہر وقت فکر اور ہر وقت غم کہ اللہ کے بندے جہنم سے کیسے بچ جائیں۔ ہمیں تو بھائیو! اپنے بھائی، اپنی بہن، اپنی ماں اور اپنے والد کے جہنم کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر بھی دل میں بے چینی اور کڑھن محسوس نہیں ہوتی، ہم اگر حقیقی معنی میں وارث نبی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وصف بھی ہمارے اندر ہونا چاہییے۔ (۲)

وظائف نبوت، اور عظیم منصب کی نا قدری:

میرے پیارو! یہاں سے وظائف نبوت لے کر اٹھو! ﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى

---

(۱) شمائل ترمذی: ص ۲۲۳- باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -۔

(۲) شمائل ترمذی: ص ۲۲۳- باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -۔

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے)[۱]، صدیق اکبر کے نعرے "أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ"[۲] (میرے جیتے جی دین میں نقصان آ سکتا ہے؟؟) کو لے کر اٹھو! سوچو میرے عزیزو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ورثۃ الانبیاء کے مقام پر فائز کیا، اور امت کی قیادت کے لیے منتخب کیا، اور یہ کتنا بڑا سانحہ ہوگا کہ آپ اس عظیم منصب سے گریں، اور ایسے گریں کہ ہمارے اور عوام کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے، ہم بلندی کے کس مقام کو ٹھوکر مار کر پستی کے کس گڑھے میں گر رہے ہیں، اگر کوئی وزارت کے منصب کو ٹھکرا کر بھنگی بننا پسند کرتا تو وہ بھی اپنے منصب کی اتنی نا قدری کرنے والا شمار نہیں ہوتا جتنی نا قدری کرنے والے ہم ہو رہے ہیں۔[۳]

"جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ" کی سالانہ تقریب دستار بندی کے موقع پر فارغ التحصیل ہونے والے فضلائے کرام الوداعی نصیحت کرتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پس منظر میں یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے:

"فَلْيُرَ أثرُ نِعمة الله عليك" اللہ نے تجھ پر جو انعامات کیے ہیں؛ تو

---

(۱) آل عمران: ۱۶۴۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ص ۵۵۶ - باب مناقب ابی بکر، الفصل الثالث۔

(۳) عالم ربانی کسے کہتے ہیں، اور فضلا کی خدمت میں: ص ۵۸۔

اُس کے اثرات تم پر نظر آنا چاہیے۔ میں یہ اِس حوالے سے نقل کیا کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے علم اور دین کی دولت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، آپ دین کے علم کی دولت اپنے سینوں میں سجائے جا رہے ہیں تو اُس کے اثرات آپ پر دکھائی دینے چاہیے، آپ کی زندگی، آپ کے گھروں، آپ کی مجلس، آپ کے بول چال، رہن سہن، لین دین (dealing) اور ملازمت، اور آپ کے معاملات سے انداز لگنا چاہیے کہ آپ نے دین پڑھ رکھا ہے، آپ کی زندگی کے ہر شعبے میں اِس علم کے اثرات نظر آنے چاہیے۔ (۱)

انقلاب آفرینی اور یقین کی طاقت حاصل کیجیے!

اللہ کی ذات وصفات کا علم خشیت پیدا کرتا ہے، خشیت سے غیرت پیدا ہوتی ہے، کوئی بھی کام کرنے کے لیے غیرت کا ہونا ایسا ضروری ہے جیسے انسان کی حیات کے لیے حرارت ضروری ہے، اور ایک آدمی کی غیرت سے انقلاب آجاتا ہے۔ چناں چہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پہلے اسی ملک میں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ یا سید علی ہمدانی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ایک فقیر بے نوا آتا اور پورے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور اپنے ایمان کے نور سے بھر دیتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیا، انہیں کی خاموش مساعی کا نتیجہ تھا کہ ہم اکبر کے تخت پر اورنگ زیب جیسے فقیہ ومتشرع بادشاہ کو

(۱) ماہنامہ نصرۃ العلوم، مارچ ۲۰۲۳ء: ص ۲-۳۔

دیکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طویل وعریض ملک کا رجحان بدل دیا، اور پورے نظامِ فکر اور نظامِ تعلیم پر گہرا اثر ڈالا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عام مایوسی اور پسپائی کے دور میں اتنا بڑا اسلامی قلعہ تعمیر کردیا، اور علومِ شریعت کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ ابھی پچھلے عرصے میں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان اور دینی جدوجہد کی ایک نئی روح پھونک دی۔ غرض ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

آج ہمارے فضلاء اس روح سے خالی، ان کیفیات سے عاری اور اس قوت سے محروم ہیں جو لوگوں کو نئے سرے سے سوچنے پر مجبور کردیتی تھی، زمانہ بڑا حقیقت شناس ہے، وہ صرف بلندی کے سامنے جھکتا ہے، دماغ: بلند دماغ کے سامنے جھکتے ہیں، اور خالی اور سرد دِل معمور اور گرم دِل کا لوہا مانتے ہیں۔ ہمارے مدارس میں دماغی انحطاط بھی روزافزوں ہے اور قلبی افسردگی بھی روبہ ترقی، مقررین اور واعظین کی اب بھی کمی نہیں، مگر بقول حضرت جگر۔ ع

آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں [1]

مزید فرماتے ہیں:

جہاں تک میرا مطالعہ ہے؛ کم ازکم اسلامی تاریخ کے حدود میں شاید کوئی انقلاب خالص خطابت اور طلاقت لسانی سے پیدا نہیں ہوا۔ ...... ہر انقلاب کے سرے پر جہاں سے اس انقلاب کا چشمہ پھوٹتا ہے، جہاں

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص۹۶۔

سے انقلاب کا سیل رواں آگے بڑھتا ہے، آپ کو ایسی شخصیت نظر آئے گی جس کے اندر کسی چیز کا یقین دل و دماغ کی تہ میں پیوست ہے، اور تمام اعصاب پر پوری طرح حاوی ہے، جس کے اندر ایک ایسی مقناطیسی اور برقی قوت موجود ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں کو متأثر کرتی ہے، محض خطابت سے، دو چار اچھی تصنیفات سے، قلم کی روانی سے، خیالات کے سلجھاؤ سے، کسی نادر علمی تحقیق سے، محض کسی نئے طرز میں کسی پُرانے خیال کو یا نئے جام میں کسی شراب کہن کو پیش کرنے سے زمانے میں کوئی نیا انقلاب؛ اور انقلاب تو بڑی چیز ہے، کوئی معمولی تبدیلی بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی دردمندی اور اندرونی سوز کی، ایک حرارت کی جو اندر اندر جلا رہی ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو، اور پھر یہ لاوا پھوٹ کر کوہِ آتش فشاں کی طرح بڑھ رہے ہو، اور اس کی تپش اور سوزش سینکڑوں اور ہزاروں دلوں کو گرما رہی ہو۔ (۱)

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

......آپ میں غیر متزلزل یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہیے، آپ میں یہ حوصلہ اور ہمت ہونی چاہیے کہ ساری دنیا ملتی ہو تو اس کے ایک نقطے سے بھی دست بردار ہونے کے سوال پر غور نہ کرسکیں، آپ کے دلوں میں اس کی حمایت ونصرت کا جذبہ موجزن ہونا چاہیے، آپ کا دل اس بے بدل دولت پر فخر اور شکر سے لبریز ہو، آپ کو اس کی صداقت، اس کی

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۸۲۔

معقولیت، اس کی ابدیت، اس کی ہر زمانے میں صلاحیت، اس کی بلندی وبرتری اور اس کی معصومیت پر غیر متبدل یقین ہو، آپ اس کے مقابل ہر چیز کو پورے اطمینان کے ساتھ جاہلیت اور جاہلیت کی میراث سمجھتے ہوں، آپ جہاں احکامِ خداوندی اور اسلامی تعلیمات کو سن کر "سمعنا وأطعنا" کہیں؛ وہاں جاہلیت کے نظام اور جاہلیت کے علم برداروں کو مخاطب کرکے کہیں کہ "كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ" (ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہوگیا ہے، جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ) ، آپ اسلام ہی کی رہنمائی اور اسوۂ محمدی ہی کی روشنی میں دنیا کی نجات کا یقین رکھتے ہوں، اور آپ کا اس پر عقیدہ ہو کہ اس طوفانِ نوح میں سفینۂ نوح صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور امامت ہے، آپ یقین کرتے ہوں کہ افراد اور اقوام کی سرفرازی اور سربلندی کی شرط صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہے، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ؎

محمد عربی کہ آبروئے ہردو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

آپ تعلیمات نبوت کو علم کا لب لباب اور حقیقۃ الحقائق سمجھتے ہوں، آپ اس کے مقابلے میں تمام دنیا کی الٰہیات اور فلسفۂ مابعد الطبعیات اور قیاسات وروایات کو افسانہ وخرافات سے زیادہ وقعت دینے کے لیے تیار نہ ہوں۔ آپ توحید کی حقیقت سے واقف اور اس پر مُصر ہوں، اور

شرک اور تمام دنیا کے علم الاصنام کو؛ خواہ وہ کیسے ہی پُرجلال علمی اصطلاحات اور فلسفے میں بیان کیا گیا ہو، حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں، اور "زخرف القول غرورًا" سے زیادہ مرتبہ دینے کے لیے آمادہ نہ ہوں۔ آپ سنت کی اتباع کے حریص اور "خير الهدي هدي محمد ﷺ" پر یقین رکھتے ہوں، اور بدعات کے مضر اور نامقبول ہونے پر آپ کو شرحِ صدر ہو، غرض؛ آپ اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے نبوت محمدی کی جامعیت اور عملیت کے قائل اور اس کی عملی تفسیر ہوں۔

فضلائے مدارس کا امتیاز:

دوستو! دنیا کے دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں آپ کا امتیاز یہ ہے کہ ان حقائق پر دوسروں کا اجمالی ایمان کافی ہے، مگر آپ کو اس پر پورا ذہنی اطمینان اور شرحِ صدر ہونا چاہیے۔ آپ کا صرف قائل ہونا کافی نہیں؛ اس کا داعی ہونا ضروری ہے۔ دوسروں کا یقین لازمی ہو تو کافی ہے، آپ کا یقین متعدی ہونا چاہیے، جو سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو یقین سے لبریز کردے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آپ کا سرور سرخوشی و سرمستی اور بےخودی کی حد تک نہ پہنچا ہو، اور آپ میں "يَكْرَهُ أَن يَّعُوْدَ إِلَى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَن يُّقْذَفَ فِي النَّارِ" (وہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسے ہی ناپسند کرتا ہے، جیسا کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اسے جہنم میں پھینک دیا جائے) کی حقیقت نہ پائی جاتی ہو۔

تعلیمات نبوت سے دوسروں کی سرسری واقفیت کافی ہے، مگر آپ کے لیے علومِ نبوت میں رسوخ، علومِ نبوت سے عشق، علومِ نبوت میں مقامِ فنائیت، علومِ نبوت پر اصرار ضروری ہے، اس کے بغیر دعوت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ دعوتوں اور تحریکوں کے اس طوفانی طور میں اس کے بغیر اپنی خصوصیات اور سرمایے کی حفاظت بھی مشکل ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ زمانے کو جس وقت جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ چیزیں دینا نبی کی وراثت کا تقاضا ہے۔

(۷) فراغت کے بعد معاش کا مسئلہ:

فارغ ہونے کے بعد ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ معاش کا سامنے آتا ہے اور ہر ایک یہ سوچتا ہے کہ میں کھاؤں گا کہاں سے؟

دراصل مدارس کے ماحول میں ایک فکری غلطی (جس کا تدارک ضروری ہے) یہ ہوتی ہے کہ خارجی ماحول کو دیکھ کر ہمارے قلوب دین اور دین کی حقیقی عظمت سے خالی ہوتے جارہے ہیں، مال کی ریل پیل، کار، کوٹھی، بنگلہ، اور دیگر ساری ترقیات، جو دنیوی تعلیم پر ملتی ہیں، وہ دینی تعلیم پر حاصل نہیں ہوتیں، اس لیے ہم احساس کمتری اور اپنے مستقبل کے بارے میں تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (۲)

اس سلسلے میں چند باتیں اصولی طور پر ذہن میں رہنی چاہیے:

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۹۲-۹۴۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۵۔

بنیادی غلطی:

(الف) اولاً تو یہ بات بالکل غلط ہے، اس لیے کہ جب علم میں کمال آئے گا تو دنیا خود تمہارے دروازے کھٹکھٹائے گی، "أَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ"[1] (اس کے پاس دنیا ناک رگڑتے ہوئے آئے گی)۔

چناں چہ بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے پاس ایک شخص ڈھیروں کی رقم لایا، مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا، عرض کیا: "اگر آپ خود نہیں لیتے تو طلبہ میں تقسیم فرمادیں"، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کام آپ خود بھی انجام دے سکتے ہیں، جب حضرت مسجد میں درس دینے لگے تو جوتے اتار کر باہر رکھ دیے تو اس عقیدت مند نے وہ رقم جوتوں میں رکھ دی، اور خود چلا گیا، بعد میں حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلامذہ سے فرمایا: "دیکھیے! ہم خدا کے فضل سے دنیا کو ٹھکراتے ہیں تو دنیا پاؤں میں پڑتی ہے، اور اگر ہم نے دنیا کی طلب کی تو دنیا دور بھاگے گی"۔[2]

مدرسے کے فضلا کو تنگی نہیں......:

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جو اپنے وقت کے صاحب دل اور مجذوب شخص تھے، بہت بڑے بزرگ تھے، ایک دن درسگاہ میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ "منوا کر چھوڑا"، پوچھا گیا: کیا منوا کر چھوڑا؟ اور کس نے منوایا؟ فرمایا: میں ایک عرصہ سے دعا کرتا رہا کہ اے اللہ! جو بھی اس دارالعلوم دیوبند سے

---

(۱) سنن الترمذی: ۲۴۶۵- أبواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع- حکم الحدیث: صحیح۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۱۱۷-۱۱۸۔

فارغ ہوا اُسے معاشی لحاظ سے کبھی تنگی میں مبتلا نہ کر، یہ دعا میں ہمیشہ کرتا رہا، مگر آج تو اللہ تعالیٰ سے منوا کر ہی چھوڑا، آج اللہ نے میری دعا قبول فرمالی۔ (۱)

اس دعا کے اثرات مدارس کے فضلاء میں پائے جارہے ہیں اور پائے جاتے رہیں گے- ان شاء اللہ تعالیٰ -۔ چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

بہ قسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا جس نے اللہ کے لیے پڑھا اور پڑھایا ہو، اور اللہ نے اُس کو عزت اور راحت کی زندگی عطا نہ کی ہو، اور اگر عالم ہوا اور رُسوا ہوا؛ تو اپنی بد عملی سے ہوا۔ (۲)

فراخیِ رزق کا ایک مجرّب عمل:

اور اگر کچھ تنگی پیش آئے تو فراخی رزق کے جو مجرب اعمال ہیں وہ بھی کرتے رہیے۔ من جملہ ان اعمال کے ایک مجرب عمل وہ بھی ہے جو ۱۴۰۰ھ میں حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم نے دارالعلوم کراچی کے طلبۂ دورۂ حدیث کو بتلایا تھا: ”فجر کی نماز کے بعد اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھ کر سورۂ شوریٰ کی آیت "اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَن يَّشَاءُ ، وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ." ۷۰ رمرتبہ پڑھنا چاہیے، فراخی رزق میں نہایت مجرب ہے، جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا تلقین کیا ہوا ہے، اس سے نفع اٹھانا چاہیے۔ (۳)

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۴۲۔

(۲) پاجا چراغِ زندگی: ص ۶۴۔

(۳) از نصائح حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب دامت برکاتہم در کتاب ”گلشن شفیع کے رنگ و بو“، از فضلائے جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴۳۸ھ، ۲۰۰۹ء۔

دینی تعلیم ذریعۂ معاش نہیں:

(ب) یہ بات واضح رہے کہ دینی تعلیم اصولی طور پر ذریعۂ معاش نہیں، بلکہ اپنے خالق کی مرضیات و نامرضیات معلوم کرنے کا نام ہے۔ جب یہ ذریعۂ معاش نہیں تو تنگی معاش کی شکایت بے جا ہے، کیوں کہ معاش کے لیے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ تعلیم حاصل کی گئی ہے، معاش جتنا بھی حاصل ہوجائے؛ یہ ایک زائد چیز، فضل خداوندی ہے، یہ دینی تعلیم کا مقصد اور ہدف نہیں، اور اس کے مقابلے میں دنیوی تعلیم سے معاش مطلوب ومقصود ہے اور اسے سراسر معاشی واقتصادی نقطۂ نظر سے ہی حاصل کیا جاتا ہے، اس لیے تعلیم کے بعد اگر معقول ملازمت مل گئی تو گریجویٹ اور اس کا گھرانہ یوں تصور کرتے ہیں کہ جس جنت کے لیے اتنا وقت اور مال لگایا تھا وہ جنت مل گئی ہے، اور اگر خدانخواستہ ملازمت نہ ملی تو گاڑی کے نیچے سر دے کر خودکشی کرلیتے ہیں، گھر والوں کی نظر میں ایسا گریجویٹ جسے نوکری نہ ملے؛ "نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" بن کر رہ جاتا ہے۔ (۱)

مدارس کا رخ وہ کرے جسے فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہو:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسے کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علومِ معاش کا کوئی نظام نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی۔ یہ تو صرف اُن کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔ (۲)

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۵-۲۸۶

(۲) حسن العزیز، ج ۲: ص ۱۳۵۔

لہٰذا آپ پر یہ فکر طاری نہ ہو کہ فراغت کے بعد میرے مستقبل کا کیا ہوگا؟ آپ اپنے اوپر یہ دُھن سوار کرلیں کہ فراغت کے بعد میرے حصے میں آنے والے امتیوں کا کیا ہوگا؟ آپ اپنی نہ سوچیں؛ دوسروں کی فکر کریں، نجی مسائل میں نہ اُلجھیں؛ اجتماعی مسائل میں اپنا کردار نبھانے کی غیرت پیدا کریں۔ یہ ایسا مجرب نسخہ ہے، اور اُس میں اخلاص کا ایسا مقام پوشیدہ ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کے دروازے وَا (کھلوا) کر کے چھوڑتا ہے۔(۱)

اس سلسلے میں حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم نے اپنی سوانح "داستاں میری" میں "فارغ التحصیل طالب علم کے لیے ایک اہم نصیحت" کے عنوان سے بہت قیمتی بات نقل کی ہے:

اس ناچیز کے بعض عزیزوں کا مشورہ تھا کہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد معاشی حالات درست کرنے کے لیے طب پڑھنا ضروری ہے، یہ اچھا مشغلہ رہے گا، اسی طرح میرے ماموں صاحب کی رائے تھی کہ کپڑے کی تجارت کریں، اس کو لکھ کر حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں بھیج کر استصوابِ رائے کرنا چاہا، اس پر حسب ذیل جواب آیا:

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ............

بعد سلام مسنون!

عنایت نامہ پہنچا، جس سے بجائے مسرت کے قلق ہوا، تم نے لکھا ہے کہ عربی پڑھنے سے معاشی حالت درست نہیں ہوتی، اول تو یہ چیز بالکل غلط

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص۲۸۱-۲۸۲۔

ہے، میرا تو ذاتی تجربہ یہ ہے کہ بعض عربی پڑھنے والوں کی معاشی حالت ایسی بہتر ہے کہ اگر وہ عربی نہ پڑھتے تو کہیں بظاہر احوال؛ ایسی اچھی حالت ان کی معاشی حیثیت سے کہیں بھی نہ ہوتی، وہ اپنے ہم جنس رئیسوں سے معاشی حالت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ دوسرے اگر اس کو مان ہی لیا جائے تو یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دینی علوم حاصل کرنے کا موضوع ہی معاشی حالت درست کرنا نہیں ہے۔

احمق و پاگل ہیں وہ بیوقوف، جو علم دین کو معاشی حالت درست کرنے کے لیے پڑھتے ہیں، اس کا موضوع تو "معادی حالت" درست کرنا ہے۔ کسی چیز سے اس کے موضوع کے خلاف کی توقع ہی لغو ہے۔ یہ سوچنے کی چیز ہے کہ موت ہے جو بہر حال آنے والی ہے، کسی حالت میں ٹلنے والی نہیں، اور معادی حالت اگر خراب ہوگئی تو اس کی ہلاکت اور بربادی دائمی ہے، جس کا نہ کوئی حل اور نہ منتہا۔ درحقیقت ہم لوگوں کو عموماً یہ خبط سوار ہوجاتا ہے کہ ہم ان پاگلوں کی نگاہ میں ذلیل ہونے کو اہم سمجھنے لگتے ہیں، جن کی نگاہ میں ذلت وعزت کا مدار دنیوی ترقی اور فراخی ہے، حالاں کہ اگر اللہ جل شانہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے تو ہم اس دنیا میں منہمک لوگوں کو اس سے زیادہ ذلیل سمجھنے لگیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار وتمکیں
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

علی میاں سے زیادہ اختلاط رکھا کریں، اگر وہ رائے بریلی سے آ گئے
ہوں تو ان کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد عیادت کر دیں۔ (۱)

فقط والسلام

زکریا (مظاہر علوم)

۷/ جمادی الاخری ۲ے۳۱اھ، مطابق جنوری ۱۹۵۳ء

آج کل کے فضلا کی کمزوری:

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

آج کل ہمارے فضلا کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم نے اپنے مقصد زندگی کو بھلا دیا ہے۔ ہم ان مدرسوں میں آنے کے بعد یوں سمجھتے ہیں کہ ہم یہ پڑھتے اس لیے ہیں تاکہ ہمیں کوئی ملازمت مل جائے، اور اس لائن سے ہم ۲/ روٹی کمانے لگیں۔ -اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے (آمین)- اگر اسی لیے علم حاصل کیا ہے تو "نور الایضاح" اٹھا کر دیکھ لو، اس کے مقدمے میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ وہ پہلوان جو اکھاڑے کے اندر اپنی پہلوانی کے فن سے دنیا کماتا ہے، وہ بہتر ہے اس عالم سے جو اس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے۔ آپ نے اگر یہی مطلب سمجھا ہے تو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی؟ پھر آپ مدرسہ میں آئے ہی کیوں تھے؟ آپ دنیوی علم حاصل کرتے۔ حکومتی پیمانے پر چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری کو اتنی تنخواہ ملتی ہے جو ہمارے شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ شیخ الحدیث صاحب کی تنخواہ پانچ ہزار یا سات

(۱) داستاں میری: ۱/ ۵۹-۶۰

ہزار ہوتی ہے، اور سرکاری چوتھے گریڈ کے ملازم اور کرمچاری کی تنخواہ ۲۰/ ہزار ہوتی ہے۔ اسکولوں کے اندر پرائمری اسکول کے ٹیچروں کی تنخواہیں ۲۵/ ہزار سے ۵۰/ ہزار تک ہوتی ہے۔ اگر کمانا ہی تھا تو یہاں کیوں آئے؟ کہیں ماسٹر بن جاتے، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہماری ذہنی سوچ بدل گئی ہے۔ (۱)

ہمارا یہ سلسلہ مجاہدہ وصبر والا ہے:

(ج) پھر اگر اس طلب علم اور عالم بننے کا مقصد دنیا کا حاصل کرنا ہو تو اس کے لیے یہ راہ کیوں منتخب کی جائے؟ جس میں مشقتیں اور تکلیفیں ہیں، اور پھر مال کا ملنا بھی موہوم ہے، اور پھر زوال علم کے اس دور میں کہ عالم کو دنیا کے لحاظ سے حقیر سمجھا جاتا ہے، مال کی کمائی اور دنیوی تعیش کے لیے تو اور بھی کئی طریقے تھے، تجارت کرتے، زراعت اور مزدوری میں بھرتی ہوتے تو قوت اور دولت تو یقیناً حاصل ہو جاتی۔

ع جس کو ہو جان ودِل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں؟

لہٰذا اِس بات کو طے کرلیا جائے کہ جب اللہ نے آپ کو اپنے علم کے لیے قبول کرلیا ہے، تو اب مرتے دم تک اُس کے ساتھ جُڑے رہیں گے، یہ نہ ہو کہ مدرسے سے نکل کر کُلّی طور پر دنیوی مشاغل ہی میں پھنس کر رہ جائیں، جس طرح ہمارے لیے یہ تعجب خیز بات ہے کہ ڈاکٹر بننے کے بعد ڈاکٹر دودھ کی دکان کھول لے؛ اسی طرح ہمیں بھی آسمانی علم کے ساتھ نسبت کی لاج رکھنی ہے، معاش کی فکر غلط نہیں؛ مگر غالب وقت اور ترجیح علم اور دین کے لیے ہونی چاہیے۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں

---

(۱) فضلاء سے اہم خطاب: ص ۱۵-۱۶

مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہوجاؤں، بلکہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی حمد وثنا بیان کریں، اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجائیں، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، حتی کہ آپ وفات پاجائیں (۱)۔ (۲)

چناں چہ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ذرا سا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کردیتے ہیں، ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی کرنا تھا تو اتنے دن مدرسہ میں کاہے کو لگائے!!

ہمارے والد صاحب کے ایک بڑے پکے دوست تھے، انہوں نے اپنے بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، اس لڑکے نے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے بعد بھی مزید پانچ سات سال لگائے، پھر فراغت کے بعد اس کو ایک جگہ پر سرکاری ملازمت ملی اور اس میں بھی بہت اچھی تنخواہ تھی، لیکن اس نے جو فن پڑھا تھا اور جو سرٹیفکیٹ اور سندیں حاصل کی تھیں اس کے اعتبار سے یہ ملازمت بہت نچلے درجے کی تھی، جب وہ لڑکا ملازمت پر لگا تو اس کے والد کہنے لگے کہ اگر تجھے یہی کام کرنا تھا تو پانچ سال مزید کیوں لگائے؟ گویا تخصص کے جو سال تو نے لگائے اس میں تو نے میرے پیسے بھی برباد کیے اور اپنا وقت بھی برباد کیا، اگر اسی دن سے اس ملازمت پر لگ جاتا تو تیری قدامت اور سینئریٹی (seniority) بھی ہوجاتی، اور اس لائن میں تو مزید ترقی کرجاتا، اس طرح گویا تو نے اپنی ترقی بھی گھٹائی۔

خیر! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو دنیا کا ہی کوئی دھندا کرنا تھا تو پہلے ہی

---

(۱) مشکوٰۃ: ۳/ ۱۴۳۶-ط: المکتب الاسلامی، بیروت-۔

(۲) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۴ھ: ص ۳۔

دن سے وہاں لگ جاتے، تو آج تک کہاں سے کہاں پہنچ جاتے، اور بہت زیادہ پیسے کما لیتے، اور آپ جو کام کررہے ہیں اس میں آپ کو مزید قدامت اور ترقی حاصل ہوجاتی اور جس مقصد کے لیے وہ کام کررہے ہیں وہ مقصد بھی علیٰ وجہ الاتم حاصل ہوگیا ہوتا، یہاں مدرسہ میں کیوں آئے تھے؟ یہاں اتنے سال گنوائے اور پھر دو چار سال ادھر ادھر کرنے کے بعد اس میں لگنے کی کیا ضرورت تھی!!

اس لیے بھائی! یہ راستہ تو صبر کا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بھی ہونا چاہیے، ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں)[1] اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بھی لازم اور ضروری ہے۔

ایک عالم تھے، انہوں نے اپنے بچوں کو دینی علوم پڑھانے کے بجائے عصری علوم میں لگایا، کسی کو انجینئر بنایا، کسی کو ڈاکٹر بنایا، وہ ہمارے ایک استاذ کے ساتھی تھے، تو ہمارے استاذ کہتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو اپنے علم پر یقین نہیں ہے۔ بھائی! ایک آدمی ڈاکٹر ہے، اور ڈاکٹری کا پیشہ کرتا ہے، اگر وہ اپنے بچے کو ڈاکٹر نہ بنائے، بلکہ انجینئر بنائے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اپنے ڈاکٹری کے پیشے پر اطمینان نہیں ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو بھول کی تھی، مگر اپنے بچوں کو میں اس غلطی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ تو آپ نے دینی علم پڑھا، لیکن اپنے بچوں کو دینی علوم کے بجائے دنیوی علوم میں لگائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ یہ علم پڑھ کر ہم نے غلطی کی ہے، اور اپنی زندگی کو برباد کیا ہے، اب بھلے ہی میری زندگی تو برباد ہوئی اور میرے ماں باپ نے یہ بھول کی، لیکن میں اپنی اولاد کو برباد کرنا نہیں چاہتا، یہی تو مطلب ہوا اور کیا ہوا؟ تو آپ کا یہ طرز ﴿وَكَانُوْا

---

(۱) الم السجدۃ: ۲۴۔

بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ﴾[1] کے تقاضے کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کی بڑی اہمیت ہے۔

ایک بزرگ (غالباً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ) نے بڑی اچھی بات کہی کہ شہوات کے سامنے آپ کو صبر کی ضرورت ہے، اور شبہات کے سامنے یقین کی ضرورت ہے، اور جو صبر ویقین کو جمع کرلے گا وہ دینی پیشوائی کے منصب پر فائز ہوگا۔[2]

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اجرت علی التعلیم کا مسئلہ:

(د) پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو "اجرت علی التعلیم" کا سرے سے اجارہ ہی فاسد ہے، متأخرین ومشائخ بلخ نے بقدرِ ضرورت جواز کا فتویٰ دیا ہے[3]، اس لیے اس سلسلے میں ظاہری اسباب کے طور پر ہر ایک کو باعزت ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں معاش کا مسئلہ بھی حل ہو اور علم کا وقار بھی بحال رہے، دین کی خدمت بھی ہوتی رہے۔

چناں چہ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ "فضلاء سے اہم خطاب" میں فرماتے ہیں:

ہمارے فقہ حنفی میں تعلیم دین پر اجرت جائز ہی نہیں ہے۔ مشائخ متقدمین، ائمۂ ثلاثہ اور احناف کا مسلک یہی ہے، لیکن متأخرین مشائخ احناف نے زمانے کے حالات

---

(۱) الم السجدۃ: ۲۴۔

(۲) إغاثۃ اللهفان من مصائد الشیطان: ۲/ ۱۶۷۔

(۳) اہل علم کی زندگی: ص ۱۴۰-۱۴۲۔

میں تبدیلی آنے کی وجہ سے تعلیم قرآن پر اجرت کی گنجائش دی ہے۔ ہمارے اکابر کو اللہ پاک جزائے خیر دے؛ انہوں نے ائمۂ احناف کا جو اصل مسلک تھا اور مشائخ متأخرین نے زمانے کے تقاضے کی وجہ سے جو پہلو اختیار کیا ہے ان دونوں کو جمع کرنے کی کتنی بہترین صورت بتلائی:

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ:

اگر آپ کے پاس اپنے گزر بسر کے لیے کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ تنخواہ لے کر پڑھائیں، لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پڑھانے کا معاوضہ لے رہا ہوں، بلکہ یہ سمجھیے کہ میں تو لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دے رہا ہوں، البتہ میں ان کی دینی ضرورت پوری کر رہا ہوں تو وہ لوگ کچھ دے کر میری دنیوی ضرورت پوری کر رہے ہیں، اور دینے والے بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان کو پڑھانے کا معاوضہ دے رہے ہیں، اس لیے کہ جو دے رہے ہیں دنیوی اعتبار سے اگر اس کا اندازہ لگایا جائے تو وہ اتنا نہیں ہے جو ان کو ملنا چاہیے۔

گویا دونوں کو کتنی بہترین تعلیم دی ہے، اسی لیے ہمارے اکابرین کا مشورہ ہمیشہ یہی رہا کہ کبھی بھی مال پیش نظر نہ رہے۔ (۱)

اور آپ اپنی جانب سے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ ہرگز مت کیجیے! اگر دیگر مدرسین انتظامیہ کو اِس نوع کی کوئی درخواست دیں، اور آپ سے دستخط کا مطالبہ کریں، تو آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ ڈابھیل میں ایک مرتبہ اساتذہ نے تنخواہ میں اضافے کی درخواست تیار کی، اور حضرت اقدس مفتی احمد خان پوری صاحب دامت برکاتہم سے بھی اُس پر دستخط کرنے کو کہا، تو حضرت نے صاف معذرت کر دی۔ (۲)

---

(۱) فضلاء سے اہم خطاب: ص ۱۶-۱۷۔

(۲) ایک پیغام؛ فضلا کے نام: ص ۳۰-۳۱۔

تعلیم وتبلیغ خدمت ہے؛ نوکری نہیں:

(ہ) پھر متأخرین احناف نے اگر چہ جواز کا فتوی دیا ہے، لیکن علم کی تعلیم اور دین کی تبلیغ کے لیے ان چیزوں کو موقوف علیہ بنانا تو بالکل غلط ہے، کیوں کہ علم کا مقصد تو کمائی نہیں۔ ہمارے اکابرین دیوبند پچاس ساٹھ روپے کے مشاہرے پر گذر اوقات کرتے رہے، اوران حضرات کو اس زمانے میں کلکتہ اور حیدرآباد وغیرہ سے پندرہ پندرہ سو اور دو دو ہزار ماہوار کی تنخواہ کی پیشکش کی گئی، مگر انہوں نے ٹھکرادیا، علما کے لیے یہ بات بہت باریک اور قابل احتیاط ہے۔(۱)

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا احمد صاحبؒ سے حیدرآباد، دکن کے بادشاہ نظام نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر دارالعلوم دیوبند کے فضلا ہر سال سارے کے سارے حیدرآباد بھجوائے جائیں تو انہیں اعلیٰ قسم کی ملازمتیں دی جائیں گی، تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (جو اُس وقت دارالعلوم کے سرپرست تھے) نے فرمایا:

> بھئی! ہم طلبہ کو اچھی ملازمتوں کے لیے نہیں پڑھا رہے ہیں، بلکہ ہم تو اس لیے پڑھاتے ہیں کہ مساجد اور قرآن کے مکاتب آباد رہیں، اور مسلمانوں کو نمازیں اور قرآن کریم پڑھانے والے ائمہ اور استاذ ملتے رہیں۔(۲)

۱۳۴۶ھ میں جب دورہ کے اسباق شیخ کے ذمے تھے، اور خاص طور پر ابوداود کئی

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۱۳۹-۱۴۰۔

(۲) ماہنامہ اتحاد علمائے دیوبند: ص ۵۶۔

سال سے بڑی قابلیت سے پڑھا رہے تھے؛ اُن کے ایک شاگرد مولوی عادل قدوسی گنگوہیؒ کا - جو دائرۃ المعارف، حیدرآباد میں تصحیح کے کام پر ملازم تھے- ایک طویل خط آیا، اس میں لکھا تھا کہ دائرہ میں بیہقی کے اسماء الرجال پر تالیف کا فیصلہ ہوا ہے، یہاں کی مجلس کی نظر اِس کام کے لیے دو فاضلوں پر پڑی ہے: ایک مولانا انورشاہ صاحب پر، اور ایک آپ پر۔ کام چوں کہ پُر مشقت اور طویل ہے؛ اس کے لیے جفاکش وجوان عمر آدمی کی ضرورت ہے، اس لیے دائرہ کا رجحان آپ کی طرف ہے۔ تنخواہ آٹھ سو روپے ماہوار ہوگی، سرکاری موٹر بھی ملے گی اور مکان بھی دیا جائے گا، ملازمت صرف چار گھنٹے کی ہوگی؛ باقی آپ آزاد رہیں گے، کتب آصفیہ سے استفادے کی بھی آزادی رہے گی (یاد رہے کہ شیخ اُس وقت "أوجز المسالك" کی تالیف میں مشغول تھے، جس کے لیے وسیع کتب خانے کی ضرورت تھی)۔

اس پیشکش میں متعدد اقتصادی، اخلاقی وعلمی ترغیبات تھیں، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ بڑے قوی دلائل اور وجوہِ جواز تھے، لیکن شیخ نے مسئلے کو قابل غور اور لائق مشورہ بھی نہیں سمجھا اور اس کے جواب میں برجستہ ایک کارڈ لکھ دیا، جس میں صرف یہ مصرعہ تھا:

ع مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہوکر

نیچے دستخط تھے۔ (۱)

مدارسِ اسلامیہ کے فارغین کے لیے اسلاف اور بزرگانِ دین کا طرزِ عمل نمونہ ہے، تلاشِ معاش کے انہماک میں اپنی مولویت کو کھودینا اور اپنی دینی مذہبی شناخت کا جنازہ نکال دینا بہت ہی نامناسب اور نقصان دہ ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ بیتی: ۱/ ۹-۱۰۔

تنخواہ یا آسائشوں کی بنیاد پر خدمت کی جگہ تبدیل کرنا:

حضرت مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اپنی جگہ کی تبدیلی تنخواہ یا آسائشوں کی کمی کی بنیاد پر کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ میرے استاذ، محدث الامۃ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ درسِ صحیحین کے دوران یہ نصیحت بہت زور وقوت سے فرمایا کرتے تھے: "بچو! تنخواہ کی بنیاد پر کبھی جگہ نہ بدلنا!!"۔

مثلاً آپ کہیں دس ہزار تنخواہ پر کام کررہے ہیں، اور آپ کو بیس ہزار کی پیش کش آگئی، تو آپ ہرگز اُسے قبول نہ کریں، پورے انہماک اور لگن سے اپنے کام میں لگے رہیں۔

گزشتہ ہفتے حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدّظلہ العالی نے حضرت مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی دام مجدہم کے حوالے سے عجیب بات سنائی: مولانا نعمانی آر-ایس-ایس کے سینٹر میں گئے، وہاں دیکھا کہ ندوی اور قاسمی فضلا دفتر میں کام کررہے ہیں، آیات وروایات کی تلاش جاری ہے، اور اُن پر اعتراضات کیا اور کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ سب کام کررہے ہیں، موقع پاکر حضرت نعمانی صاحب نے اُن فضلا سے فرمایا: آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ تو اُن کا جواب تھا: "یہ لوگ ہمیں ڈیڑھ لاکھ اور اُس سے کچھ کم زیادہ تنخواہیں دیتے ہیں، تو ہم یہاں کام کرتے ہیں۔ آپ بھی دیجیے ہمیں تنخواہ! ہم چھوڑ دیں گے اِن کو۔[1]

---

(۱) ایک پیغام فضلا کے نام: ص ۱۸-۱۹۔

بیرون ملک کی پیش کش پر کیا کریں:

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدت فیوضہم "فضلا سے اہم خطاب" میں فرماتے ہیں:

ایک اور بات یہ ہے کہ آپ جہاں کام کر رہے ہیں، آپ کے ذریعے سے اللہ کچھ کام لے رہے ہیں، تو اس جگہ کو نہ چھوڑیے، اس لیے کہ ہوتا کیا ہے؟ کسی جگہ کوئی عالم اگر اچھا کام کر رہا ہوتا ہے تو اس کو انگلینڈ اور فریقہ سے آفر (offer) ملتی ہے، اس لیے کہ وہ لوگ تو اچھے آدمیوں کو ڈھونڈتے ہیں، اور جانکاروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کے یہاں کام کا کوئی اچھا آدمی ہے؟ اگر کسی نے بتلا دیا کہ ہاں بھائی! فلاں گاؤں میں فلاں مولانا صاحب بہت اچھا کام رہے ہیں، اور ہم نے سنا ہے کہ بڑی محنت ہو رہی ہے، اور وہاں ان سے بڑا افائدہ ہو رہا ہے، تو بس ایک جگہ کچھ کام ہو رہا تھا اس پر بھی ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، اب ان مولوی صاحب پر وہاں سے خط آئے گا کہ آپ ہمارے یہاں آجایئے، ایسے موقع پر ان مولوی صاحب کو چاہیے کہ ان کو جب پیشکش کی گئی تو اس سلسلے میں کوئی جواب دینے سے پہلے اپنے بڑے؛ جن کے ہاتھ میں اپنی لگام دے رکھی ہے، ان سے مشورہ لیتے۔

یہ بہت ضروری چیز ہے، ہمارے تمام اکابرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فراغت کے بعد کسی دینی خدمت میں لگنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرو، اور اپنی اصلاح کے بعد پھر اس کام میں لگو، اور بعد میں ہر ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیتے رہو، اس لیے ان کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کے سامنے بات پیش کریں کہ ایسی صورت حال ہے، اور میں تو کہتا ہوں کہ خود بھی ان کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ لوگ زیادہ اصرار کرتے ہیں تو ان سے ہی کہو کہ آپ مجھے بلانا چاہتے ہیں تو آپ ہی وہاں جاؤ، اور ان سے کہو میں تو نہیں آتا، اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں تیار ہوں۔ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک تو وہ ہمیں حکم دیں کہ فلاں

جگہ جاؤ، اور ایک ہم بہ اصرار پوچھیں، کبھی وہ ہماری کمزوری کو دیکھ کر اجازت دے دیتے ہیں کہ اگر اس کو "نا" کہوں گا تو یہاں سے چھوڑ دے گا، اور کسی ہوٹل پر جا کر بیٹھ جائے گا، یا کوئی دوسرا دھندا اختیار کر لے گا، اس لیے وہ ہماری کمزوری کے پیش نظر گنجائش پر عمل کرتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں کہ چلو! یہاں نہیں تو وہاں، دین کے کام پر تو لگا رہے گا۔

جتنے بھی اچھا کام کرنے والے دنیا کی نسبت پر بیرون ممالک میں گئے ہیں ان میں بڑے بڑے باصلاحیت لوگ تھے، عمدہ استعدادیں تھیں، حدیث پڑھانے والے تھے، اور اپنے اپنے فن کے بڑے اچھے ماہرین تھے، انگلینڈ یا ساؤتھ یا جہاں جہاں بھی محض اس وجہ سے گئے کہ یہاں تنخواہ کم ہے اور وہاں زیادہ تنخواہ ملے گی، آپ جا کر دیکھ لو، میں آپ کو چیلنج سے کہتا ہوں کہ وہاں جا کر کسی ایک سے بھی کوئی بڑا کام نہیں ہو سکا، حالاں کہ یہاں ان سے بہت اچھا کام ہو رہا تھا، اس کو چھوڑ کر چلے گئے تو وہاں کسی ایک سے بھی کوئی بڑی خدمت نہیں ہو سکی۔ ہاں! جو حضرات اپنے بڑوں کے حکم سے گئے ہیں، اور جن کو ان کے بڑوں نے بھیجا ہے، حالاں کہ وہ کہتے رہے کہ نہیں حضرت! میں تو یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں، مجھ سے یہاں فائدہ ہو رہا ہے، لیکن بڑوں نے کہا کہ نہیں میں تو حکم دیتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ، تو ان سے پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی کام لیا۔

مشورے کا ادب:

اور میں ہمارے احباب سے کہتا ہوں کہ مشورہ لینے کا انداز بھی صحیح ہونا چاہیے۔ ہم مولوی لوگ ہیں نا! اس لیے ظاہر ہے کہ سوال مقدر کے جوابات بھی پہلے سے تیار کر لیا کرتے ہیں، اب خود کو جانا ہے تو بات اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ حضرت بھی سن کر یوں کہہ دیں کہ ہاں ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے، وہاں جانا چاہیے، وہ جانتا ہے کہ میں یوں یوں کہوں گا تو

حضرت یہی مشورہ دیں گے، تو کان کھول کر سن لو! یہ مشورہ نہیں ہے بلکہ یہ تو دھوکہ دینا ہے اور خیانت ہے، ہمارا قلب ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے، اوراس کے نتیجے میں ہم اپنے شیخ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، اس خیانت کے نتیجے میں جو مشورہ ملا ہوگا اس میں کوئی برکت نہیں ہوگی، یادرکھنا چاہیے کہ یہ شیخ کا مشورہ نہیں ہے۔

اور یہ مشورہ بھی ہم اس لیے لیتے ہیں تا کہ دنیا کو بتاسکیں کہ میں نے تو شیخ کے ساتھ مشورہ کیا تھا، یہ مشورہ تو دنیا کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے ہے، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہاں اتنا اچھا کام ہورہا تھا اس کو چھوڑ کر انگلینڈ اور افریقہ چلا گیا، اگر کوئی ایسا کہے تو اس کو بڑی زور سے یہ کہہ سکے کہ ارے! میں نے تو حضرت سے مشورہ کیا تھا، حضرت نے مجھے اجازت دی، درحقیقت یہ مشورہ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے ہے اور کچھ نہیں۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ مال مقصود نہ ہو، بلکہ کام مقصود ہو، اور ہمارا اور آپ کا ایمان ویقین ہے کہ روزی تو اتنی ہی ملے گی جتنی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرر ہے، ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مقرر ہے اس سے ایک دانہ بڑھ نہیں سکتا، اور ایک دانہ گھٹ نہیں سکتا، ساری دنیا مل کر ایک دانے کا اضافہ نہیں کرسکتی، اور ساری دنیا مل کر ایک دانے کی کمی نہیں کرسکتی، جب ہمارا ایمان ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ ہم اس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱)

مستقبل دو ہیں:

(و) علاوہ ازیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ فکر مستقبل انسانی خاصہ ہے، لیکن مستقبل دو ہیں: ایک مستقبل قریب اور ایک مستقبل بعید، مستقبل قریب مختصر اور اختتام پذیر ہے، جب کہ مستقبل بعید کا دور ابدی اور دائمی ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوگا، اور دینی تعلیم بالقصد

---

(۱) فضلاء سے اہم خطاب: ۱۷-۲۰۔

انسانی مستقبل بعید کی تعمیر کرتی ہے، مستقبل قریب کی تعمیر ضمناً ہے، گو یا صلاح وفلاح دارین کی ضامن ہے، اور دنیوی تعلیم دنیا ہی کی خوش حالی تک محدود ہے، اور اس کا مستقبل بعید نہایت ہی تاریک اور اندوہناک ہے۔

وظیفہ اور تنخواہ میں فرق:

گریجویٹ کا زمانۂ تعلیم ملازمت تک ہے، ملازمت اس کا ثمرہ ہے، دینی طالب علم کا زمانۂ تعلیم موت تک ہے، آخری وقت تک پریکٹیکل ٹیسٹ جاری رہتے ہیں، ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾۔[1]

موت کے بعد اس کی حقیقی تنخواہ ومراعات وانعامات کا دور شروع ہوتا ہے، جس کے لیے وہ ساری زندگی علمی وعملی جدوجہد میں مصروف رہا، فرشتوں کا استقبال، جنت کا کفن، قبر کا تاحدنظر وسیع ہوکر باغیچۂ جنت بن جانا اور ارشاد "نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ"[2] (دلہن کی طرح سوجا)، پھر حشر میں حوضِ کوثر پر، پل صراط سے گذر کر، خدائی مہمان خانہ "جنت" میں پہنچ کر غیر محدود بادشاہی، لاتعداد نعمتوں سے سرفراز فرمایا جانا، "مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ"[3] (جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا ہوگا) سب مفت اور سب کچھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، یہ عالم دین کی تنخواہ ہے۔

دنیا میں طالب مولیٰ، سچے عالم کو جو کچھ مل رہا ہے، یہ تنخواہ نہیں؛ بلکہ وظیفہ ہے، جو

---

(۱) الملک: ۲۔

(۲) سنن الترمذی- ابواب الجنائز-: رقم الحدیث: ۱۰۷۱، حکم الحدیث: حسن۔

(۳) صحیح البخاری- کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ-: رقم الحدیث: ۳۲۴۴۔

زمانۂ تعلیم میں ملا کرتا ہے، اگر موازنہ کرنا ہو تو عالم کے وظیفہ اور مسٹر کی تنخواہ میں نہیں کرنا چاہیے، بلکہ دونوں کی تنخواہ میں کرنا چاہیے۔

ایک مجلس میں دو اعلیٰ ملازم بیٹھے تھے، ایک نے کہا: "میری تنخواہ یہ ہے"، دوسرے نے بھی اپنی تنخواہ بتلائی، اسی مجلس میں ایک عالم دین بھی موجود تھے، ان دونوں نے عالم دین سے پوچھا کہ آپ کی کیا تنخواہ ہے؟ اصل میں مقصود ان کی تنخواہ معلوم کرنا ہی تھا، عالم صاحب نے خوب جواب دیا کہ ہماری تنخواہ تو ابھی نہیں لگی، انہیں اس پر تعجب ہوا، مولانا صاحب نے کہا کہ واقعی میری تنخواہ ابھی شروع نہیں ہوئی، جس کو آپ تنخواہ تصور کر رہے ہیں وہ ہمارا وظیفہ ہے، جو دورانِ تعلیم ملا کرتا ہے، وظیفہ اور تنخواہ میں کیا موازنہ؟ موازنہ مقصود ہو تو تنخواہ میں کیجیے، آپ کی تنخواہ دو چار ہزار ہے، اور ہماری تنخواہ ان شاء اللہ جنت ہے۔ (۱)

فضلائے کرام میدانِ عمل میں اُترنے کے بعد اِس بات کا اہتمام کریں کہ لوگوں کے نجی کاروباری اور ذاتی قسم کے معاملات سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں، ورنہ بعض اوقات علم اور علما کی بدنامی کے ساتھ علما سے تنفر اور بداعتمادی کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے بعض فضلا معاشی ترقی کے لالچ میں بعض کمپنیوں یا تاجروں کے ہاتھوں استعمال ہو کر اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو اِن کمپنیوں میں اِنویسٹمنٹ کی ترغیب دیتے ہیں، جس پر لوگ مذہبی شخصیت پر اعتماد کی وجہ سے اپنا پیسہ ان کمپنیوں میں جھونک دیتے ہیں، کاروبار میں خسارے یا غیر شرعی طرز اَپنانے کی وجہ سے مذکورہ شخصیت سے تنفر کے ساتھ بسا اوقات قانونی گرفت کی اُفتاد بھی آن پڑتی ہے۔ بعض فضلا دوسروں کو اپنی جمع پونجی کاروبار کے لیے دے کر ہمیشہ کے لیے سرمایے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی نوعیت کے مختلف انداز اختیار کیے جا رہے

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ۲۸۶-۲۸۷۔

ہیں، مثلاً: ویزوں کی فروختگی، عازمین حج وعمرہ کو کمیشن پر پیکیج دلانا، جائیدادوں کی خرید وفروخت وغیرہ۔

یہ تمام سلسلے دینی ودنیوی نفرتوں کا ذریعہ ہیں، اگر فضلا کو کاروبار کرنا بھی ہو تو ماہرین تجارت وماہرین شریعت کی مشاورت سے شرعی تقاضوں اور اپنے منصب کو پیشِ نظر رکھ کر کاروبار کیا جائے تو مفید ہوگا، ہر وہ کام جو لالچ، سستی، شہرت اور دیگر دنیوی اعراض کی بنیاد پر کیے جائیں وہ ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں۔ (۱)

ایک غلطی فہمی کا ازالہ:

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ درسِ نظامی پڑھنے کے بعد کسی فیکٹری میں کام کرنا کوئی عار کی بات ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکریاں چرا کر اُجرت وصول فرماتے ہیں تو کیا ایک فارغ التحصیل کی شان ایسی ہے کہ اُن کے لیے مزدوری عار ہو جائے؟؟ توبہ توبہ!! اس خیال سے بھی توبہ کریں، ہاں! ذریعۂ معاش کوئی بھی ہو؛ دین کی خدمت بذریعۂ تبلیغ، درسِ قرآن وغیرہ ہر حالت میں جاری رہ سکتی ہے، ایسا علم کس کام کا جو فیکٹری میں ملازمت کو تو عار سمجھے، اور خودکشی میں عار محسوس نہ کرے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آخر ہمارے اسلاف نسّاج (کپڑا بُننے والے)، بزّاز (کپڑا بیچنے والے)، خیاط (کپڑا سینے والے)، حداد (لوہار)، نجار (بڑھئی) اور حمال (باربرداری کا کام کرنے والے) ہو گذرے ہیں، اِن طبقوں میں نامور علما اور مشائخ تھے، اس سلسلے میں حضرت

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۳۳ھ: ص ۴۷-۴۸۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی کتاب "ہر طبقے اور پیشے میں علم اور علما" اور مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہم کی کتاب "ارباب علم وکمال اور پیشۂ رزقِ حلال" نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ [۱]

لیکن جو فضلا تجارت یا کاروبار سے وابستہ ہوں وہ اُس کو صرف اپنا ذریعۂ معاش نہ سمجھیں؛ بلکہ اُس کو اپنا ذریعۂ تبلیغ اور مرکزِ دعوت تصور کریں، چناں چہ جو گاہک دکان پر آئے، یا جس شخص سے معاملہ کرنا پڑے؛ باتوں باتوں میں اُسے احکامِ شریعت کی یاددہانی کی جاتی رہے، اوراس بات کی کوشش کی جائے کہ آس پڑوس کے دکان داروں کے ساتھ کچھ دینی باتیں ہوجایا کریں، اوراس کے لیے کچھ لمحات تجویز کرلیے جائیں۔ [۲]

(۸) خلق خدا سے بے نیازی اورحب مال وجاہ سے احتراز:

جب ایک عالم یہ سوچے گا کہ میں اپنی ذاتی حیثیت سے چاہے غریب ہوں، میری آمدنی کم ہے، لیکن میرا رتبہ اس امانت کی وجہ سے بادشاہوں سے بڑا ہے، تو وہ خلقِ خدا کے آگے پیچھے نہیں پھرے گا، بلکہ خلق خدا اُس کے آگے پیچھے آئے گی، سارے انبیاء ورسل کا اعلان یہ تھا: ﴿لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ (میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا) [۳]؛ آپ بھی انہیں انبیاء کے وارث ہیں، لہٰذا آپ کے اندر بھی یہ صفت بدرجۂ اتم ہونی چاہیے۔

---

(۱) فضلائے مدارس کا معاشی مستقبل: ص ۱۳-۱۴۔

(۲) پاجا چراغِ زندگی: ص ۴۷۔

(۳) ہود: ۵۱۔

مال داروں سے اختلاط:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء میں دو چیزیں ہوں تو وہ بادشاہ ہیں: ایک استعداد اور ایک استغناء، ایک عین اور ایک غین ہے،[۱] لہٰذا امیروں کے دروازے پر بلاضرورت نہ جائیے۔

چناں چہ ڈھاکہ کے نواب صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہلوایا کہ آپ مجھ سے مال لیں، حضرت نے کہلوایا کہ نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز (دولت) ہے وہ میرے پاس بقدرِ ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس وہ چیز ہے جو آپ کے پاس بقدرِ ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے آپ کو آنا چاہیے، مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔[۲]

اے طائر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(علامہ اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ نے جو امانت آپ کو دی ہے، اس کے لیے سب سے بڑا جو خطرہ ہے وہ ہے "مَا لَمْ يُخَالِطُوا الْأُمَرَاءَ" اور امراء سے مراد حکام، اہل دولت اور اصحاب اثر ورسوخ ہیں۔

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۳۴۶

(۲) خطبات علی میاں: ۱/ ۸۴، بحوالہ: "افتتاح بخاری وختم بخاری"، حدیث پڑھنے اور فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے چند اہم نصیحتیں: ص ۹۹)

علما مخدومانہ حیثیت برقرار رکھیں:

مخالطت کے معنی یہ نہیں کہ آپ ان سے نہ ملیں، ان کی شکلوں کو دیکھ کر بھاگ جائیں، چناں چہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس (جہاں بڑے بڑے مضامین بیان ہوتے تھے، اور بڑے بڑے نکات حل کیے جاتے تھے) میں کسی نے سوال کیا کہ شریعت میں حکم دیا گیا ہے کہ بروں کی صحبت سے بچو، اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا کہ نیکوں کی صحبت میں بیٹھو، تو کہا کہ حکم تو دونوں سر آنکھوں پر؛ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ دونوں حکم جمع نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ جب کوئی بُرا آدمی آپ کی صحبت میں بیٹھے گا تو آپ بھاگ جائیں گے کہ میں تو بُروں کی صحبت میں نہیں بیٹھتا۔ مولانا نے فرمایا کہ اصل میں مخدوم کا اثر خادم پر ہوتا ہے، خادم کا اثر مخدوم پر نہیں ہوتا۔

تو اب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علما کو چاہیے کہ اہل رسوخ، اہل سلطنت اور جتنے با اثر افراد موجود ہوں؛ ان کے ساتھ نیاز مندانہ اور خادمانہ حیثیت اختیار نہ کریں، بلکہ وہ اپنی مخدومانہ حیثیت برقرار رکھیں، اس لیے کہ اگر یہ ان کے خادم ہو گئے تو ان کے اثرات ان کے اوپر نہیں پڑیں گے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّهُمْ لُصُوصُ الدِّيْنِ" اب یہ دین کا امانت دار نہیں، بلکہ دنیا کا ڈاکو ہو گیا۔ (۱)

اسلاف واکابرین کی خودداری کے نمونے:

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

عزیزانِ گرامی! اس زندگی کے بقا و تسلسل کے لیے جس طرح غذا اور

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۹۶-۹۷۔

لباس کی ضرورت ہے؛ مادّی ساز وسامان کی ضرورت ہے، اور لوگوں نے اس کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح زندگی کے فروغ اور وقار اور انسانیت کے شرف اور اعتبار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مادّہ پرست، کوتاہ بیں دنیا میں وقتاً فوقتاً پیغمبرانہ خودداری اور دنیا کے پیمانوں کے انکار اور حقارت کا بھی اظہار ہوتا رہے، اور کسی کسی گوشے سے یہ صدا بھی آتی رہے کہ ﴿اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾[1] (کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تمھیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو)، جس روز یہ صدا بلند ہو جائے گی اور ساری دنیا نیلام کی منڈی بن جائے گی، جہاں جوہر ادراک، شعلۂ ایمان اور متاعِ علم سب کسی نہ کسی دام پر ملنے لگیں گے، اور انسان جمادات اور حیوانات کی طرح ارزاں اور گراں بکنے لگیں گے، اس دن یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں رہے گی، اور انسانیت اپنی آب وتاب کھودے گی۔ اب اس کی ذمے داری کہ انسانیت کی خودداری اور پیغمبروں کی سرداری کی شان قائم رہے؛ تنہا آپ کے سَر ہے، اس کی توقع ان درس گاہوں سے نہیں کی جا سکتی جنھوں نے معدہ اور پیٹ کے نصب العین سے بلند ہونے کا دعویٰ خود بھی نہیں کیا، اس کی توقع تو آپ ہی سے ہو سکتی ہے، جن کے اسلاف میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے غیور اور خودشناس امام گذرے ہیں، جن کو

(۱) النمل: ۳۶

حکومت عباسیہ کسی قیمت پر خرید نہ سکی، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالی ہمت؛ جنہوں نے حریم خلافت کے اشارے کے باوجود نظامیہ بغداد کی صدر مدرسی جو خلافت کے بعد سب سے بڑا دینی اعزاز تھا؛ قبول نہیں کی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صاحب عزیمت؛ جنہوں نے جہانگیر کے سامنے جھکنے پر گوالیار کی اسیری کو ترجیح دی۔

آپ کے اسلاف میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جن کو بادشاہِ دہلی نے پیغام بھیجا کہ اللہ نے اتنی بڑی سلطنت مجھے عطا کی ہے، آپ اس میں سے کچھ قبول فرمالیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ تو ہفت اقلیم کو "مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" (دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے) فرماتا ہے، پھر ایک اقلیم میں سے ایک ولایت آپ کے حصے میں آئی ہے؛ وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے۔ نواب آصف جاہ نے ایک بار ۲۰ ر ہزار روپیہ نذر کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، نواب نے کہا: لے کر محتاجوں میں بانٹ دیجیے، فرمایا کہ مجھ کو اس کا سلیقہ نہیں، یہاں سے نکل کر بانٹتے چلے جایئے، گھر تک پہنچتے پہنچتے تقسیم ہو جائے گا، نہ ہو تو وہاں ہو جائے گا۔

آپ کے اسلاف میں سے حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، نواب میر خاں والی ریاست ٹونک نے ان کی خانقاہ کے سالانہ مصارف کے لیے کچھ مقرر کرنا چاہا تو ان کو لکھ دیا گیا۔ ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم
با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

آپ کے اسلاف میں مولانا عبدالرحیم رامپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے مدرس گذرے ہیں، جنھوں نے ریاست کے دس روپے ماہوار کو بریلی کالج کی ڈھائی سو روپے کی اسامی پر، اور لوجہ اللہ پڑھانے کو ایک معزز پروفیسری پر یہ کہہ کر ترجیح دی کہ اگر خدا نے قیامت کے دن پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا؟؟

آپ کے اسلاف میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے، جنھوں نے علی گڑھ کے ایک دین دار رئیس کی تنخواہ میں جو غالباً دس روپے ماہوار سے زیادہ نہ تھی؛ دو روپے ماہوار یہ کہہ کر کمی کرادی کہ میں دو روپے اپنی والدہ صاحبہ کو دیا کرتا تھا، ان کے انتقال کے بعد یہ روپیہ فاضل ہے، اور میں قیامت کے دن اس کے حساب سے بچنا چاہتا ہوں۔ (۱)

آپ کے اسلافِ قریب میں وہ ایثار پیشہ مدرّسین ہیں جنھوں نے اپنے مدارس کی چھوٹی چھوٹی تنخواہوں اور اپنے اساتذہ اور شیوخ کے قرب پر بڑی بڑی درس گاہوں کی بڑی بڑی پیش کشوں کو قربان کر دیا، اور عسرت

---

(۱) مفکر اسلامؒ نے "پاجا سراغِ زندگی" (ص ۱۰۲ یا ۱۰۳) میں اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن مفتی ابولبابہ صاحب نے "پاجا چراغِ زندگی" (ص ۱۱۶) میں قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، اور وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی تنخواہ ۱۰/روپے تھی؛ بھوپال کے نواب صاحب کی طرف سے دعوت آگئی کہ آپ یہاں آجائیں، ۳۰۰/روپے تنخواہ ہوگی۔ کہاں دس روپے اور کہاں تین سو روپے!؟ حضرت نانوتویؒ نے جواب دیا: ۱۰/روپے تنخواہ ملتی ہے، ۵/روپے والدہ کو دیا کرتا تھا اور ۵/روپے میرے خرچ کے لیے کافی ہوتے تھے، جب والدہ کا انتقال ہوگیا تو سوچتا تھا کہ اِن پانچ روپیوں کا کیا کروں گا؟ اللہ کا شکر ہے کہ دو چار طالب علم پڑھنے والے موجود ہیں، اُن پر خرچ کر دیتا ہوں، ۱۰/روپے میں میری ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں، ۳۰۰/روپے لوں گا تو باقی ۲۹۰/روپیوں کا کیا کروں گا؟؟ بڑی تنخواہ کی لالچ میں ریاست بھوپال کی نوکری نہیں کی۔

اور تنگی میں اپنی عمر بسر کردی۔ آپ کو یقیناً یہ شعر پڑھنے کا حق ہے کہ ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم
إذا جمعتنا يا جرير المجامع (۱)

زہد واستغنا کی مثال قائم کیجیے:

آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

آپ زہد واستغنا کی ایسی مثال قائم کریں کہ بڑی سے بڑی حکومت وسلطنت آپ کو خرید نہ سکے۔...... آپ اپنے کو پوری طرح آزاد رکھیے، کسی حکومت کی سرپرستی اور کسی مالی سرچشمے اور سرپرستی سے آزاد رہیے۔ اس وقت یہ عام ہَوا چلی ہوئی ہے کہ عربی پڑھنے والے خلیجی ملکوں میں جاتے ہیں، اور خاص طور پر سعودی عرب جاتے ہیں، تاکہ بڑی نوکری تلاش کرلیں۔ (۲)

علمائے سوء کی کثرت:

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنے زمانے میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ بدقسمتی سے اب ہمارے مدارس سے بھی علماءِ سوء پیدا ہونے لگے ہیں۔ (۳)

حضرت مولانا سلیم صاحب دھورات مدظلہ فرماتے ہیں:

میرے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ایک مرتبہ میں

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۱۰۱-۱۰۳۔

(۲) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۰، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۶/ ۲۱۷

(۳) مجالس مفتی اعظم: ۲۴۸۔

ایئرپورٹ پر تھا،......اچانک میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب! علماءِ سوء میں سے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، اس لیے کہ اب علماء سوء کی کثرت ہو رہی ہے۔ (۱)

حبّ مال وجاہ سے پرہیز:

معاشرے میں اپنے آپ کو منوانے، اپنا اَثر ظاہر کرنے اور علما سے متنفر طبقات کو قریب لانے کے لیے اخلاقِ عالیہ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں، اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاق سے متصف کرنا، لوگوں سے میل جول رکھنا، کڑوی کسیلی باتوں کو سن کر دَرگذر کرنا، صلہ رحمی اور معاف کردینے کی مہارت انسان کو نہایت بلند بنا دیتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتیازی وصف ''حسنِ اخلاق'' ہی تھا، آپ نے سارے جہان کو حسنِ اخلاق سے فتح فرمایا، قرآن وسنت میں آپ کے عالی اخلاق کے تذکرے اہل علم سے مخفی نہیں، آپ کے صبر وبرداشت، تحمل ووقار کی احادیث بھی آپ فضلا کے سامنے ہیں، اِن ہی اعلیٰ اوصاف کے ساتھ ہی ایک داعی اور دین کے خدمت گار کو قبولیت وعزت نصیب ہوتی ہے۔

بعض فضلائے کرام جوانی کے زعم میں اپنے رشتے داروں؛ بلکہ اہل محلہ برادری، مسجد ومدرسے کی انتظامیہ، طلبہ کے والدین اور نمازیوں تک سے بات بات پر اُلجھ کر اپنے آپ کو متنازعہ اور فریق بنا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ''متنازعہ'' بن کر رہ جاتے ہیں، لوگ ان سے استفادہ نہیں کرتے، یوں ان کی صلاحیتیں ضائع ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو قیمتی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کے تنازعات سے اپنے آپ کو بچایا جائے، اور اخلاق ومحبت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ. (۲)

---

(۱) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ص ۲۱۔

(۲) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۳ھ: ص ۴۸۔

ترمذی شریف میں روایت آپ نے پڑھی ہوگی: "مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِه" (یعنی اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کرتے، جتنا کہ حب مال اور حب جاہ دین کا کرتے ہیں)۔ (۱)

بڑائی اور نام کی خواہش اور شہرت کی طلب پوری عمر کی محنت کو برباد کردیتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے: "جو مقتدیٰ بننا چاہے وہ دنیا کی محبت دل سے نکال دے"۔ (۲)

بقول حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیۃ: آج کل مسئلہ یہ ہوگیا ہے کہ جب دوسری کوئی کتاب ہوتی ہے، تو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میرا درجہ کم ہوگیا، عجیب وغریب! ہمارے حضرت سے ایک صاحب متعلق تھے ان کے پاس پہلے بخاری شریف کی جلد اوّل تھی، مدرسے والوں نے تبدیلی کر کے جلد ثانی کردی، تو انہوں نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، کہ میری تو بڑی بے عزّتی ہوئی، مجھ سے بخاری کی جلد اوّل لے کر جلد ثانی دی گئی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس زمانے میں بخاری شریف کی جلد ثانی تصنیف کی، تو ان کا درجہ گھٹ گیا تھا یا بڑھ گیا تھا؟ یہ کیا بات ہوئی! آپ یوں سمجھ رہے ہیں کہ جلد ثانی کی وجہ سے میرا درجہ گھٹ گیا۔ یہ ہمارا مزاج بنتا جارہا ہے، یہ حبّ جاہ ہے۔

بزرگوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور کردینے کی وجہ سے حبّ جاہ کا ایک ایسا عام

---

(۱) ترمذی شریف: ابواب الزہد: ۲ / ۶۲۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۲۵۷

مزاج بنتا جا رہا ہے کہ مجھے بڑی کتاب ملے گی تو میرا مقام ہوگا۔ یہ تو حب جاہ ہے اور اس حال میں بخاری تو کیا اور بھی کوئی اونچی کتاب پڑھاؤ گے، تب بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل نہیں ہوگی۔ سب سے خطرناک بیماری یہی ہے؛ حب جاہ اور حب مال۔ (۱)

مثالی زندگی اپنایئے اور باوقار رہیے:

الغرض ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے کام زیادہ تر حسبۃً للہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، جب تک ہمارے طبقۂ علما میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادّہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت مؤثر اور قابل احترام نہیں ہوگی، دل و دماغ میں دین کا گہرا اثر و وقار نہیں ہوگا۔

علما کا وقار اس سے نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالب علم پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں، اس سے علما کا وقار نہیں قائم ہوگا، علما کا وقار قائم ہوتا ہے ذاتی نمونے سے، عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے، لیکن علما اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بڑی چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (۲)

ہم نے اپنے آپ کو بے وقار بنا دیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اہل علم کو ہر کس و ناکس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو یوں فرماتے ہیں: وقار علم کے خاطر۔

---

(۱) نصیحت گوش کن جاناں: ص ۹۱

(۲) افتتاح بخاری و ختم بخاری: ص ۱۰۰-۱۰۱

اور ہم نے اپنا وقار اس طرح کھو دیا ہے کہ کوئی آئے گا کہ فلاں مولوی صاحب کہاں ملیں گے؟ تو لوگ کہیں گے؟ فلاں دکان پر بیٹھے ہوئے مل جائیں گے۔ یہ ہم نے خود اپنی حرکتوں سے اپنے وقار کو گرا دیا ہے۔ آپ کا ایک وقار ہے۔ (۱)

(۹) اظہارِ حق اور نرمی و ملاطفت:

یاد رکھیے کہ عالم کا کام یہ ہے کہ جب حق کی ترجمانی کا سوال پیدا ہو جائے تو ہچکچائے نہیں، حق بات واضح کر دے، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ! وَيَا مِلْحَ الْبَلَدْ

مَا يَصْلُحُ الْمِلْحَ إِذَا الْمِلْحُ فَسَدْ

(الإمام سفيان الثوري)

مطلب یہ ہے کہ عالم کا کام تو یہی ہے کہ قرآن وسنت کی ترجمانی کرے، اور جب عالم اس کی ترجمانی نہ کرے تو جو اس کے وجود کا مقصد تھا وہ فوت ہو گیا، اس لیے کہ علماء کی دو قسمیں ہیں: ایک علمائے حق او دوسرے علمائے سوء۔ تاریخ میں علمائے سوء کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: ملا مبارک ناگوری جو "فیضی" اور "ابوالفیض" کا باپ ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حافظ ابن حجرؒ کا دو یا تین واسطوں سے شاگرد تھا، بڑا عالم تھا، لیکن دل میں خوفِ خدا نہیں تھا، اس نے علم کو دنیوی اغراض کے لیے استعمال کیا۔

ہاں! یہ بات ضروری ہے کہ اظہارِ حق، نرمی اور ملاطفت کے ساتھ ہو، اس لیے کہ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے، ایک ہی بات ہے، اگر سخت لفظوں میں کہہ دی تو آپ نے ہلچل پیدا

---

(۱) نصیحت گوش کن جاناں: ص ۴۰

کردی، نرمی سے کہہ دی تو دلوں میں اتر گئی۔

ایک عورت کنویں پر پانی بھر رہی تھی، کسی نے کہا: "اے میری ماں! مجھے پانی پلا دے"، عورتیں بڑی رحم دل ہوتی ہیں، اس نے اپنا گھڑا چھوڑ کر اسے پانی پلا دیا، ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور کہا کہ "اے میرے باپ کی جورو! مجھے پانی پلا دے" وہ مارنے کو دوڑی، اب وہ منطقی تھا، وہ پوچھنے لگا کہ باپ کی جورو اور اماں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ تو بھائی یہ مسئلہ منطق سے طے ہونے والا نہیں، اصل یہ ہے کہ آپ کا عنوان بہتر ہونا چاہیے، "يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا"[1]،[2] اس لیے کہ بعض اوقات ہماری درشتی اور خشونت کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے فیض حاصل نہیں کر سکتے۔کسی نے صحیح کہا ہے۔ ؎

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ میر کارواں میں نہیں، خوئے دل نوازی [3]

(علامہ اقبالؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ ایک جامعہ بننے والی ہے، اس میں ہم چاہتے ہیں کہ ایک چارٹ لگائیں کہ اس جامعہ کے فضلا اور وہاں کے اساتذہ اور وہاں کے طلبہ کے کیا اخلاق ہونے چاہیے؟ تو میں یہ آیت دوں گا کہ اس آیت کو بہت سنہرے حروف سے خوشخط

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب، رقم الحدیث: ۳۰۳۸۔
(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۹۵۔
(۳) اہل علم کی زندگی: ص ۸۸۔

لکھ کر اور اس کا ترجمہ کر کے اس جامعہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا جائے: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾﴾۔ (پھر حضرت نے "وحنانا من لدنا" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:) اور پھر اس کے بعد پڑھ لکھ کر بے درد بننا نہیں ہے، ظالم بننا نہیں، انسان کا شکاری بننا نہیں، کام چور، غلہ چور اور دولت چور بننا نہیں ہے، بلکہ پڑھ لکھ کر اور محبت بڑھنی چاہیے، پڑھ لکھ کر دل سے انسانوں کی محبت کے چشمے ابلنے لگیں، اور دل کو موم کی طرح پگھلنا چاہیے، دل کو پتھر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ موم ہونا چاہیے، فولاد نہیں ہونا چاہیے، فولاد ہونے کا موقع وہ ہے کہ جب کوئی بہت اہم مقصد ہو، ورنہ دل کو تو ریشم بننا چاہیے، دل کو تو بہتے ہوئے پانی کی طرح ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾، ہم نے اپنی طرح سے اُس کے دل میں محبت کا چشمہ بہایا، محبت کا چشمہ ابلنے لگا۔ ہر ایک پر ترس کھانا، ہر ایک کے لیے آنسو بہانا، ہر ایک کا غم اپنا غم بنا لینا، ہر ایک کے لیے تڑپنا، ہر ایک کے لیے پگھلنا، ہر ایک کے لیے جلنا اور ہر ایک کے غم میں گھلنا؛ یہ ہر پڑھے لکھے انسان کا شعار اور (moto) ہونا چاہیے، جو علما وفضلا جامعہ سے نکلنے والے اور مدارس سے فارغ ہونے والے ہیں اُن کا دل کیسے سخت ہوسکتا ہے؟؟

(پھر مکمل آیت کی تفسیر فرما کر ارشاد فرمایا:) یہ جامعہ کے فارغ کا اور اُس کے مقاصد کا بہترین سراپا ہے، بہترین حلیہ اور بہترین نقشہ ہے، بہترین تعارف اور بہترین چارٹ ہے۔[1]

---

(۱) ماہنامہ مدارس نیوز، دسمبر ۲۰۲۱ء: ص ۸-۱۰

(۱۰) خود اختلاف سے بچیے اور امت کو بچائیے:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ملت کی بیماریوں کا علاج ایک تو اتحاد بین المسلمین ہے، اور دوسرا ان کے اندر قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنا ہے۔

اور اتحاد بین المسلمین کے لیے علما اور اہل مدارس کا اتحاد ناگزیر ہے، وجہ یہ ہے کہ ملت کے مزاج ورجحان پر مدارس اور مدارس سے فارغ ہونے والے فضلا کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اکثر وبیشتر ملی اتحاد کی کوششوں کے بجائے فروعی اختلافات میں ان کی دلچسپی زیادہ ہوتی ہے، اپنے خاص مسلک سے ہٹ کر دوسرے مسلک کا وجود انہیں برداشت نہیں ہوتا ہے، یہ صورت حال انتہائی خطرناک ہے۔

چناں چہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

> مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں ہمارے سامنے بڑی عبرت ناک مثالیں ہیں، جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا، یا دشمنِ اسلام طاقتیں غالب آئیں، آپ اگر تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے جن سے اس دور میں سبق لیا جاسکتا ہے۔ ان میں ایک چیز تھی علما کا شدید اختلاف، اور دوسری چیز یہ تھی کا علما کا عوام سے رابطہ نہیں تھا، ان کی شخصیتیں اتنی مؤثر نہیں رہ گئی تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علما کا وقار قائم رکھتیں۔
>
> اپنے اس تاریخی مطالعے اور عالم اسلام سے قریبی واقفیت کی بنا پر کہتا ہوں کہ اعتقادی اور سیاسی انتشار اِس ملک کے لیے سخت خطرناک ہے، یہاں مذہبی گروہ ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں، بعض بحثیں جو

علمی انداز میں ہوسکتی تھیں اُن کوعوام میں لے آیا گیا ہے، اور ان کی بنیاد پر متحارب کھیپ اور متوازی محاذ بن گئے ہیں، یہ سخت خطرناک بات ہے۔ میں بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس سے آپ کا تعلق ہے، میرے احساسات بالکل وہی ہیں جو آپ کے ہیں، اور صرف احساسات نہیں؛ بلکہ ہمارے بزرگوں نے تو وہ جھنڈا بلند کیا جس کی وجہ سے ہم کو نئے نئے لقب ملے، اور سخت مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اگر زمین ہی پاؤں کے نیچے سے نکل گئی تو پھر یہ عمارتیں کس پر قائم ہوں گے؟؟

ہمارے بزرگوں نے ملک کو بچانے کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور ضرورت پڑی ہے تو اپنی غلطی تسلیم کرلی ہے اور دَب گئے ہیں، جھک گئے ہیں، اور نیچے اتر آئے ہیں، انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھائی! آپ ہی اوپر بیٹھیے، مگر دین باقی رہ جائے، ہمارے بزرگوں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور ان کے مکتب فکر کے لوگوں کی ہندوستان میں یہی روایت رہی ہے۔ آپ درس کے حلقوں اور علمی مجلسوں میں اختلافی مسائل پر آزادی کے ساتھ گفتگو کیجیے، ان مسائل پر کتابیں لکھیے، مگر ملک کو داؤ پر نہ لگائیے۔ جب کوئی ایسا محاذ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح کی دعوت دی جاتی ہے جس میں احساس برتری یا اظہار برتری ہوتا ہے، تو اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جاتا ہے، اور وہاں سے صدائے "ہم چوں من دیگرے نیست" بلند ہونے لگتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا سارا کام تواضع کے ساتھ تھا، اتہام نفس کے ساتھ تھا، ایمان واحتساب کے

ساتھ تھا، نہ ان کو سیادت وقیادت کا دعویٰ تھا، اور نہ یہ کہ ہماری جماعت ہی نے سب کچھ کیا، اور ہم ہی سب کچھ ہیں......۔

یہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، اور ان کا درد تھا اور ان کی بصیرت تھی؛ جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ آپ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اس نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ ملت اور دین کے لیے جس ایثار وقربانی کی ضرورت ہے وہ پیش کیجیے، اور صاف کہیے کہ اچھا بھائی! تم ہی سہی، تمہارا ہی کارنامہ سب سے بڑا ہے۔ ہم سب مل کر اس ملک کو بچائیں، موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علما اس طرح دست وگریباں ہوں؟؟ یہ بات میں اپنے عقائد کے پورے تحفظ کے ساتھ کہتا ہوں، الحمدللہ ایک شوشے سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں، نہ عبادات کے مسائل میں، نہ اپنے عقائد کے اصول میں، کسی چیز میں کسی مفاہمت کے لیے تیار نہیں، ایک تو اپنا عمل ہے، اور ایک یہ کہ اکھاڑا بنا دیا جائے، عوام کو آلۂ کار بنایا جائے، اور سارے ملک کو میدان جنگ میں بدل دیا جائے، ایک کانفرنس ہو رہی ہے یا رسول اللہ کی، اور ایک کانفرنس ہو رہی ہے محمد رسول اللہ کی، یہ جینے کی باتیں نہیں ہیں۔ (۱)

---

(۱) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۱-۱۰۳، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۱/ ۸۰-۸۲

(۱۱)اخلاص، احتساب اور تصحیح نیت کا اہتمام:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ایک چیز جس سے لوگ غافل ہیں؛ وہ تصحیح نیت ہے، اچھے کام کرتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا، ذہن اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ یہ کام ہم کیوں کر رہے ہیں، عادۃً کر رہے ہیں یا عبادۃً کر رہے ہیں، اس کو حدیث کی اصطلاح میں "ایمان واحتساب" کہتے ہیں۔

تو ایک چیز تو یہ ہے، اس سے بہت غفلت ہے، اور اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی کہ ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لیے کریں، اس پر اللہ تعالیٰ نے اس ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

ولایت کا راستہ:

یہ ایک ولایت کا راستہ ہے جس کو ہم بتا رہے ہیں، اللہ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم جو کام کریں اس پر ذہن کا استحضار رکھیں۔ اور اکثر چیزوں پر اجر وثواب کا وعدہ ہے، مسلمان بھائی سے ہنس کر بولنا، خوش ہو کر بولنا، محبت سے بات کرنا، کسی کی مدد کر دینا، راستے سے کانٹا یا کوئی ٹھوکر والی چیز کو ہٹا دینا، کسی کو راستہ بتا دینا، کسی کے یہاں عیادت کے لیے جانا؛ ان میں اجر وثواب کی امید ہو، ایمان واحتساب ہو، یعنی خدا کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی امید ہو، اگر یہ کریں گے تو پوری زندگی عادت نہیں؛ عبادت بن جائے گی۔ (۱)

آپ جہاں رہیں اور جس میدان میں کام کریں، پورے اخلاص اور اللہ کے دربار میں

---

(۱) خطبات علی میاں: ۷/ ۲۶۹-۲۷۱، بحوالہ: افتتاح بخاری وختم بخاری: ص۹۶-۹۷

جواب دہی کے تصور کے ساتھ ہو، صرف دنیا طلبی اور شہرت طلب کرنے کے لیے نہ رہے۔

مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

آپ کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا جس کا نام آپ دنیا میں روشن پاتے ہیں، اگر آپ اس کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو اس کی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کو ایک اہم عامل پائیں گے۔ آپ دیکھیں گے؛ اس کی ہر چیز کو اخلاص نے دَوام بخشا ہے۔ آپ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیجیے! جن کا درسِ نظامی آج صرف ہندو پاک ہی میں نہیں؛ بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں قائم ہے، اور باوجود کوششوں کے اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکا، محض ان کی علمیت کی بنا پر ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان کے ساتھیوں میں اور ان کے معاصرین میں بہت سے ایسے اشخاص تھے جو علم وفضل میں اور ذہانت وذکاوت میں اگر بڑھے ہوئے نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور رہے ہوں گے، لیکن کیا بات ہے کہ آج ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ تو زندۂ جاوید ہیں؛ لیکن ان کے معاصرین کا اگر تذکرہ آتا ہے تو ان کے سلسلے ہی میں آتا ہے!! اگر آپ غور کریں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ان کی پشت پر اخلاص کی وہ زبردست قوت کارفرما پائیں گے جس نے ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید بنا دیا۔[1]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

میں اپنی ۸۰ ؍سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں، اُس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیا داروں اور دین داروں کا تجربہ

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۳۷۸-۳۷۹

کر کے اور زندگی کے تمام اُتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں، وہ یہ کہ آپ جس کام (تعلیم و تعلم) میں لگے ہیں؛ اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے، تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اُس کے برابر نہیں، یہ سب سے بہتر اور افضل ہے، اور اگر خدانخواستہ اس سے مقصود رضائے الٰہی نہیں؛ دنیا کمانا پیشِ نظر ہے، جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے، میرے عزیزو! پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ **العیاذ باللہ**۔[۱]

(۱۲) حقوق واجبہ سے مکمل سبکدوشی:

یہاں پر ہم ساتھ رہے اور کافی عرصہ، کم سے کم ایک سال تک، اور آپس میں بہت سے حقوق ہوتے ہیں، کتنی حق تلفیاں ہم سے ہوئی ہیں؛ خود علم نہیں، اس قدر کثرت ہے ان حق تلفیوں کی جن کا ہمیں خود کچھ علم نہیں کہ کس قدر حق تلفیاں ہم سے ہو چکی ہیں!!

اب یہاں سے فارغ ہو کر ان شاء اللہ جائیں گے تو بہت سے تو وہ ہوں گے، ان ساتھیوں سے اور اساتذۂ کرام سے اس کے بعد ان کو ملاقاتیں نصیب نہ ہوں گی، وہ بے چارے وہاں جا کر اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں گے کہ ان کو بالکل مہلت اور فرصت نہ مل سکے گی اس بات کی کہ وہ اساتذۂ کرام یا اپنے ساتھیوں سے آ کر مل لیں - إلا قلیلًا وشاذًّا -۔ ایسا ہی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

موت کا استحضار اور اس کی تیاری:

اس لیے حضرات! حقوق میں تو کوتاہی ہوئی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اس

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص۶۶۔

کوتاہی کو باقی نہ رکھنا چاہیے۔ سال بھر ہم جو یہاں ساتھ رہے ہیں، اس زمانے میں جتنی بھی حق تلفیاں ہماری آپس میں ہوئیں ان سے بَری ہونا چاہیے اور پاک وصاف ہوجانا چاہیے، اس لیے کہ موت کا کچھ پتہ نہیں کہ کب آجائے! بندے کو موت کی تیاری ہر وقت رکھنا چاہیے۔

موت کی تیاری میں سب سے اہم بات یہی ہے کہ جیسا کہ کتاب الوصایا میں مَیں نے آپ کے سامنے ذکر بھی کیا تھا کہ حقوقِ واجبہ سے پوری طرح سبکدوشی حاصل کرنا چاہیے، ہر وقت، چاہیے وہ حقوق العباد ہی ہوں، حقوق اللہ ہوں۔ یہ تو ہے موت کی تیاری!

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی تیاری کی تشریح کو اپنے عمل سے امت کے سامنے پیش کردیا، (ابوداود شریف کی روایت پڑھی ہوگی آپ نے) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے حضرات صحابۂ کرامؓ کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ بھئی! اگر میرے اوپر کسی کا حق ہے تو وہ وصول کرلے۔ کیا چیز تھی یہ؟ کیا امتی کا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوگا؟ ہرگز نہیں!

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے حقوق ہیں پوری امت پر کہ قیامت تک وہ ان کو ادا نہیں کرسکتی، وہ کیا؛ ان کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کرسکتی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم دے رہے ہیں کہ اس طرح موت کی تیاری کرو۔ چناں چہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ناحق چھڑی ماردی تھی، آپ نے فرمایا: بدلہ لے لو، انہوں نے کہا: جی؛ میرے بدن پر اُس وقت کوئی چادر، قمیص وغیرہ نہ تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر ہٹا کر فرمایا: اب آکر بدلہ لے لو۔ (۱)

---

(۱) حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ دورۂ حدیث شریف کے سال جب آخری دن طلبہ سے معافی مانگتے ہیں تو کہتے ہیں: "بھائیو! اگر میں نے سخت الفاظ استعمال کیے ہوں، جن سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو، تو مجھے معاف کردو! میں التجا کرتا ہوں؛ مجھے معاف کردو!"، حالاں کہ پورے سال کبھی سخت لہجے میں بات نہیں کرتے، پھر بھی اِس قدر عاجزی کے ساتھ معافی مانگتے ہیں۔ یہ وہ بندہ ہے جس نے طالب علم کو کبھی شاگرد کے لفظ سے نہیں پکارا، بلکہ لفظ "بھائی" ہی سے پکارتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "شاگرد تو بڑے لوگوں کے ہوتے ہیں"۔

کیا چیز تھی؟ حضرات! یہ واقعہ ایسا ہی نہیں ہے، یہ امت کے لیے عبرت کا واقعہ ہے، خصوصاً اہل علم کے لیے، اس لیے کہ طلبہ (جن میں مَیں خود بھی داخل ہوں اور پیش پیش ہوں) اپنی موت کو بہت دور سمجھتے ہیں، اور کبھی خیال آ بھی جائے تو فوراً شیطان یہ خیال دل میں ڈال دیتا ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں، طالب علم ہیں، چلو ٹھیک ہے: آخر میں یہ سب دیکھا جائے گا، کرلو جو کچھ کرنا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طریقے سے تیاری کرنے کا حکم دیا اور تعلیم دی، اور ہم اس طریقے سے غافل ہیں۔ اس لیے حقوقِ واجبہ سے پوری طرح سبکدوشی حاصل کیجیے، بالخصوص حقوق مالیہ اور حقوق لسانیہ سے پوری طرح سبکدوشی حاصل کیجیے۔ اس وقت تو حاصل کرلینا آسان ہے، اس کے بعد یہاں سے جانے کے بعد پتہ نہیں کہ وقت ملتا ہے یا نہیں؟[۱]

اپنے آپ کا جائزہ لیجیے:

لہٰذا عزیزانِ من! اب جب کہ آپ رخصت ہو رہے ہیں، تو ذرا اِس حیثیت سے اپنا جائزہ لے ڈالیے کہ کسی ساتھی کو آپ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی ہے، آپ کے اساتذہ میں سے کوئی ناخوش تو نہیں ہے، مدرسے کے ذمے داروں اور دوسرے افراد؛ حتیٰ کہ مدرسے کے معمولی ملازم اور مطبخ کے باورچی وغیرہ کو آپ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی ہے!! اگر ایسا ہے تو ان سے اپنی صفائی کرلیجیے، ان سے معافی مانگ لیجیے۔ یہاں سے آپ اس طرح جائیں جس طرح حاجی حج سے واپس ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی طرف سے صاف دل ہوتے ہیں، اور دوسروں کا دل ان کی طرف سے صاف ہوتا ہے۔[۲]

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۲۸-۲۳۰

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۳۱۱

سب سے پہلے معذرت.......:

عزیز طلبہ! سب سے پہلے تو مجھے آپ سے معذرت کرنی بلکہ معافی مانگنی ہے کہ میں اگرچہ عمر میں آپ سے بڑا ہوں؛ لیکن مرتبے میں چھوٹا ہوں۔ آپ طالب علم ہیں، میں دنیادار آدمی ہوں، بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں، لیکن پھر بھی انسان ہوں، بشر ہوں، خطا ہوجاتی ہے۔ سب سے پہلے میں کُھلے دل سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر ۱۰/ماہ کے درمیان آپ کو ہمارے طرزِ عمل سے تکلیف پہنچی ہو، یا آپ کو کسی غلطی یا کوتاہی پر ضرورت سے زائد تنبیہ وسزا کردی گئی ہو، یا ہم سے کسی اور طرح کی زیادتی ہوگئی ہو، تو آپ خلوصِ دل سے معاف کردینا، اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائے، اور آپ کی جانب سے جو غلطیاں میرے حق میں ہوئی ہیں میں نے کھلے دل سے ان کو معاف کردیا، اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائے۔ [۱]

(۱۳) لغویات سے پرہیز اور اوقات کی پابندی:

اٹھارہویں پارے میں ﴿قد أفلح المؤمنون﴾ [۲] میں فلاح یاب ایمان والوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں ایک صفت یہ ہے: ﴿والذين هم عن اللغو معرضون﴾ [۳] اور عباد الرحمٰن کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک صفت بیان کی ہے: ﴿وإذا مروا باللغو مروا كراماً﴾ [۴]، لغو یعنی فضول کاموں، فضول

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۳۰-۳۰۴

(۲) المؤمنون: ۱

(۳) المؤمنون: ۳

(۴) الفرقان: ۷۲

باتوں، فضول سفروں، فضول ملاقاتوں؛ سب سے بچتے ہیں۔ نیز حدیث پاک میں ہے:

"من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه"۔(۱)

لایعنی: وہ کام ہے جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت میں۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: مجھے میرے شیخ حضرت تھانویؒ نے یہ نصیحت کی تھی: "دیکھنا وقت ضائع نہ کرنا"۔ فرمایا کہ میں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اس کی برکت سے اللہ نے مجھے بہت توفیق دی، بہت سی کتابیں لکھنے کی، بہت سے فتاوی لکھنے کی"۔(۲)

اے خواجہ چہ پرسی ز شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است گر قدر بدانی (۳)

اوقات کا انضباط:

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں:

آپ کے اوقات منضبط ہونے چاہیے۔ ایک تو مدرسے کی پابندی ہونی چاہیے، اس میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ آج کل حال یہ ہے کہ مدرسے کا وقت سات بجے کا ہے، تو سات بجنے کے پانچ سات منٹ کے بعد گھر سے نکلیں گے۔ مکتب پہنچ کر ابھی اندر نہیں جائیں گے، کوئی دوسرا آیا ہے، تیسرا آیا ہے، باہر کھڑے باتیں چل رہی ہیں، اس کے بعد اندر جائیں گے۔ اندر جانے کے بعد بھی سبق پڑھانے کا سلسلہ فوراً شروع

---

(۱) مشکوۃ: ۲/ ۱۳ ۴۱۳- باب حفظ اللسان والغيبة والشتم --۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۳۴۴۔

(۳) الخیر الجاری: ۶/ ۴۰۴۔

نہیں کریں گے۔ اللہ کے بندے! ویسے بھی تمہیں ان بچوں کو پڑھانے کے لیے تین گھنٹے، ڈھائی گھنٹے، دو گھنٹے ملے ہیں۔ اس سے زیادہ وقت چاہتے ہوئے بھی نہیں ملتا۔ لوگ اپنے بچوں کو اسکول بھیج رہے ہیں، اس میں بھی آپ اس طرح وقت کو ضائع کر رہے ہیں!!!

اسلاف کے یہاں وقت کی پابندی:

ہمارے اسلاف اپنے وقت کی کتنی پابندی کرتے تھے؟ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے مہتمم حضرت مولانا سعید احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مرتبہ فرمایا تھا، حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پاس کنز سے لے کر مشکوٰۃ تک کی کتابیں پڑھی تھی۔ ۱۷ر سال حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں؛ لیکن پابندی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹہ بجا اور آپ کا قدم درس گاہ میں ہوتا تھا۔ لوگ اپنی گھڑیاں آپ کی آمد پر ملایا کرتے تھے۔ پابندی کا یہ عالم تھا۔ ہمارے اکابر اتنا اہتمام کرتے تھے۔ کسی حال میں کبھی ناغہ نہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پڑھو، بخار ہے، تو بخار میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ کو کہلوایا کرتے تھے کہ آج آپ کے گھنٹے میں میں پڑھالوں گا۔ یعنی بخار میں ایک گھنٹے کے بہ جائے دو گھنٹے پڑھاتے تھے۔ ہمارے اکابر کا یہ حال تھا۔

ہمارے عقد اجارہ کا بھی تقاضہ ہے۔ ویسے بھی اگر ہم بغیر تنخواہ کے

پڑھائیں تب بھی پوری پابندی ہونی چاہیے۔بعض لوگ بغیر تنخواہ کے پڑھاتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تو للہ پڑھاتے ہیں، پیسے لے کر پڑھائیں گے تو پابندی کریں گے، للہ پڑھائیں گے تو پابندی نہیں کریں گے۔شرم نہیں آتی؟ اللہ کے واسطے پڑھاتے ہو تو تم کو اور زیادہ پابندی کرنی چاہیے!! دو پیسے کے لیے تو اتنی پابندی کرتے ہیں، اور اللہ کے لیے اتنی پابندی نہیں؟

ہمیں تو بچوں کو دیکھنا ہے۔طلبہ ہماری ذات سے وابستہ ہیں۔ہم دو منٹ تاخیر سے آئیں گے تو ہم یوں سمجھتے ہیں کہ دو منٹ دیر ہوئی، اور یہاں جماعت میں بیس بچے ہیں تو ہر ایک کے دو-دو منٹ خراب ہوئے، یعنی چالیس منٹ خراب ہوئے۔کہنے کو تو دو منٹ ہیں۔ہمارے اسلاف ان چیزوں کا خیال رکھتے تھے۔اگر آپ ان ساری چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کام کریں گے تو دیکھو! پھر اللہ تعالیٰ کیسے نوازتے ہیں۔تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنے معمولات کا اہتمام ہو، تلاوت کا بھی اہتمام ہو۔ہمارے شیخ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے اوقات ایسے منضبط تھے کہ کسی سے بات چیت کے لیے بھی الگ سے وقت نہیں تھا۔کوئی وقت مانگتا تو فرماتے: کھانا ساتھ کھانا۔پھر بھی ان کی تلاوت روزانہ آٹھ نو پارے ہوتی تھی۔ہم سے آج آدھا پارہ نہیں پڑھا جاتا۔[1]

---

(۱) نصیحت گوش کن جانا: ص ۴۱-۴۲

اس موضوع پر مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "متاع وقت اور کاروانِ علم" کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہوگا، جو آپ کا تھوڑا سا وقت لے کر بہت سا وقت دے جائے گی۔

(۱۴) تصحیح عقائد:

صحت مند وتوانا علمی عملی ماحول جس قدر ضروری ہوتا ہے، اس سے کئی گنا بڑھ کر عقائد کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ اگر علمی وعملی پختگی درجۂ رسوخ کو پہنچ چکی ہے، مگر عقائد میں ڈھیلا پن ہے، تو یہ علم وعمل نعمت نہیں؛ بلکہ ایک بہت بڑے وبال کا پیش خیمہ ہیں۔

مسلک دیوبند؛ اعتدال کا نام:

مسلک دیوبند افراط وتفریط سے ہٹ کر ایک اعتدال پسند طریق کار ہے، جس پر چل کر انسان نہ بدعات میں پڑسکتا ہے، اور نہ الحاد وزندقہ کی اتاہ گہرائیوں میں ڈوب سکتا ہے، لہٰذا عقائد مسلک دیوبند کی نشان دہی کرنے والی کتب کا مطالعہ بھی ایک طالب علم کے لیے ازبس ضروری ہے، تا کہ وہ اس فتنے کے زمانے میں نہ صرف یہ کہ اپنے ایمان کے تحفظ کا سامان کرسکے؛ بلکہ پوری امت کو بھی ان فتنوں سے بچانے کا گُر سیکھ سکے۔ (عقائد) مسلک دیوبند کی نشان دہی کرنے کے لیے اکابرین حضرات کے دستخطوں سے مزین "المهنَّد على المفنَّد" (مصنفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ) خاصے کی کتاب ہے، اس میں ان تمام عقائد کا ذکر ہے جو صحیح العقیدہ مسلمان کے عقائد ہونے چاہییے، لہٰذا تعلیم سے فراغت سے قبل (یا بعد میں) اس کا مطالعہ کرنا لازم کرلیا جائے۔[1]

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۸۔

گلابی مسلک:

۶/رجب ۱۴۲۹ھ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہم العالیۃ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ حضرت مدظلہم نے بڑی تاکید کے ساتھ فضلائے کرام کو نصیحت فرمائی:

بہت سے ادارے گلابی مسلک رکھتے ہیں، "با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام"، …… ہمارے اکابر میں تشدد تھا، جب کسی چیز کو حق سمجھ لیا تو کوئی مصلحت وقتی ایسی نہیں ہے کہ اس حق کے سلسلے میں اپنی نگاہ کو بند کرلیں، اگر بند کرلیتے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، مگر نہیں! ڈھیلے پتھر کھائے، مصیبتوں کو جھیلا، مگر اپنے مسلک کے اوپر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ آپ حضرات اگر اس طرح پہاڑ بن کر میدانِ عمل کے اندر رہیں گے، کامیاب ہوجائیں گے، ورنہ جو طوفان اور ہوائیں چل رہی ہیں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے، کوئی نہیں پوچھے گا تمہیں۔ ہمارے اکابر ان ہی چیزوں کا خیال رکھتے تھے کہ یہ دیکھتے تھے کہ طالب علم کا عقیدہ کیا ہے؟ عقیدے کے لیے کسوٹی اِس زمانے کے اندر ہمارے نزدیک سب سے بہترین کسوٹی مسلک دیوبند ہے، جو ہمارے اکابر سلفِ صالحین کا عقیدہ ہے، اس عقیدے کے اوپر قائم رہنا چاہیے۔ (۱)

---

(۱) خطبات بخاری شریف: ۲/ ۲۸۷، ۲۹۶، بحوالہ: ماہنامہ البینات، رمضان ۱۴۲۹ھ

(۱۵) سلف صالحین سے حسنِ ظن رکھیے اوران کی کاوشوں کی قدر کیجیے:

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

ایک بات اہل علم کے کام کی بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے، اس لیے حتی الامکان اُن پر اعتراض و تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیے۔[۱]

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

......ایک بات میں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ سلف صالحین اور امت کے ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے دائرے میں دینی وملی کام کیا ہے؛ بدگمان نہ ہوں، یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔ یہ بات ہمارے ان بھائیوں میں بہت زیادہ پیدا ہوتی جارہی ہے جن کا سارا انحصار مطالعے پر ہے، وہ تنقیدی کتابیں اور مضامین پڑھتے ہیں تو ان کو ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ کسی نے اسلام پر مکمل کام ہی نہیں کیا، ان کتابوں کے اثر سے وہ دینی خدمت کے ناپنے کے لیے ایک فیتہ بنالیتے ہیں جس سے وہ ہر مصلح اور مجدد کو ناپتے ہیں، جیسے فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ (نوآموز سپاہی) ناپے جاتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے کن سخت حالات میں کام کیا۔

---

(۱) تحفۃ العلماء: ۲/ ۱۲۵۔

میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام اب جو دنیا میں محفوظ ہے اور زندہ ہے اُس میں سب کا حصہ ہے، محدثین، فقہا، صلحائے امت، اولیاء اللہ رحمہم اللہ؛ سب کا اس میں حصہ ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ کیا کرتے تھے؟ نماز روزے کے مسائل بتاتے تھے، انہیں تو اسلامی خلافت وسلطنت قائم کرنی چاہیے تھی، تو صاحب! خلافت تو قائم ہو جاتی، لیکن آپ کو نماز پڑھنا کون سکھاتا؟؟ اور وہ خلافت کس کام کی جس میں نماز پڑھنا کسی نہ آتا ہو؟؟ یاد رکھیے! سب لوگ اپنے امکان واستطاعت کے مطابق دین کی خدمت اور اس کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، کوئی وعظ کہہ رہا تھا، کوئی تقریر کر رہا تھا، اور کوئی حدیث پڑھا رہا تھا، کوئی فتوے دے رہا تھا اور کوئی کتابیں لکھ رہا تھا، اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی تربیت کا کام کر رہے تھے، اور ہر ایک نے الگ محاذ سنبھال رکھا تھا۔

جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے، یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں "صوفیائے کرام" کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمت انجام دی؟ انہوں نے اسلامی معاشرے کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے۔ انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا اگر وہ نہ کرتے تو مادیت کا یہ سیلاب لوگوں کو بہا کر لے جاتا، اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، ان ہی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے، اور ہوس رانی، نفس پرستی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا، اور جو کوئی اس کا شکار ہو جاتا تھا

تو فوراً اس میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم غلط کام کر رہے ہیں، ان کے پاس آتا تھا، روتا تھا، استغفار کرتا تھا، پھر یہ صوفیا و مشائخ کام کے آدمی بناتے تھے اور اپنی جگہ پرفٹ کرتے تھے۔ (۱)

خبردار! ایسی غلطی کا کبھی شکار نہ ہویئے گا!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانش گاہ سے ان شاء اللہ داعی اور مصلح، انشا پرداز اور مصنف اور قائد و رہنما بن کر نکلو گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایک نصیحت کرتا چلوں جو طویل مطالعے کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے۔ خبردار! تمہاری تحریریں اور اسلام اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز ہرگز قاری کو یہ تأثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول وطویل مدت میں مستقل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے جو کہ ہر زمانے اور ماحول کا دین ہے، اور اسی طرح قرآن کی بنیادی اصطلاحات اور تعبیروں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے، کیوں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غفلت اور جہالت کی نذر رہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جا سکا، اور نزول کے تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سے استفادے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ تصویر قرآن کی آیت مبارکہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (۲) (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت یعنی قرآن اور ہم

---

(۱) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۸-۱۱۰، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۳/ ۱۴۳-۱۴۵۔

(۲) الحجر: ۱۰۔

ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، کیوں کہ فضل واحسان کے موقع پر حفاظت کے وعدے میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل، اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر منزلت ہوسکتی ہے جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ سمجھی جائے نہ اس پر عمل کیا جائے۔ (۱)

(۱۶) اکابر کے مسلک کو مضبوطی سے تھامے رہنا:

آپ حضرات فارغ ہورہے ہیں، حق تعالیٰ نے ہمیں اپنی رحمت وعنایت اور شفقت سے اہل حق کا مسلک عطا فرمایا ہے، ہمارے اکابرین کا مسلک بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح ہے۔

حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تیسری بات جو بہت تجربے کی ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھی ہیں، اسلام کے مذاہب اربعہ اور اس سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے ان تمام کے مطالعہ کے نچوڑ میں ایک گُر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہل سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا، اس کا بڑا فائدہ ہوگا، اللہ کی خاص عنایت ہوگی، اس کی نصرت وبرکت ہوگی، اور حسن خاتمہ ہوگا۔ (۲)

فقہائے کرام نے محقق ابن ہمام اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا، تو بعد کے علما کا معاملہ اُن کے مقابلے میں بہت اہون (آسان)

---

(۱) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۱۰-۱۱۱، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۷/ ۱۶۴

(۲) نوجوان علماء کے نام ایک عظیم داعی کا پیغام: ص ۱۳-۱۴۔

ہے، چناں چہ اگر کبھی مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن کسی ایسی رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف نقطۂ نظر سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یا تو فقہائے متقدمین میں سے کسی کا قول اُس کے موافق مل جائے؛ یا معاصر علما اِس رائے پر مطمئن ہوجائیں، اور جب تک یہ نہ ہوتا اُس وقت تک آپ عموماً اُس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے۔ (۱)

عظیم محقق، شیخ الحدیث، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "دارالعلوم کراچی" کی مسجد میں اپنی تقریر میں فرمایا:

> میں نے تقریباً ۵۰ رسال تک مختلف فکری واعتقادی اور فقہی واجتہادی مسائل پر تحقیق کی، اور تحقیق کے دوران بعض علمی وفقہی ایسے مسائل میرے سامنے آئے جن کے بارے میں دائمی تحقیق ومطالعے کی بنا پر میری ذہنی رائے اکابرین اہل سنت کی تحقیقی رائے سے مختلف رہی، لیکن میں نے تقریری وتحریری طور پر کبھی بھی پبلک کے سامنے اپنی ان ذہنی آراء کا اظہار نہیں کیا، اس لیے کہ خود کو اکابر واسلاف کی علمی وتحقیقی سطح کے برابر لانے کا تصور بھی دل میں پیدا نہیں ہوا، ہمیشہ یہی سوچا کہ میری اس ذہنی رائے کے پیچھے تحقیق میں کوئی نہ کوئی کمی موجود ہے، اسی سوچ وفکر کے تحت ہمیشہ اپنے اکابر واسلاف کی تحقیقی آراء ہی کو اصح سمجھا، ان ہی کو دل وجان سے قابل قبول جانا اور ان ہی کی اتباع وپیروی کو اپنے لیے باعث ہدایت ونجات سمجھا، بلکہ اُن میں سے بعض مسائل ایسے بھی تھے کہ جن کے بارے میں طویل مدت کے بعد تحقیقی طور پر بھی سمجھنے پر منکشف ہوگیا کہ اس مسئلے میں بھی اکابر کی تحقیق ورائے ہی مدلل ومحقق تھی،

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۶-۵۷۔

میں نے جن دلائل پر اپنی رائے قائم کی تھی وہ تو رَیت کا گھروندا تھے، اس لیے میں اپنے عزیز علمائے کرام اور طلبہ سے درخواست کرتا ہوں، ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اکابر واسلاف کی اجماعی واتفاقی تحقیقات وتعلیمات سے کبھی انکار وانحراف نہ کرنا، اور نہ ہی کبھی جمہور اہل سنت کا دامن چھوڑنا!! کیوں کہ ہمارے علم وفن اور دیانت وامانت کی انتہا بھی ان کے علم وحکمت کی ابجد کو نہیں چھوسکتی، ان ہی پر اعتماد میں ہماری نجات ہے اور ان ہی میں ہمارے لیے خیر وبرکت ہے۔ (۱)

خودرائی خطرناک بیماری ہے:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عالم کے لیے خودرائی بہت بڑی دائے عضال ہے، یہ دماغ میں آگیا کہ سمجھا کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں، میرے اساتذہ غلط سمجھ رہے ہیں، اور میرے بڑے نہیں سمجھتے، وہ دین کو نہیں سمجھے، وہ دین کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، اُن کو دین کا درد نہیں ہے، مجھے درد ہے، اُن کو دین کی فکر نہیں ہے، ان کو دین کی فہم نہیں ہے، جس دن یہ بات پیدا ہوگئی اُس دن ہلاکت کے راستے میں داخل ہوگئے۔ اور حضرت فرمایا کرتے تھے: کبھی ”مستقل بالذات“ نہ بنو! جو ”مستقل بالذات“ ہوتا ہے وہ ”مستقل بدذات“ ہوجاتا ہے۔

---

(۱) ماہنامہ الشریعۃ، جلد ۲۰، شمارہ ۷۔

تو اِس واسطے میں جو بات کہنا چاہ رہا ہوں؛ ہر دو میں برحق ہے، لیکن اِس فتنوں کے دور میں جس کے بارے میں مَیں نے یہ عرض کیا کہ یہ پتا لگانا دُشوار ہے کہ کون سی حرکت کی ڈور کہاں سے ہل رہی ہے؛ اور کس ڈور کا سِرا کس کے ہاتھ میں ہے؟ بظاہر اچھا نظر آتا ہے؛ لیکن حقیقت میں اُس کے پیچھے کچھ اور چیز ہوتی ہے، بسا اوقات بڑے اخلاص کے ساتھ، بڑی للّٰہیت کے ساتھ آدمی کام کر رہا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں دوسرے لوگ اُسے استعمال کر رہے ہوتے ہیں، اور اُس کا نتیجہ بالآخر خراب نکلتا ہے۔

لٰہذا یہ میری دردمندانہ گزارش ہے کہ آپ نوجوان ہو، اور نوجوانوں کی طبیعت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطری طور پر ایک جوش وخروش رکھا ہے، جذباتیت رکھی ہے، جو نعرہ لگا دیا جائے؛ یہ جوان اُس کی طرف لپکنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُس کے نتیجے میں بعض اوقات عواقب ونتائج سے غافل ہو کر غلط راستے کی طرف چل پڑتا ہے۔

خوب سمجھو کہ ہر چیز ہر معاملے میں اپنی زندگی کا کوئی رخ اختیار کرنے میں کسی بھی تحریک کا حصہ بننے سے پہلے اپنے اکابر واساتذہ سے مشورہ کرو، رہنمائی طلب کرو، اور اگر بالفرض تمہاری سمجھ میں اُن کی بات نہیں آ رہی ہے تو فی الحال بغیر سمجھے مان لو! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کو اور ترقی دے، ایک وقت ایسا آئے گا کہ تحقیق کی بھی نوبت آجائے گی، لیکن اِس وقت تقلید محض کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جوں جوں تم علم کے درجات طے کرو گے؛ تحقیق کے مقام تک پہنچ جاؤ گے،

ابھی نہیں، ابھی اگر اپنے آپ کو محقق سمجھنا شروع کر دیا، اپنے اکابر سے ہٹ کر عمل کرنا شروع کر دیا، تو اللہ بچائے! بہت خطرات ہیں، اس لیے اِس وقت اپنے آپ کو تقلیداً اپنے اکابر کے سائے میں کرو! یہ بڑی اہم نصیحت ہے، جو میں آپ سے چلتے چلتے کرنا چاہ رہا تھا۔ (۱)

حضرت دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

میں اپنے طالب علم ساتھیوں کو آج کل ایک بات پر زور دینے کا ایک جذبہ اپنے اندر محسوس کرتا ہوں، اور اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا اور پہنچانا چاہتا ہوں، خاص طور سے اپنی طالب علم برادری میں، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایسے اکابر سے وابستہ فرمایا ہے جن کو ہم صحیح معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ ان شاء اللہ "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" (۲) کا وہ اس دور میں نمونہ تھے، اور اس کی وجہ سے دین کی جو فہم اور دین کے اوپر عمل کرنے کا طریقہ جو ان حضراتِ اکابر نے پیش کیا، وہ درحقیقت ہمارے لیے ایک بہت بڑا سرمایہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں ان سے وابستہ فرما دیا، ہم ان کے نام لیوا ہیں۔

اکابر کے مزاج ومذاق کو اپنے اندر جذب کیجیے:

لیکن ایک بہت بڑی کمی اور کمزوری اپنے حلقوں میں مجھے یہ نظر آ رہی ہے کہ ان

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۱۴۷-۱۴۹۔

(۲) سنن الترمذی، ابواب الایمان، رقم الحدیث: ۲۶۴۱، الحدیث حسن۔

اکابر کے حالات سے، ان کے مزاج سے، ان کی سیرتوں سے واقفیت بہت ہی کم ہوتی جارہی ہے، ہم اپنے درس نظامی کو پڑھتے ہیں، اس کو یاد کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، سب ہی کچھ کرتے ہیں، لیکن اس درس نظامی کا محض علم حاصل کرلینا کافی نہیں، بلکہ وہ خاص مزاج اور مذاق جو ہمارے اکابر علمائے دیوبند اور علمائے سہارنپور کا تھا اس کو اپنے اندر جذب کرنے کی ضرورت ہے۔[1] نتیجہ یہ ہے کہ مسلک علمائے دیوبند کی جو تصویر ہمارے عمل سے سامنے آتی ہے، وہ درحقیقت پوری صحیح تصویر نہیں ہے۔ ان حضرات کی سیرتوں میں، ان کے ملفوظات میں، ان کی تعلیمات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی تاثیر اور بڑا نور رکھا ہے، لیکن میں اپنی طالب علم برادری میں جب جاتا ہوں اور کبھی طلبہ سے اور اساتذہ سے بات کرنے کی نوبت آتی ہے تو بہت سوں کو مثلاً حضرت مولانا نانوتویؒ کے حالات سے واقفیت نہیں، حضرت گنگوہیؒ کے حالات سے واقفیت نہیں۔ کسی جگہ میں نے پوچھا کہ بھائی! جانتے ہو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کون تھے؟ تو ایک صاحب نے جواب دیا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، اب اتنا بھی پتہ نہیں۔ بزرگان دیوبند کے حالات، مقالات اور ملفوظات سے دامن جوڑے رکھو۔

اکابر کی تعلیمات میں بڑی تاثیر اور نور ہے:

ان حضرات کی زندگیوں، ان کی سیرتوں اور ان کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم کچھ اور سمجھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور وہ جو خاص ذوق اور مزاج حاصل ہونا چاہیے تھا اس کو حاصل کرنے میں کمی ہورہی ہے، تو یہ جذبہ کچھ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اپنے ساتھیوں سے

---

(۱) حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ذوق وہ چیز ہے کہ اصل علم ذوق ہی کا نام ہے، جنہیں اللہ نے ذوق دیا ہے وہ سمجھتے ہیں، اور بزرگانِ دین کے پاس رہنے سے ذوق نصیب ہوجاتا ہے۔ (پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۷)

اس بات پر زور دوں کہ بھائی! جو کچھ پڑھتے ہو وہ تو پڑھو، اللہ تعالیٰ اس کے اندر قوت کے ساتھ استعداد فرمائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کے حالات، مقالات اور ملفوظات سے بھی دامن جوڑے رکھو۔ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مدنیؒ: ان حضرات کے حالات وملفوظات کو اپنا وظیفۂ حیات بنائیں، ان کے مواعظ کو، ان کے ملفوظات کو، ان کی سیرتوں کو پڑھیں۔

اکابر کی سوانح کا مطالعہ:

میں آپ سے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان حضرات کی صرف سوانح کو پڑھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت عظیم فائدہ ہوگا۔ اس کو اپنا وظیفۂ حیات بنائیں اور معمولات میں داخل فرمائیں۔ ان کتابوں میں سے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی آپ بیتی ہے، ایک بہت بڑا ذخیرہ اس کے اندر جمع فرمادیا ہے، کہنے کو تو آپ بیتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ بزرگوں کا تذکرہ ہے۔

بس؛ اپنے بھائیوں سے اور اپنے ساتھیوں سے یہ مختصر التماس کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات ان بزرگوں سے وابستگی کو اپنے لیے بہت بڑی نعمت سمجھیں، اور اس کی قدر اس طرح کریں کہ ان کی سیرتوں اور ان کے ملفوظات اور مقالات سے اپنے آپ کو ہمیشہ وابستہ رکھیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے نور عطا فرمائیں گے، اور زمانے کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ (۱)

---

(۱) علماء اور طلباء کو ایک مختصر مگر اہم پیغام: ص ۲-۴۔

ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت:

نیز ”نقوش رفتگاں“ میں تحریر فرماتے ہیں:

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستقل کتابیں تالیف کم کی ہیں، لیکن بزرگانِ سلف کی کتابوں کی تحقیق اور تعلیق پر زیادہ کام کیا ہے۔ ایک دن اس کی وجہ بیان کی کہ ہم لوگوں کی مستقل حیثیت نہیں، ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ سلف کے کسی بھی بزرگ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں، لہٰذا کسی بڑے کی کتاب کی خدمت میں عافیت ہے، اور برکت بھی۔ (۱)

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ:

حضرت مولانا سلیم صاحب دھورات مدظلہ فرماتے ہیں:

اپنے اکابر اور اسلاف کے منہج کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر رکھیں، وہ حضرات علم وعمل کے جامع تھے، اور ان کا طریق اقرب الی السنۃ اور اقرب الی الصواب ہے۔ ہم ہمارے ان اکابر کے مرہونِ منت ہیں، ہم جو کچھ ہیں ان ہی کی وجہ سے ہیں، ہماری آج جو عزت ہے انہی کی وجہ سے ہے، ہم تک ظاہری علوم انہی کے واسطے سے پہنچے ہیں، جس کی وجہ سے ہم علما کہلاتے ہیں، اور ہم تک باطنی علوم بھی ان ہی کے واسطے سے پہنچے ہیں، جس کی وجہ سے آج ہمارے اندر اخلاق کی کچھ رمق باقی ہے، ان بزرگوں سے ہم کسی طرح بے نیاز نہیں ہو سکتے، ان کے ہمارے اوپر بہت احسانات ہیں، اس لیے اپنے آپ کو ان حضرات کے طریق پر اور ان حضرات کی فکر و نظر سے کامل درجے وابستہ رکھیں، اس لیے ضروری ہے

---

(۱) نقوش رفتگاں: ص ۳۹۳۔

کہ ان کی سوانح کا مطالعہ کرکے ان کے حالات سے باخبر رہیں، اسی طرح ان کے مواعظ و ملفوظات اور ان کی کتب کا بہت اہتمام سے مطالعہ کریں، موجودہ بزرگوں کی قدر کریں، اور ان سے استفادہ کریں۔

میرے بھائیو! یہ دور بڑا پرفتن ہے، چاروں طرف فتنے ہی فتنے ہیں، بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم ان اکابر کے طریق پر مضبوطی کے ساتھ رہیں جو کامیابی کے ساتھ منزل تک پہنچ چکے ہیں۔ میرے بھائیو! آپ پوری دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ لیجیے! حق تعالیٰ شانہ اس وقت بھی دین کی خدمت (یعنی وہ دین کی خدمت جسے دین کی خدمت کہا جاسکے) اسی سے لے رہا ہے جو بزرگوں کی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ دین کی حفاظت کے لیے کسی بھی دنیوی سبب کے محتاج نہیں ہیں، نہ وہ کسی عہدے کے محتاج ہیں، نہ کسی ڈگری کے، ان کے یہاں قدر تقویٰ اور خلوص کی ہے۔ (۱)

دین کی خدمت کا واحد طریقہ:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

جو بات بھی اسلاف کے طریقے کے خلاف نظر آئے چاہے وہ کتنے ہی خلوص سے کی جارہی ہو؛ سمجھ لیجیے کہ وہ ہمارے اکابر کا راستہ نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے بزرگوں کے تمام کام سنت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، جو کام بھی اس کے خلاف ہوگا وہ سنت کے خلاف ہوگا۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ یاد رکھیے! ہم اپنے بزرگوں کے طریقے سے جتنا ہٹیں

---

(۱) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ص ۴۲-۴۳۔

گے اتنا ہی راہ اعتدال اور راہ سنت سے ہٹیں گے، اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے کہ جو بھی کام کریں بزرگوں کے طریقے کے مطابق کریں۔ (۱)

ایک محفل تھی فرشتوں کی؛ جو برخواست ہوئی:

جن لوگوں کو ان نفوس قدسیہ کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان سے پوچھیے! شاہ عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قافلہ جا رہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب کبھی اپنی مصروف زندگی سے چند لمحات فراغت کے میسر آتے تو آپ اکابر دیوبند کا تذکرہ شروع فرما دیتے اور دیر تک ان کے واقعات سناتے رہتے، اور اخیر میں بڑی حسرت سے یہ مصرع پڑھتے: ع

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخواست ہوئی۔

میرے عزیز! ہمارے اکابر انسانوں میں فرشتے تھے، اور خاک میں چمکنے والے ہیرے تھے۔

بھیڑ میں دنیا کی جانے وہ کہاں گم ہوگئے
کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں میں
شاذ ہی دیکھو گے ان جیسے فقیروں کی طرح
خاک میں بھی جو چمکتے ہیں ہیروں کی طرح (۲)

---

(۱) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ص ۴۴

(۲) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ص ۴۶-۴۷۔

ننگ اسلاف نہ بنیں!:

مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم نے فضلائے کرام کو الوداعی نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نے لاہور میں علما کا ایک کنونشن رکھا، جس میں مہمانِ خصوصی قائد جمعیت، حضرت مولانا مفتی محمود قدس اللہ سرہ العزیز تھے، مفتی صاحب نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، جن میں ایک یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ آج ہم اپنا تعارف اپنے بزرگوں کا نام لے کر کرواتے ہیں، اور اُن کے نام سے عزت بھی حاصل کرتے ہیں، لوگوں نے اُن بزرگوں کو نہیں دیکھا ہوا، بلکہ لوگ ہمیں دیکھ کر اُن کے بارے میں تأثر قائم کرتے ہیں کہ جیسے یہ ہیں ایسے ہی وہ بھی ہوں گے، ہم اُن بزرگوں کے حوالے سے اپنا تعارف کراتے ہیں، لیکن ہمارے حوالے سے اُن کا تعارف ہوجاتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر ہم اپنے اِن بزرگوں کی عزت میں اضافے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تو کم از کم اُن کی عزت میں کمی کا ذریعہ تو نہ بنیں، ہم جن بزرگوں کا نام لیتے ہیں، جن کے نام سے تعارف اور عزت حاصل کرتے ہیں، تو اُس کا معیار مکمل نہیں؛ تو کم سے کم عملاً کسی حد تک تو نظر آنا چاہیے کہ ہم اِس قافلے کے لوگ ہیں۔ (۱)

فائدہ: مسلک دیوبند کی نشاندہی کے لیے حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج“ اور شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ”اکابر دیوبند کیا تھے“ بڑی عمدہ اور مفید کتابیں ہیں، لہٰذا ان کا مطالعہ لازماً کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس وقت علمی و عملی فتنوں کی بہتات ہے، جدید

---

(۱) ماہنامہ نصرۃ العلوم، مارچ ۲۰۲۳ء: ص ۳-۴۔

فاضل کے سامنے آئے دن نئے نئے افکار وخیالات آئیں گے، ان فتنوں سے بچاؤ کا واحد راستہ جمہور سلف کے فہم دین پر اعتماد ہے۔ عصر حاضر کے متجد دین ایسے فضلاء کی تاک میں رہتے ہیں، جو تحقیق کے نام پر خود رائی کا شکار ہوسکیں اور سلف پر عدم اعتماد کی برملا جرأت کرسکیں۔ اللہم احفظنا من ذلک.

حضرت تھانوی کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ:

حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس کے علاوہ سب سے مؤثر چیز یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات پڑھیں، اور اگر اللہ تعالیٰ نصیب کریں تو کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں۔ میں تو بے تکلف کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں سب سے بہتر اور مفید حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابیں ہیں، ان کے ملفوظات ومواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں۔ میں نے الحمد للہ ساری ندویت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے، اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں۔ (۱)

اصلاح ظاہر وباطن کا بہترین ذریعہ:

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب -متعنا اللہ بطول حیاتہ- کا سالہا سال سے مستقل معمول ہے کہ آپ ہر سال اختتام بخاری شریف کے موقع پر دورۂ حدیث میں شامل "جوانان سعادتمند" کو اپنی قیمتی نصائح سے نوازتے ہیں، آپ کی ان نصائح میں سے اہم اور مؤثر ترین نصیحت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ وملفوظات کے

(۱) نوجوان علماء کے نام ایک عظیم داعی کا پیغام، ص:۹-۱۰۔

مطالعے سے متعلق ہوتی ہے۔ یہ نصیحت حضرت کس قدر دردمندی و دلسوزی سے فرماتے ہیں؛اس کا اندازہ حضرت کے الفاظ سے کیجیے:

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ملک ملک پھرا ہوں، ہر ملک اور ہر طبقے کی اردو، عربی، فارسی اور انگلش کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں، اصلاح نفس اور اصلاح ظاہر و باطن سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ سے بڑھ کر میں نے کوئی کتاب نہیں دیکھی، اپنی حد سے زیادہ مصروفیات کے باوجود میں ہر روز سونے سے پہلے ان کا تقریباً پانچ منٹ ضرور مطالعہ کرتا ہوں۔ بعض اوقات دل ان میں ایسا لگتا ہے کہ یہ مختصر سا دورانیہ آدھے گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے، حضرت کا کوئی نہ کوئی وعظ ہمیشہ میرے سرہانے رکھا رہتا ہے، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں ان کی افادیت تمہارے دل و دماغ میں کیسے اتاروں؟

بس! میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر طالب علم حضرت کے مواعظ (خطبات) کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کرلے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں آپ کا دل ان میں نہ لگے، لیکن آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ان شاء اللہ دل ان میں کھنچتا چلا جائے گا اور ایک ہی مجلس میں آپ انہیں ختم کرنا چاہیں گے۔ (۱)

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

اور دوسری نصیحت یہ کرنی ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور ملفوظات کو تا حیات پڑھنے کا معمول بنالیں، چاہے یہ بات آپ کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے؛ بس یہی سمجھ کر عمل کرلیں کہ ایک بچھڑے ہوئے ساتھی نے یہ مشورہ دیا تھا۔ الحمد للہ میرا ابھی یہی معمول رہا ہے، قیلولے سے پہلے روزانہ چند صفحات حضرت کے ملفوظات کے پڑھ لیتا

---

(۱) لطائف اشرفیہ:۱۸۱-۱۸۲

ہوں، یہ فکر نہ کریں کہ یاد نہ رہیں گے، بس پڑھیں، دل میں اتار لیں، اور ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ شروع میں ہوسکتا ہے کہ آپ کو حضرت کے مواعظ اور ملفوظات پڑھنے میں الجھن محسوس ہو، کیوں کہ حضرت کی زبان علمی ہے، لیکن رفتہ رفتہ ان شاء اللہ آپ مانوس ہوجائیں گے۔

سب سے زیادہ تفقہ کا حصول ملفوظاتِ تھانوی سے:

خوب سمجھ لیں کہ دو چیزیں ہیں: ایک ہے علم اور ایک ہے تفقہ، اور میں بغیر تصنع کے کہتا ہوں کہ جتنا تفقہ حضرت کے مواعظ و ملفوظات سے حاصل ہوتا ہے، کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا، میری اس نصیحت پر عمل کرلیں۔ بس یہی سمجھ لینا کہ کسی کہنے والے نے یہ بات کہی تھی، میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ کبھی کوئی اشکال یا سوال پیدا ہوتا ہے تو حضرت کے مواعظ اور ملفوظات میں اس کا جواب مل جاتا ہے"۔ (۱)

حضرت والا کی نصیحت سے متأثر ہوکر مولانا محمد بن مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی زید مجدہٗ نے ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے، جس کا نام ہے "خطبات و ملفوظات اشرفیہ اکابر کی نظر میں"، جی تو چاہ رہا تھا کہ اس کے کچھ مفید اور انتہائی اہم اقتباسات نقل کرتا، لیکن طوالت کے خوف سے ترک کرتا ہوں، جس کا جی چاہے اس مجموعہ کا مطالعہ کرے۔ یہ مجموعہ "لطائف اشرفیہ" مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان میں شامل ہے۔

---

(۱) البلاغ - کراچی جولائی ۲۰۱۵ء۔

(۱۷) اپنی اصلاح کی فکر اور اہل اللہ سے تعلق:

ایک بنیادی فکری شعور ہم نے طلبۂ عزیز کو یہ دینا ہے کہ صرف پڑھ لینے سے دین زندگیوں میں نہیں آتا، بلکہ اس کے لیے بعد از فراغت مستقل محنت کی ضرورت ہے۔ وقت دے کر اپنے دل و دماغ، قلب و قالب، ظاہر و باطن کو احکامِ شرعیہ کے نورِ طاعت کے ساتھ آباد اور منور کرنا ہے۔ اخلاص کا لفظ پڑھا ہے؛ لیکن اخلاص کی حقیقت حاصل نہیں، توحید کی احادیث پڑھتے رہتے ہیں؛ لیکن دل پورا صنم کدہ بن رہا ہے، نماز کی اُٹھک بیٹھک ہے؛ لیکن اس کی حقیقت کا دور دور تک کوئی نشان نہیں، تلاوت ہے؛ لیکن حلقوم سے نیچے نہیں۔

﴿زادتهم إيمانًا. تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم، ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله. إذا تتلى عليهم آيات الرحمن خرُّوا سجدًا وبكيًّا. تتجافى جنوبهم عن المضاجع (الآية). كانوا قليلًا من الليل ما يهجعون. وبالأسحار هم يستغفرون.﴾ اس راہ کی ہوا بھی نہیں لگی، ان حالات واوصاف کا ہماری تلاوت میں دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ آیات آخر کن کے لیے نازل ہوئیں؟ ان پر کون عمل کرے گا؟[۱]

سوز سے خالی دل اور نمی سے محروم چشم کے ساتھ جو دینی خدمت کی جاتی ہے وہ عموماً بانجھ ہوتی ہے، دیر پا، دوررَس اور مقبول محنتوں کی بنیادمیں جب تک اخلاص، دردِ دل، سوزِ جگر، آہِ سحر گاہی اور جذبۂ دروں کی خاصی مقدار نہ ڈالی جائے؛ تو کوئی مستحکم اور پایۂ دار تعمیر وجود میں نہیں آسکتی۔ آپ بھی اپنی بسم اللہ سے اسی سے کیجیے! الحمد للہ؛ پورے ملک کے طول

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۷۔

وعرض میں ایسے مشائخ کی بڑی تعداد موجود ہے جن سے دوائے دل ملتی ہے۔[۱]

الغرض ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کو اتنا ہی ضروری سمجھیں جتنا موقوف علیہ پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث شریف پڑھنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیوں کہ دورہ نہ پڑھنے پر عذاب نہیں، اور اپنی ضروری اصلاح نہ کرنے پر قبر بھی جہنم کا گڑھا بنے گی اور آگے دوزخ تو ہے ہی۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

دل میں کبر ہے، کینہ ہے، حسد ہے، بخل ہے، نفاق ہے، شہرت پسندی ہے، یہ دل کے سب روگ ہیں، ان کی یہاں اصلاح نہ ہوئی تو قبر، حشر، جہنم میں ان کا علاج ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ ہمیں خوب ذہن نشین کرانا ہے کہ اپنی روحانی و باطنی اصلاح کرائے بغیر ہم اور ہمارا علم ناقص رہے گا، اور ہرگز نافع و مثمر نہ ہوگا، بلکہ نجات بھی مشکل ہے۔ واضح رہے کہ معاشرے میں کمال ہی کی قدر ہے، اس لیے کمالِ علمی بھی ضروری ہے اور کمالِ عملی و اخلاقی بھی۔ ناقص العلم کو کسی علمی منصب کا اہل تصور نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح اگر کسی کی استعداد درسیات میں تو کامل ہے؛ لیکن اخلاقی کمزوریاں اس میں پائی جاتی ہیں، یا کاذب، خائن، راشی وغیرہ ہے، تو خالق و مخلوق؛ کسی کے نزدیک بھی اس کی کوئی قدر نہیں، ایسا شخص بھی کسی دینی منصب کا اہل نہیں۔[۲]

حضرت عارفی کی ایک دل چسپ مثال:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! چاول جب

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۴۳۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۷-۲۸۸۔

پکتے ہیں تو چاول میں پانی ڈال کر اُسے آگ پر رکھتے ہیں، جب تک چاول کچے ہوتے ہیں خوب اُس سے کھر کھر کی آوازیں آتی ہیں، چاول پانی کے اندر اُبلتے رہتے ہیں اور آواز بھی خوب آتی ہے، جب تک وہ آواز آرہی ہو تو سمجھ لو کہ اُس وقت تک وہ چاول کچا ہے، ایک وقت آتا ہے کہ اُس کو بند کر کے اُس کا دَم نکال دیا جاتا ہے، جب دم نکل جاتا ہے تو نہ کَھر کَھر نہ پَھر پَھر، وہ خاموش، بالکل خاموش، اُس میں سے کوئی آواز نہیں آتی؛ لیکن اُس کی خوشبو چاروں طرف پھوٹ پڑتی ہے۔

فرمایا کہ علم کے چاول جب تک کچے ہیں اُس میں سے دعوے نکلتے ہیں، اُس میں سے تکبر کے کلمات نکلتے ہیں، اُس میں سے باطل نکلتا ہے، عُجب اور کبر کی صدائیں نکلتی ہیں، لیکن جب کسی اللہ والے کے پاس پہنچتے ہیں اور وہ اُس کا دم نکال دیتا ہے، تو پھر علم کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ یہ خوشبو اُس وقت پھوٹتی ہے جب ایک دفعہ نکل چکا ہوتا ہے، اور یہ کبر و عجب کے بُت ٹوٹ جاتے ہیں، پامال ہوجاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اُس کی خوشبو پھیلاتے ہیں دنیا میں، اور وہ خوشبو دنیا کو معطر کرتی ہے، لہٰذا یہ اس کے بغیر نہیں ہوتا کہ آدمی کسی جگہ جا کر رگڑیں کھائے۔ (۱)

بوئے کباب مارا مسلمان کرد:

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر کباب کچا ہو، تلا نہ

---

(۱) پا جا چراغِ زندگی: ص ۱۳۹-۱۴۰۔

جائے، تو صورت کباب تو ہے؛ سارے اجزا اُس میں کباب کے موجود ہیں، بڑی الائچی، لونگ، تیز پات، پسا ہوا قیمہ؛ سب کچھ ہے، مگر کچی ٹکیہ ہے، آگ نہیں لگائی تھی، تیل میں نہیں تلا گیا، مجاہدے سے نہیں گزارا گیا، تو بتاؤ! اُس کباب کو کھا کر لوگوں کو قے ہوگی یا نہیں؟ لیکن اگر وہی کباب سرسوں کے تیل میں تلا جائے، تو اُس کی خوشبو سارے محلے میں پھیل جاتی ہے۔ ایک ہندو نے جب کباب کی خوشبو سونگھی تو کہا کہ "بوئے کباب مارا مسلمان کرد" (اس کباب کی خوشبو نے مجھے مسلمان کر دیا)۔ آہ! ہم لوگ بھی کچے کباب ہیں، صورت مولویوں کی سی ہے، حقیقت میں کچھ نہیں، امت ہمیں دیکھ کر کہتی ہے کہ مولویوں کی بات کون سنے؟؟ ان کی باتوں میں مزہ نہیں، لیکن آہ! اگر ہم لوگ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر مجاہدے سے گذر جائیں تو سارے عالم میں ہمارے علم کی خوشبو پھیل جائے گی، لیکن مجاہدہ اپنی مرضی سے نہیں؛ کسی اللہ والے کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔

ایک عالم شیخ الحدیث نے حکیم الامت سے عرض کیا کہ اپنا تزکیہ خود کیوں نہیں کر سکتے؟ جب ہم بخاری شریف پڑھا سکتے ہیں تو اپنا تزکیہ بھی خود کر سکتے ہیں، حکیم الامت نے فرمایا: مولانا! تزکیہ فعل لازم ہے یا فعل متعدی ہے؟ بس کہنے لگے: سمجھ گیا۔ فعل لازم تو اپنے فاعل پر تمام ہو جاتا ہے، فعل متعدی اپنے فاعل پر تمام نہیں ہو سکتا، جب ایک مزکّی ہو؛ ایک مزکّٰی ہو، اب تزکیہ کا فعل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ "كانوا يزكون أنفسهم"، یہ آیت نازل نہیں ہوئی کہ جناب خود اپنا

تزکیہ کرتے تھے، بلکہ فرمایا: "یزکیھم" ہمارے نبی صحابہ کا تزکیہ کیا کرتے ہیں۔ [۱]

تزکیہ اور تصوف کی اہمیت حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی:

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: دیکھو! ایک ہوتا ہے رنگ ساز، جو رنگ بناتا ہے، اور ایک ہوتا ہے رنگ فروش، جو رنگ بیچتا ہے، اور ایک ہوتا ہے رنگ ریز، جو رنگ چڑھاتا ہے، فرماتے تھے: رنگ بنایا ہوا تو اللہ کا ہے، ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ [۲]، اور اُس رنگ کو پھیلانے والے اور فروخت کرنے والے علما ہیں، گویا رنگ علما سے ملتا ہے، پُڑیا آپ خرید کرلے کر جائیں گے؛ لیکن جو رنگ چڑھاتا ہے وہ ولی اللہ کا نیک بندہ؛ جس کو اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کے لیے رکھا ہے وہ صوفیا ہیں، جو رنگ چڑھانے کا کام خانقاہوں میں کرتے ہیں۔ تعلیم کتاب وحکمت کا کام مدرسوں میں ہوتا ہے، اور تزکیہ اُس علم کو عمل میں لاکر انسان پر رنگ چڑھانے کا کام ہے، جو خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ [۳]

نیز حضرت حکیم اختر صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں: عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ اے علمائے کرام! مدرسوں سے نکل کر مسجدوں کے منبر پر مت بیٹھو، ورنہ متکبر بن جاؤ گے، تم سے بجائے فیض کے گندے اخلاق پیدا ہوں گے، پہلے جاؤ! کسی اللہ والے سے اپنے نفس کو مٹاؤ اور اخلاص حاصل کرو! پھر منبر تمہارا منبر ہوگا، تڑپتے ہوئے دل سے جب بیان کروگے تو تمہارے منبر سے ہزاروں ولی اللہ بنیں گے، ورنہ تم

---

(۱) تعلیم وتزکیہ کی اہمیت، سلسلۂ مواعظِ حسنہ نمبر ۷۵: ص ۲۸-۲۹۔

(۲) البقرۃ: ۱۳۸۔

(۳) پاجا چراغِ زندگی: ص ۱۰۹-۱۱۰۔

گالیاں دوگے اور ایک دوسرے کی کاٹ کروگے، تفرقہ اندازی اور پارٹی بازی کروگے، جب دل میں اللہ نہ ہوگا تو ان ہی واہیات میں زندگی ضائع کروگے۔ (۱)

نوجوان عالم فاضل کب فتنہ بنتا ہے؟

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تجربہ ہے کہ جتنے فتنے دنیا میں پھیلتے جارہے ہیں، جس سے مذاہب اور پارٹیاں بنتی جاتی ہیں؛ یہ زیادہ تر اُن علما سے پھیلتے ہیں جو صحبت یافتہ نہیں ہوتے، فقط قرآن وحدیث کے الفاظ اُن کے سامنے ہوتے ہیں، اسلاف کا وہ رنگ اُن کے قلب میں نہیں ہوتا جو بزرگوں میں ہوا کرتا تھا، اس لیے اُن سے زیادہ فتنہ پھیلتا ہے، اور جو عالم صحبت یافتہ ہوگا، زیادہ دیانت قائم کیے ہوئے ہوگا، اُس سے فتنہ نہیں پھیلے گا، زیادہ فتنہ پرداز وہ ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس علم موجود ہے؛ صحبت میسر نہیں، اخلاق درست نہیں ہوئے، اخلاق کے اندر پختگی پیدا نہیں ہوتی تو اُن کے کلمات سے زیادہ بے ادبی اور گستاخی کا فتنہ پھیلتا جاتا ہے۔

رجال اللہ ہی فیض ربانی کا ذریعہ ہیں:

اس دنیا میں عادۃ اللہ یہی ہے کہ انسان سے انسان کو فیض حاصل ہوتا ہے، کتابوں سے معلومات حاصل ہوتی ہیں، لیکن فیض حاصل ہوتا ہے اللہ والے سے۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (۲) کا مقصود بھی یہی ہے، آپ پڑھ کر آئے ہیں کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ بدل مقصود ہوتا ہے۔

---

(۱) کشکولِ معرفت: ملفوظ نمبر ۱۰۷۶۔

(۲) الفاتحۃ: ۶۔

علم نبوت اور نور نبوت کے حصول کے ذرائع:

دراصل ایک ہے علم نبوت اور دوسرا ہے نور نبوت، علم نبوت کتابوں کے ذریعے، قرآن وحدیث کے ذریعے ملتا رہتا ہے اور ملتا رہے گا، لیکن نور نبوت حاصل نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ قلب قلب سے متصل ہو، اور دونوں ہی چیزیں مقصود ہیں، اگر کوئی علم نبوت حاصل کرے اور نور سے محروم رہے تو اس کا علم نافع نہ ہوگا، بلکہ ممکن ہے کہ وبال جان بن جائے اور نور نبوت بغیر علم نبوت کے حاصل نہ ہوگا، اس لیے علم نبوت تو اللہ نے آپ کو عطا فرمادیا، جتنا بھی عطا فرمایا، اب نور نبوت کو حاصل کرنے کی فکر کیجیے۔ (۱)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷﴾ سے یہ استنباط کیا ہے کہ علم آجانے پر آدمی اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگتا ہے، اُس کا علاج ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸﴾ یعنی رجوع الی اللہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اُسی وقت ہوگا جب کہ ہم اللہ والوں کے ساتھ تعلق پیدا کریں، خدا کے نیک بندوں کے ساتھ تعلق پیدا کیے بغیر یہ باتیں ہمارے اندر نہیں آئیں گی۔ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت سادہ سا شعر تو ہمیشہ یادرہنا چاہیے۔ ؎

اُن سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
کہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

قلب جب تک مزکّٰی نہیں ہوتا اُس وقت تک علم میں نور پیدا نہیں ہوتا، وہ بااَثر نہیں ہوتا۔ (۲)

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۲۴-۲۲۵

(۲) ختم بخاری شریف، بمقام: جامعہ ریاض العلوم، اسلامک دعوۃ، لیسٹر، برطانیہ، افادات: حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی: ص ۲۸۔

رسمی تعلیم کے دوران اگر اصلاح باطن اور اصلاح اخلاق کی توفیق میسر نہیں ہوئی تو اب سستی نہ کرنی چاہیے، اپنی زندگی کے لیے کسی ایک بڑے کو اپنا رہنما بنالیں، خود رائی سے پرہیز کریں۔ آج کل طرح طرح کے فتنے ہیں، اعمال کے فتنے، عقیدے کے فتنے، ان فتنوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھیں۔ ہمارے اکابر کا بھی یہی طریقہ تھا کہ جب درس نظامی کی تکمیل فرماتے تو کسی بڑے کو اپنا مقتدا بنا لیتے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں۔ (۱)

نیز فرماتے ہیں کہ یاد رکھیے! جو عالم مدرسے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے، یعنی اپنی اصلاح نہ کرائے؛ وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اُسی پر قناعت کر لے اور نماز نہ پڑھے، محض پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ اہل اللہ کی صحبت میں نہ رہے۔ (۲)

آگے فرماتے ہیں: میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا کہ جس نے درسی کتابیں پڑھی ہوئی ہوں اور صحبت یافتہ نہ ہو، اس کو کامیابی ملی ہو، اور ایسے بہت سے دیکھے جن کو "ش" "ق" پڑھنا نہیں آتا، مگر وہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھے ہیں، ان سے بہت سوں کو ہدایت نصیب ہوگئی۔

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (۳)

---

(۱) بصائر حکیم الامت: ص ۱۴۶

(۲) تحفۃ العلماء، جلد اول۔

(۳) اہل علم کی زندگی: ص ۲۶۱۔

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سب طلبہ کو جمع کر کے نصیحت کی اور فرمایا: "دیکھو خواہ کتنی بار بخاری شریف ختم کرلو، مگر جب تک اللہ والوں کی جوتیاں نہ سیدھی کرو گے اور ان کی صحبت اختیار نہ کرو گے تو حقیقت اور روح علم سے محروم رہو گے"۔ اور جوش میں فرمایا: "اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرات سلاطین دنیا کے تاجوں کے موتی سے افضل ہیں"۔ (۱)

امام غزالی کو آخر کس چیز نے مجبور کیا تھا؟ اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف جیسے محبوب مشغلے کو اپنانے اور مرجع خلائق ہونے کے باوجود طبیعت میں کیوں بے چینی پیدا ہوئی؟

اور خود مولانا روم کا اعتراف ملاحظہ ہو:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد (۲)

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبادہ مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تکمیل شیخ مدین رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں کی؟ (۳)

وہ کیا چیز تھی؟ جس کی وجہ سے حضرت ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ (بانی درس نظامی) نے سید عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن پکڑا، جو بالکل بارہ بنکی اور لکھنؤ کے دیہات کی بولی بولتے تھے، "آوت ہے، جاوت ہے" (یعنی آتا ہے، جاتا ہے)، یہ ان کی زبان تھی، مگر ملا

---

(۱) بنیاد اصلاح: ص ۱۱۵۔

(۲) بنیاد اصلاح: ۱۷

(۳) بنیاد اصلاح: ۱۲۵

نظام الدینؒ کا حال یہ ہے کہ "مناقب رزاقیہ" میں دیکھتے چلے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے سامنے بالکل ہیچ سمجھ رہے ہیں۔ (۱)

نیز وہ کیا دولت تھی جس کی تحصیل کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ جیسے متبحر عالم حضرت سید احمد بریلوی صاحب شہید قدس سرہٗ (جو اصطلاحی عالم بھی نہ تھے) کے حلقۂ ارادت اور سلسلۂ بیعت میں منسلک ہو گئے، اور خود کو ان کے سامنے اس طرح مٹایا کہ سید صاحب کی پالکی کو کندھا دینے اور ان کی رکاب تھام کر چلنے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ (۲)

چناں چہ مفکر اسلام، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

تیرہویں صدی میں مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ؛ جن کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں، اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ؛ جن کو (شاہ صاحب) حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں...... ان لوگوں کو دیکھیے کہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے، جو کہ امّی تو نہیں تھے؛ مگر محض فارسی داں تھے، اور جو کوئی پاس سے گذرتا اُسے پوچھتے تھے: "ارے بھائی! اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ ذرا بتلاتے جایئے!"، ان کا علم یہ تھا، اور مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو انہوں نے پڑھا بھی تھا، اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے سید صاحب کی رکاب جو تھامی ہے، تو مرتے دم تک نہیں چھوڑی۔ جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کیا بات دیکھی، جس کی وجہ سے ان

---

(۱) اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں: ص ۴-۱۳، تعمیر حیات، اپریل ۱۹۶۹ء، بحوالہ: افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۹۳

(۲) بنیاد اصلاح: ۱۸

کی طرف رجوع کیا؟ حالاں کہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابلے میں کوئی مقام نہیں رکھتے!! تو فرماتے: بھائی! ہم کو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی تھی، انہوں نے نماز پڑھنا سکھایا، روزہ رکھنا نہ آتا تھا، انہوں نے روزہ رکھنا سکھایا۔ (۱)

اس طرح ماضی قریب کے علمائے اعلام، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی -قدست أسرارهم- نے یگانۂ روزگار ہونے کے باوجود کیا چیز حاصل کرنے کے لیے حاجی صاحب کی چوکھٹ پر حاضری دی، آخرکار اپنے کو مٹا کر فائز المرام ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضریٔ تھانہ بھون کے بعد کیا حالت ہوئی تھی؛ اس کا نقشہ علامہ موصوف نے خود بیان فرمایا کہ ”ہم جس کو علم سمجھتے تھے وہ جہل تھا، علم حقیقی تو اللہ والوں کے پاس ہے“۔ پھر اپنے تأثرات قلبی کو اس طرح ظاہر فرمایا:

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبۂ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ قرآن میں
جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
چھوڑ کر تدریس ودرس ومدرسہ
شیخ بھی رِندوں میں اب شامل ہوا

---

(۱) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۹۴

اور فرمایا:

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمال جہاں افروز
پھر یہ جمال نور دکھایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تیری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یوں ہی، بجھایا نہ جائے گا [۱]

لست بشيء:

مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں؛ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھے، لوگوں کو بھی جا کر معلوم ہو کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اگر خدا نخواستہ ایسی جگہیں ختم ہوگئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے، اگر صرف مدعیانِ علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں، تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔ [۲]

مدارس کا باطنی انحطاط:

مزید فارغ ہونے والے طلبہ کو الوداعی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

......(ایک ضروری) یہ کہ اپنی (اصلاح کی) طرف سے غافل نہ رہیں۔ آپ بُرا نہ مانیں، کہنے والا بھی آپ ہی میں سے ہے، عرصے سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جا رہے ہیں، ان

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۳۶۰، بحوالہ: روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: ص ۱۷۲

(۲) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۹۴

اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے کہ ؎

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

(علامہ اقبالؒ)

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہو کر نکلتے ہیں کبھی اس تعداد میں نہیں نکلتے تھے، لیکن زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں۔

غرض یہ کہ اس وقت جب کہ تعلیم کا رسمی سلسلہ اختتام پذیر ہو رہا ہے اور آپ دستار فضیلت حاصل کرنے جا رہے ہیں، اس بات کا تہیہ کر لیجیے کہ اپنی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے موجودہ مشائخ کرام میں سے کسی نہ کسی سے اپنا رشتۂ اطاعت وارادت جوڑ لیں گے اور اس وقت تک چین نہیں لیں گے جب تک کہ تکمیل سلوک یعنی وصول الی اللہ کی نعمت عظمیٰ حاصل نہ ہو جائے۔

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں (۱)

(حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ)

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں: حاجی محمد عبد الستار مجاز بیعت حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب "بنیاد اصلاح یعنی معیت صادقین

(۱) نئی نسل کے علماء وفضلاء کے نام ایک دردمندانہ پیغام: ۲۴۔

کی ضرورت"، اور حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا مقالہ بعنوان "نئی نسل کے علما وفضلا کے نام ایک دردمندانہ پیغام" اور حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ "قیمتی تحفہ برائے طالبین تزکیہ"۔

(۱۸) دعوت و تبلیغ سے حتی الوسع ربط:

جدید فاضل کے لیے بہترین علمی صلاحیت کی افزائش کے ساتھ اپنے اندر داعیانہ جذبات کی تشکیل بھی از حد ضروری ہے۔ ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم اپنے مخاطب کو بہت جلد مخالف سمجھ کر مخاصمانہ روش پر اتر آتے ہیں، جبکہ داعی اسے مخاطب ہی سمجھتا ہے اور داعی مخاطب کو قائل کرنے کے بجائے مائل بلکہ گھائل کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور اس کے لیے دلیل سے بڑھ کر عمل، محبت اور دعا کو کام میں لاتا ہے۔ (۱)

تبلیغی جماعت سے وابستگی کی شرط:

دراصل اصلاح کا ایک بہترین ذریعہ تبلیغی جماعت بھی ہے، اس سے بہت سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، یہ ہمارا اور آپ کا مشاہدہ ہے، تو دعوت کے کام میں بھی بھرپور حصہ لینے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ علم دین کی تحصیل کے دو مقصد ہیں: اول خود عمل، دوم دوسروں کو دعوت، یہ دونوں مقاصد جماعتوں میں نکل کر حاصل ہوتے ہیں۔ (۲)

دوسری طرف آج یہ بھی ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو کہ عوام کے ساتھ رابطہ کس طرح پیدا کیا جاتا ہے؟ عوام سے دین کی بات کس طرح کہی جاتی ہے؟ یہ تربیت حاصل کرنا بھی

---

(۱) ماہنامہ بینات- رمضان شوال ۱۴۳۸ھ-: ص ۱۰۱۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ۲۶۶-۲۶۹، ۲۴۵

بہت ضروری ہے، یہ مستقل کام ہے۔[1] جماعتوں میں نکلنے سے یہ طریقہ اور سلیقہ آتا ہے، لہٰذا اس میں بھی وقت لگائیے، اور اگر اپنی مشغولی کی وجہ سے مروجہ دعوت وتبلیغ میں حصہ نہیں لے سکتے تو چاہیے کہ اس کی تائید میں کسر نہ چھوڑے۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی میں شرط یہی ہے کہ جماعت کے اصول اور ضوابط کی پابندی کی جائے، اصول وضوابط اور اس کے طریقۂ کار کی پابندی کے بغیر اس کی برکات سے فیض یابی مشکل ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کسی بھی شخصیت یا جماعت سے وابستگی اور تعلق کے باوجود اس کے تفردات یا جمہور امت سے ہٹ کر اگر اس کی کوئی رائے ہو تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا چاہیے، بلکہ اس کی اصلاح ایک عالم دین کی منصبی ذمہ داریوں میں سے ہے۔[2]

تبلیغی جماعت نافع ہے؛ کافی نہیں:

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ نے تبلیغی جماعت کے ایک اجتماع میں بیان فرمایا، جہاں ساڑھے تین- چار لاکھ کا مجمع تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ تبلیغی جماعت نافع تو ہے؛ کافی نہیں ہے، اور کافی کب ہوگی؟ جب علمائے دین اور اہل اللہ سے قوی تعلق قائم ہوگا، چوں کہ چھ نمبر میں پورا دین نہیں آسکتا، اس لیے علما کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ تبلیغی جماعت کی مثال فرسٹ ایڈ کی سی ہے کہ کسی کے چوٹ لگ جائے تو اُس کی فوراً مرہم پٹی کر کے اُس کو علاج کے لیے بڑے ڈاکٹروں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی غرض سے مولانا الیاس صاحبؒ نے یہ جماعت قائم کی تھی کہ جو بے چارے دین سے

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۶۹-۲۷۰

(۲) دینی مدارس، ماضی، حال، مستقبل: ۱۲۴

دور ہیں؛ اُنہیں دین سے مانوس کرا کے اُن کا رشتہ علما و مشائخ سے جوڑا جائے، تاکہ وہ پورا دین حاصل کرلیں۔

مولانا ابرارالحق صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ یہی کام ہے؛ بلکہ یوں کہو کہ یہ بھی کام ہے، یہ نہ کہو کہ بس چلّے میں جاتے رہو اور علما و مشائخ کی ضرورت نہیں۔ (۱)

باطل فرقوں کی تردید بھی دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت و تبلیغ ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا اُس میں بھی حکمت، موعظۂ حسنہ اور مجادلہ بالتی ہی اُحسن کے اصولوں پر عمل ضروری ہے۔ آج کل دوسروں کی تردید میں طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور فقرے کسنے کا جو انداز عام ہوگیا ہے اُس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد تو وصول ہوجاتی ہے؛ لیکن اُس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہوجاتا ہے، اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

نیز فرماتے ہیں: انسان کو اپنے ہر قول و فعل میں محتاط ہونا چاہیے، خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اُسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا، اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصول کے مطابق ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود نہ ہو۔ (۲)

دعوت و تبلیغ کی مختلف شکلیں:

علاوہ ازیں تبلیغ؛ دین پہنچانے کا نام ہے، اور اس کی مختلف شکلیں ہیں، ایک شخص جو

---

(۱) علم اور علمائے کرام کی عظمت، از حکیم اختر صاحب: ص ۶۲۔

(۲) پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۹-۶۰۔

بخاری شریف پڑھا رہا ہے، یہ بھی تبلیغ ہے، وہ چالیس طالب علموں تک بخاری شریف پہنچا رہا ہے، خانقاہ میں ایک شخص بیٹھ کر تین سو چار سو مریدوں کو نصیحت کر رہا ہے، یہ بھی تبلیغ ہے، مروجہ دعوت کا کام بھی تبلیغ ہے، مسجد کا ایک امام وعظ و نصیحت کرتا ہے اور درس قرآن اور درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو دین سمجھاتا ہے، یہ بھی تبلیغ ہے، تصنیف و تالیف بھی دین کی دعوت کا ایک اہم شعبہ ہے، یہ سب ہمارے کام ہیں، بالفاظ حضرت اقدس ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ: "رفیق بنیں، فریق نہ بنیں"۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے: حضرت اقدس مولانا سلیم صاحب دھورات دامت برکاتہم کا رسالہ "دین کی خدمت اور دعوت و تبلیغ کے مختلف طریقے"۔

دعوت کے کامیابی کے لیے شرائط:

پھر دعوت کی کامیابی کے لیے شرط یہ ہے کہ ہمارے اندر اخلاص ہو، پیغمبرانہ درد و تڑپ ہو، یہ تڑپ جس قدر گہری ہوگی اسی قدر دعوت کا کام انجام دے سکیں گے۔ نیز دعوت کی جستجو اور لگن ہو، جذبہ و لگن کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا، پھر مدعو سے دلی محبت اور سچی ہمدردی ہو، بالکل اسی طرح جس طرح انبیا کو اپنی قوم سے ہوتی تھی۔ (۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی نور اللہ مرقدہ نے دارالعلوم الاسلامیہ، بستی، یوپی میں اپنے ایک خطاب کے دوران ارشاد فرمایا تھا:

> اِس وقت نہ عالموں کی کمی ہے، نہ مصنفوں اور مفکروں کی کمی ہے، بلکہ اہل درد کی کمی ہے، اُن لوگوں کی کمی ہے جن کے دلوں پر واقعی چوٹ ہو، جیسی چوٹ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں کے دلوں پر تھی، جیسی چوٹ

---

(۱) ماہنامہ الفرقان- جنوری ۲۰۱۶ء۔

حضرت مولانا سید جعفر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر تھی، ایک بے چینی کی کیفیت تھی کہ گاؤں گاؤں پھرنا، لوگوں کی خوشامد کرنا، گھر گھر جانا، دین کی طرف بلانا، سنتوں کا اِحیا اور بدعتوں اور جاہلیت کی رسوم وعقائد کا ازالہ؛ اُن سب کے لیے وہ ماہی بے آب کی طرف بے چین رہے، اسی طرح اُن کی عمر اُسی تڑپ اور سوز میں گذری، آج اُس سوز کی کمی ہے: ساز کی کمی نہیں، اور ہم زیادہ تر ساز کا نظارہ دیکھتے ہیں، اور ہر جگہ ساز ہی ساز ہے، اور اب تو بہت جگہ مادیت اور کفر سے ساز باز کرلیا گیا ہے، اور ساز سے معاملہ ساز باز تک پہنچ گیا ہے، تو اِس وقت ساز سے زیادہ سوز کی، اور صورت سے زیادہ حقیقت اور بے چینی کی ضرورت ہے۔ (۱)

جدید فاضل کے لیے اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور داعیٔ اسلام حضرت مولانا کلیم صاحب صدیقی مدظلہ کی تصنیفات اور خطبات سے اعتنا از حد ضروری ہے۔

دعوت دین کے لیے میڈیا کی اہمیت اور اس کا دائرۂ کار:

فتنوں کی موسلا دھار بارش برس رہی ہے، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جارہا ہے، اِس ادل بدل اور تلبیس واختلاف میں سب سے نمایاں کردار میڈیا کا ہے، تاریخ کے ہر دور میں میڈیا کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور ہر دور کا میڈیا مختلف رہا ہے۔ میڈیا اُس وسیلے کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اپنی معلومات اور نظریات دوسروں تک پہنچائے

(۱) دین وعلم کی خدمت اور ایمانی تقاضے کی اہمیت: ص ۱۴۔

جاتے ہیں۔ظہورِ اسلام کے زمانے میں اِس مقصد کے لیے شاعری اور خطبات مؤثر ہوتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے بھرپور استفادہ فرمایا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اِس میدان میں ایسے جھنڈے گاڑے جن سے اونچا جھنڈا گاڑنا دشمنوں کے بس کی بات نہ تھی، بعض اوقات آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک منبر سے نیچے تشریف لے آتے، اور حضرت حسان کو حکم دیتے: "يا حسان! أجب عن رسول الله، أجب! أيدك الله بروح القدس" (حسان! اللہ روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے، اللہ کے رسول کا دفاع کرو!)، پھر حق کا دفاع کرتے اور اُن کے اشعار دشمنوں پر تیروں سے بھی زیادہ اثر کرتے، دشمن کسمساتے، کھولتے، غصے سے کف اڑاتے؛ مگر اُن سے جواب نہ بن پڑتا۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ صحابۂ کرام میڈیا کے شعبے میں مخالفین سے ایڈوانس تھے۔

ایک قبیلے نے مسلمانوں کو شاعری اور خطابت میں مقابلے کا چیلنج کیا، نگاہِ نبوت نے میدان میں اترنے کے لیے حضرت حسان اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما کا انتخاب کیا، دونوں نے اپنے انتخاب کو لاجواب ثابت کرتے ہوئے دشمن کو چاروں شانے چِت کردیا، چناں چہ حسب وعدہ پورے قبیلے نے اسلام قبول کرلیا۔

شاعری اور خطابت کے علاوہ خطوط اور قاصدوں کے ذریعے بھی اسلام کا پیغام ہزاروں میل دور پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

آج میڈیا کا دائرہ بہت وسیع ہوچکا ہے، اخبارات ورسائل، ریڈیو اور ٹی وی، فیکس اور سیٹیلائٹ، ٹیلیفون اور انٹرنیٹ؛ سب میڈیا ہی میں شمار ہوتے ہیں، کیا نفسیات اور نظریات اور کیا اخلاق، معیشت اور سیاست؛ ہر شعبہ میڈیا کی زد میں ہے، دنیا ایک گلوبل

ولیج میں تبدیل ہوچکی ہے، میڈیا میں یہ طاقت ہے کہ کسی بھی سیاسی نعرہ، تجارتی اشتہار اور مذہبی نظریے کو دنوں؛ بلکہ گھنٹوں میں ہر محفل اور ہر گھر کا موضوعِ گفتگو بنا دے۔ کہا جاتا ہے کہ نہ ایٹم بم میں وہ طاقت ہے نہ راکٹ، میزائل، آب دوز اور طیارے میں؛ جو طاقت میڈیا میں ہے، حکومتوں کے ادل بدل، جماعتوں کی اُکھاڑ پچھاڑ اور منڈی کے اتار چڑھاؤ پر میڈیا پوری طرح اثر انداز ہوتا ہے، پہلے صرف انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا، اور اس کے لیے فوج کا استعمال ہوتا تھا، اور آج طریقۂ واردات تبدیل ہو چکا ہے، صرف انسانوں کو نہیں؛ ذہنوں کو بھی غلام بنایا جاتا ہے، اور اُس کے لیے میڈیا کا استعمال کیا جاتا ہے۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ پوری دنیا کی میڈیا پر یہودی چھائے ہوئے ہیں، کیا ریڈیو اور کیا اخبار، کیا خبر رساں ایجنسیاں اور کیا سیٹیلائٹ کا نظام؛ سب اُن ہی کے قبضے میں ہے، جدید تعلیم یافتہ سمجھے جانے والی دنیا وہی کچھ دیکھتی ہے جو وہ دِکھانا چاہتے ہیں، اور وہی کچھ سوچتی ہے جو وہ کرنا چاہتے ہیں، مسلمان میڈیا کے میدان سے بالکل باہر ہے، وہ کھلاڑی نہیں؛ تماشائی ہے۔ ٹی وی کو چھوڑ دیں کہ اُس کا جواز وعدمِ جواز زیر بحث ہے، لیکن ریڈیو، انٹرنیٹ اور اخبار تو جائز ہے، اُس میں ہماری کارکردگی قابلِ فخر تو کیا؛ قابل ذکر بھی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے لیے فن صحافت اور عربی وانگلش جاننے کی ضرورت ہے، اور ہمارے یہاں یہ چیزیں عنقا ہیں۔

آپ انٹرنیٹ کو لے لیجیے! ایک سروے کے مطابق کم وبیش ۲/لاکھ ویب سائٹ عیسائیت کی معلومات اور تبلیغ کے لیے مخصوص ہیں، اسلام کے حوالے سے ویب سائٹس کی تعداد بمشکل چند ہزار ہیں، اُن میں بھی اکثر یا تو غیر مسلم افراد چلا رہے ہیں، یا ایسے لوگ جو خود بھی اسلام سے متعلق ٹھوس معلومات نہیں رکھتے، اور کئی اسلامی ویب سائٹس تو صرف چندہ مانگنے

کے لیے بنائی گئی ہیں، تبلیغ اسلام کا نام اصل مقصد پر پردہ ڈالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آپ اخبارات ورسائل کو لے لیجیے! اول تو ہے ہی محدود، اور جو ہے؛ اُن میں سے اکثر معیارِ صحافت پر پورے نہیں اترتے۔ (۱)

دعوتِ دین کے لیے الیکٹرانک میڈیا کا استعمال:

دعوتِ دین کے لیے جدید ذرائع، خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کا استعمال بھی آج کے جدید فضلاء پر بھوت کی طرح سوار ہے، اور اُسے مصالح اور ضرورت کی خاطر گوارا کیا جارہا ہے۔ یاد رکھیں! مصالح کی حد درجہ رعایت تساہل و بے باکی کو جنم دیتی ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "مصالح" پیسنے کی چیزیں ہیں، اس کو پیس کر ہی دین میں مزہ آتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مجددین کی دعوت کا ثمرہ منصوص طرقِ دعوت کو اختیار کرنے سے سامنے آیا ہے،...... اس سے واضح ہوتا ہے کہ دعوتِ دین کے کام میں ذرائع کی حیثیت ثانوی ہے، اصل داعی کا اخلاص، للّٰہیت، سوز وساز اور تڑپ ہے۔...... جدید فاضل کو انبیائے کرام علیہم السلام ومجددین کی تاریخ سامنے رکھ کر دعوتِ دین کی حکمت عملی مستنبط کرنی چاہیے، گو کہ اس کا دائرہ محدود ہو؛ لیکن اس کے اثرات ہمہ گیر ہوں گے۔ (۲)

حاصل کلام یہ کہ دعوت وتبلیغ کے لیے جدید ذرائع کے استعمال میں اعتدال ملحوظ رہے، افراط تفریط نہ ہو۔ **واللہ الموفق.**

غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینے کے لیے انگریزی کی ضرورت:

غیر مسلموں تک دین کی دعوت اور اسلام کا تعارف پہنچانے کی ذمّے داری ہم سب

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۳۱-۲۳۳۔

(۲) ماہنامہ بینات، رمضان وشوال ۱۴۳۸ھ: ص ۱۰۱-۱۰۲

کی مشترکہ ذمّے داری ہے، اور اس میں ان مسلمانوں اور خاص طور پر علمائے کرام اور دینی مدارس کے ذمے داری سب سے زیادہ ہے، جو غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں رہتے ہیں کہ وہ اپنے اردگرد رہنے والے غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرائیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور تعلیمات کی پہچان کرائیں، اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ وہ جس سال دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے بخاری شریف پڑھ کر دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام سے فرمایا کہ دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے انگریزی زبان سیکھنا ضروری ہے، کیوں کہ اس کے بغیر باقی دنیا کے ساتھ اسلام کی بات کرنا آج کے زمانے میں مشکل ہے۔ (۱)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

> ہندوستان میں تعلیمی اعتبار سے دو اہم دبستان ہیں: دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء۔ "دارالعلوم دیوبند" کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پوری زندگی آریہ سماج اور ہندو احیاء پرستی کے مقابلے میں لگائی، اور تحریک "ندوۃ العلماء" کے مؤسس حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے عیسائیت اور قادیانیت کے رد کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، یہ فضلا کے لیے خاموش پیغام ہے کہ ان کی توجہ کا اولین ہدف دفاعِ اسلام ہونا چاہیے، اور اس کے لیے انگریزی زبان، مغربی افکار اور ہندوستانی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شعبان ۱۴۴۲ھ: ص ۳۴۔

(۱۹) جذبۂ ایثار وقربانی، عزائم کی بلندی اور عزم مصمم:

طلب علم کے زمانے کی کمی کوتاہی کی وجہ سے حوصلے پست نہیں کرنے۔ چناں چہ مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ بڑے ہوکر کیا بننے کا ارادہ ہے؟ (یعنی تمہارا آئیڈیل کون ہے؟)

بیٹے نے کہا: ابا جی! آپ ہی میرے لیے آئیڈیل ہیں۔

اس پر باپ نے "إنا لله" پڑھی کہ کیسی چھوٹی نیت کی!! میں جب تمہاری عمر کا تھا تو نیت کرتا تھا کہ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسا بنوں گا (واضح بات ہے کہ اُن جیسا تو میں بن ہی نہیں سکتا؛ مگر اپنا ہدف ایسا بنایا کہ آگے بڑھنے کا میدان وسیع رہے)۔ اس لیے اونچے عزائم کے ساتھ میدانِ عمل میں جانا ہے۔[1] ؏

تو شاہی ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

ایثار وقربانی اور عزم یہ وہ طاقت ہے کہ اگر افراد میں ہوتی ہے تو انہیں ثریا تک پہنچا دیتی ہے، اور اگر کسی ادارے یا قوم کے اندر پیدا ہوجاتی ہے تو دنیا اس کے سامنے جھک جاتی ہے، اور اس کی بالا دستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔[2]

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۴ھ: ص ۴۔

(۲) پاجا سراغِ زندگی: ص ۲۰

یہ قدم قدم بلائیں.......:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے، ان کی شان یہ ہے کہ اللہ نے ان کا نام وہاں تک پہنچایا ہے جہاں تک سورج کی کرنیں پہنچتی ہیں، ان کی عظمت ومقبولیت کا یہ حال ہے، لیکن ایک وقت وہ بھی آیا جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جلاوطن کیا گیا، انہوں نے بہت تکلیفیں جھیلیں، حتی کہ سخت یاس، محرومی اور غریب الوطنی کے عالم میں انہوں نے دعا کی کہ خداوندا! تیری زمین اپنی وسعت کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی ہے، اب تو مجھے اپنے دربار میں بلا لے۔

ماضی کی یہ مثال پڑھ کر گذر جانے کے لیے نہیں ہے، اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور علم کی امانت کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے جانکاہی اور جگر کاوی کی ضرورت ہے، دنیا کو روشن کرنا ہے تو اپنے آپ کو شمع کی طرح جلانا اور پگھلانا ہوگا، زمانے کو روشنی بخشنے کے لیے اپنے آشیانے کو پھونکنا ہوگا۔

یہ قدم قدم بلائیں، یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے، جسے زندگی ہو پیاری [۱]

(عامر عثمانی)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی کتاب میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے کہ جو بھی راہِ حق کی خاک کو سرمہ بناتا ہے اُن کی محنت رائیگاں نہیں جاتی، اور ایک دن وہ اَمَر ہوجاتے ہیں۔ [۲]

---

(۱) "وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری" تحریر: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی دامت برکاتہم (سیکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

(۲) ماہنامہ سلوک واحسان، فروری ۲۰۲۴ء: ص ۱۳ - ۱۴۔

ایفائے عہد:

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

ہمارا یہ سلسلہ بہ قول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ؛ پہلے ہی دن سے مجاہدہ اور صبر والا ہے۔ آپ نے جس دن کسی مدرسہ میں داخلے کے لیے فارم کی خانہ پُری کی تھی، اسی دن گویا اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و پیمان کیا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے دین کا علم حاصل کرنے جارہا ہوں اور علم حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے جو تقاضے ہیں ان پر خود بھی عمل کروں گا، اور تیرے دوسرے بندوں تک بھی اس کو پہنچاؤں گا۔ اس لیے ہمیں اب اس معاہدے کو زندگی کی آخری سانس تک نبھانا ہے، ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾[1] (ان ہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُسے سچا کر دکھایا، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کردیا) ہمارے اس سلسلے کے اکابر کی زندگیاں وسوانح اور ان کے حالات ہمارے سامنے ہیں، ان حضرات نے اپنے آپ کو اس لائن میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا تھا اسے علمی وعملی طور پر پورا نبھایا، اب ہماری باری ہے، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے اس عہد و پیمان کو نبھا رہے ہیں یا نہیں؟ وہ حضرات ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ والے تھے، اور ہم ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾

---

(۱) الاحزاب: ۲۳

میں ہیں، اگر ہم نے اپنی ذمے داری کو ادا نہیں کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو میدان حشر میں اپنے بڑوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ یہ بہت اہم چیز ہے جس کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

ہماری یہ لائن صبر وتحمل کی ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ہم اور آپ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، خود باری تعالیٰ اس کی گواہی دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾[1] (یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں؛ اُن سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو) لوگوں کی باتیں سن کر ہمارے دلوں پر جو آرے چلتے ہیں نا، یہ تو ہمارا انعام ہے، اور یہ انعام تو ہم پہلے دن سے ہی لیتے چلے آرہے ہیں، ایسی چیزیں اگر ہمیں پیش آئیں تو اس کی وجہ سے ہمت ہارنے کی یا اپنے کام سے ہٹنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے۔ آج کل ہم لوگوں کی تربیت میں کمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ذرا سا ایسا کوئی معاملہ پیش آیا تو ہم اس لائن کو چھوڑ کر دوسرا کوئی کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ارے بھائی! اگر دوسرا کاروبار ہی شروع کرنا تھا تو اتنے دن سے مدرسے میں کاہے کو لگائے؟

میں تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہماری یہ لائن صبر وتحمل کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) الحجر: ۹۷، ۹۸

کو اپنوں نے بھی اور غیروں نے بھی بہت تکلیفیں پہنچائیں، لیکن آپ اپنے مقصد سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے، اور صرف تکلیفیں ہی نہیں بلکہ لالچیں بھی دی گئیں، اب ہمارے یہاں بھی حکومتی پیمانے پر کچھ شکلیں ایسی آ رہی ہیں جس میں لالچ بھی دیا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا بڑا لالچ دیا تھا!! ابوطالب کی خدمت میں قریش کے چودھریوں کا جو وفد آیا تھا انھوں نے تین شکلیں پیش کی تھیں کہ آپ کے بھتیجے نے ایک نیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں، جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں اور گھر گھر میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے، اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ اگر ان کو مال چاہیے تو بولو، جتنا مال وہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، اگر ان کو کوئی حسین عورت چاہیے تو عرب کی کوئی حسینہ بتائیں ہم اس کے ساتھ ان کا نکاح کرا دیں گے، اگر ان کو سرداری چاہیے تو ہم ان کو سردار ماننے کے لیے بھی تیار ہیں۔ دیکھو! وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سردار اور بڑا ماننے کے لیے تیار تھے، لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کرتے ہیں وہ ہمیں کرنے دو، ہمارے مسائل میں دخل نہ دو، مگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ اس معاشرے میں ایک انقلاب پیدا کرنا ہے، وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اپنی خواہشات اور مرضی پر چلنے دو، ہم آپ کی بڑائی تسلیم کرتے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ ہمیں آپ کی بڑائی منظور نہیں، ہم تو اس معاشرے کو اپنے احکامات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں، اسی پر محنت کرنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے گا۔

تو میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟ کہ اس راہ میں جہاں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں، وہیں لالچیں بھی دی جاتی ہیں، لیکن ہمارا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ نہ اس کی پرواہ کریں اور نہ اس سے للچائیں۔ (۱)

جب آپ پر مصیبتیں آئیں تو ان مصیبتوں کو یاد کریں جو شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت کیں، اس لیے کہ آپ کے بزرگوں نے سکھایا ہے:

میرے ساتھ ساتھ چلے وہی جو خارِ راہ کو چوم لے
جسے کلفتوں سے گریز ہو وہ میرا شریک سفر نہ ہو

(عامر عثمانی)

ناقدری اور اعتراضات سے دل برداشتہ نہ ہوئیے:

لہٰذا میرے عزیز طلبہ! کسی کی ترش روئی سے ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں، لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں۔ امام رازیؒ بہت بڑے امام تھے، وہ جب منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوتے تو لوگ پرچیوں پر مختلف اعتراضات لکھ کر پیش کرتے، آپ ان سب پرچیوں کو پڑھ لیتے، لیکن ان کا جواب نہ دیتے، جواب میں صرف یہ شعر کہہ دیا کرتے۔ ؎

اَلْمَرْءُ مَادَامَ حَيًّا يُسْتَهَانُ بِه ❁ وَيَعْظُمُ الرُّزْءُ فِيْهِ حِيْنَ يُفْتَقَدُ

یعنی آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اور جب وہ مر کر جاتا رہتا ہے تو اس کا فقدان بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ (۲)

حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں بیان

---

(۱) فضلاء سے اہم خطاب: ۱۰-۱۵۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۱۹۵

کر رہے تھے، پوری مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، دورانِ بیان ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہا: مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں، اس کا یہ جملہ سن کر حضرت نے ذرہ برابر غصہ نہیں کیا، بلکہ جواب میں فرمایا: تم نے غلط سنا، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ پھلت اور بُڈھانا میں موجود ہیں، اور تقریر آگے بڑھائی۔ ہمارا تو دماغ ہی آؤٹ ہوجائے گا، تقریر آگے کہاں بڑھے گی؟ موڈ ایسا خراب ہوجائے گا کہ ہم تقریر کرنے کے لائق ہی نہیں رہیں گے، لیکن یہاں دیکھو! تحمل کتنا!! اتنی خطرناک گالی سننے کے باوجود اپنا کام چل رہا ہے۔ حالاں کہ اس وقت ساری مسجد بھری تھی، وہ اپنے معتقدین کی طرف اشارہ کرتے تو وہ کہنے والے کے بخیے ادھیڑ دیتے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی! اس راہ میں تو قربانی ہی قربانی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین اور ہمارے اسلاف کرام نے قربانی دی، ہمیں بھی قربانی دینی ہے، یہ تو قربانی کا راستہ ہے۔ اس لیے آپ سوچ کر اور اپنے بڑوں سے تعلق رکھ کر چلیے۔ (۱)

(۲۰) جوہرِ ذاتی اور بقائے انفع کا بے لاگ قانون:

انسان کا ذاتی جوہر اور اس کی قابلیت ہی وہ چیز ہے جو ہر وقت اور ہر زمانے میں اس کی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔...... یہ غلط ہے کہ زمانے میں کوئی جگہ خالی رہتی ہے، کبھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جگہ پہلے سے خالی ہو اور کسی کی منتظر ہو کہ جب وہ شخص فارغ ہولے گا تو اس کو وہ جگہ مل جائے گی، زمانہ ''بقائے اصلح'' کا قائل ہے، وہ بہت ہی حسّاس اور نقّاد ہے، وہ صالح کے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔

---

(۱) نصیحت گوش کن جاناں: ص ۸۷

سورۂ رعد کی آیت ہے، آپ نے بہت پڑھی ہوگی اور اس کی تشریح بھی دیکھی ہوگی، ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ (جو جھاگ ہوتا ہے وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لیے فائدے مند ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے) جس چیز میں کوئی نافعیت نہیں، جس میں کوئی پیام نہیں ہے، جو چیز کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے رہی ہے، جس پر انسان کی بقا اور نشوونما اور انسان کی راحت اور ترقی کا کوئی انحصار نہیں ہے، اس کو قرآن مجید نے "زبد" کے لفظ سے ادا کیا ہے، جو بہت ہی جامع اور نہایت وسیع اور عمیق لفظ ہے اور معانی سے لبریز ہے۔

"زبد" پھین کو کہتے ہیں، یعنی دریا کا وہ جھاگ جو اپنے اندر کوئی ہستی نہیں رکھتا، جس کے اندر ثبات واستقامت کی کوئی صلاحیت نہیں، وہ دریا کے جوش کی ایک نمود ہے، دریا کے جوش کا ایک خارجی ظہور ہے، اس کے اندر کوئی استقرار نہیں، کوئی صلابت نہیں، بس ایک پھولی ہوئی سی چیز ہے، جس کے اندر ہَوا بھر گئی ہے۔ یا یہ کہیے کہ نیچے کا جو میل کچیل تھا وہ اوپر آ گیا ہے، اس کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، وہ اوپر اوپر بہہ جائے گا یا کنارے پر جا کر کہیں کسی چیز سے اٹک جائے گا اور باقی نہیں رہے گا، اس لیے کہ اس میں باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا کہ "زبد" زیادہ دنوں تک باقی رہے، اس لیے کہ یہ عالم اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ اس میں "زبد" کی سمائی ہو۔ اگر دریاؤں کا جھاگ اور پانی کا پھین اس طرح باقی رہنے لگے تو جن کو باقی رہنا چاہیے ان کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ ﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہے؛ ﴿فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ ٹھہر جاتی ہے۔

زمانے کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش اور احساس کہتری کی علامت ہے۔ دنیا نہیں بدلی؛ ہم بدل گئے ہیں، زمانہ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا، تبدیلی صرف ہمارے اندر ہوئی ہے۔[۱]

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح وشام پیدا کر

(علامہ اقبالؒ)

(۲۱) دینی خدمات کا دائرۂ کار اور ذمے داریاں:

آپ لوگ صرف عالم نہیں؛ بلکہ دین کے سپاہی ہیں، عام لوگوں کی ملازمت اور سپاہیوں کی ملازمت میں فرق ہوتا ہے، عام لوگوں کی ڈیوٹی ۶/گھنٹے، ۸/گھنٹے ہوتی ہے، لیکن جو ملک کا پہرہ دار ہوتا ہے، فوجی ہوتا ہے؛ اُس کی ملازمت ۲۴/گھنٹے کی ہوتی ہے، حکومت جب بھی چاہے اُس کو پابند کرسکتی ہے کہ آپ کو چھٹی نہیں ملے گی، آپ کو مسلسل ۲۴/گھنٹے اِس ملک کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔ مسلم معاشرے میں عالم کا یہی مقام ہے، عالم کے کام کا کوئی وقت نہیں کہ ہم نے چھ گھنٹے مدرسہ پڑھا لیا تو ہمارا کام ختم ہوگیا، امامت کرلی تو ہماری ذمے داری ختم ہوگئی، نہیں! آپ چوبیس گھنٹے کے ملازم ہیں، آپ کی ملازمت مدرسے کے مہتمم، مسجد کمیٹی کے صدر سے متعلق نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ نے اپنے کام کے لیے آپ کو منتخب کیا ہے۔[۲]

---

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص۲۰-۲۱، ۱۶۰

(۲) مطالعہ کی اہمیت اور طریقۂ کار، ایک فکر انگیز خطاب، از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ص۱۱-۱۲۔

لہٰذا آپ عہد کریں اور یہ فیصلہ کریں کہ ہماری ترجیحات میں سے پہلی ترجیح دین کی خدمت ہوگی، ہم دین کے خادم بن کر اور دین کے سپاہی بن کر زندہ رہیں گے۔ سپاہی کو جو بھی حکم جنرل کی طرف سے دیا جاتا ہے وہ اُس کو خوش دلی سے انجام دیتا ہے، ضروری نہیں ہوتا کہ وہ محاذِ جنگ پر دشمن کے سامنے ہو، وہ پیچھے رہ کر بھی خدمت کرتا ہے، ہمارا مقصد اولیں یہ ہونا چاہیے کہ جس طریقے سے خدمت کا موقع ملے گا ہم دین کی خدمت کریں گے۔ (۱)

چھاؤنی میں فوجیوں کو بڑی سخت تربیت دی جاتی ہے، اُن پر بڑے بڑے خرچ کیے جاتے ہیں، لیکن تربیت کے بعد اُن کو محاذ پر بھیجا جاتا ہے، دارالعلوم آپ کو ایک اہم مورچے کی طرف بھیج رہا ہے، اور وہ ہے کفر واسلام کی جنگ کا مورچہ، دین واسلام کی اشاعت اور توحید وسنت کا محاذ ہے، ساری دنیا آپ کے خلاف متحد ہے، مسلمانوں کے اندر مخالف اسلام فرقے پیدا ہو گئے ہیں، منکرین حدیث، قادیانی، ملحدین، روافض، آپ کو اُن سب کا مقابلہ کرنا ہے، اِن تمام مورچوں کے آپ محافظ ہیں، یہ نیند اور غفلت کا وقت نہیں، اب دشمن نے ایک نیا منصوبہ بنایا ہے جس کو "نیو ورلڈ آرڈر" کہتے ہیں، انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ اسلام اور علما کو مٹا اور دبا دو! اُس کے مقابلے کی تمام تر ذمے داریاں علما پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ آرام کا وقت نہیں، چاروں طرف سے یلغار ہے۔ دلائل، علم، تنظیم اور قوت کے ساتھ کود پڑو! ؎

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا (۲)

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص۸۹-۹۰۔

(۲) پاجا چراغِ زندگی: ص۲۰۱-۲۰۲۔

فضلائے کرام! درس گاہیں اُن دقیقہ رس، ہمدرد، محنتی، سادہ اور جفاکش مدرسین کے انتظار میں ہیں جو علوم نبوت کی مٹھاس اپنے تلامذہ کے دلوں میں اتار سکیں۔

اُجڑی ہوئی خانقاہیں اُن اہل اللہ کی تلاش میں ہیں جو بیمار انسانیت کو دوائے دل فراہم کرسکیں۔

منبر ومحراب اُن خطیبوں کے لیے چشم براہ ہیں جو اپنے حاضرین وسامعین میں دردِ دل کی دولت اور نبوت کا پیغام تقسیم کرسکیں۔

امت اُس قیادت کی جستجو میں ہلکان ہے جو اُس کے لخت لخت وجود کو یکجا کر سکے۔

مشرق ومغرب کی پیاسی دنیا اُن ساقیوں کے لیے بے تاب ہے جو اُسے ہدایت کا جامِ شفا پلا سکے۔

اے فضلائے کرام! کیا آپ میں سے ہر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ خلا مجھے پُر کرنا ہے؟؟ آپ ہمت کیجیے! ممکن ہے؛ وہ صحافی، وہ مدرس، وہ صاحب نسبت، وہ خطیب، وہ قائد، وہ مبلغ اور ساقی آپ ہی ہوں جن کا انتظار ہورہا ہے!! آپ میں سے ہر ایک کو یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ بارہ چودہ سال کے عرصے میں آپ کی تعلیم وتربیت پر لاکھوں روپے خرچ کیے گئے ہیں، اور اسی مقصد سے خرچ کیے گئے کہ آپ اُس خلا کو پُر کرسکیں جو مختلف شعبوں میں پایا جاتا ہے۔ شک نہیں کہ آپ کی جان، آپ کے والدین اور عزیز واقارب کا آپ پر حق ہے، مگر اِس امت کا بھی آپ پر حق ہے، طائف کے زخم خوردہ اُس عظیم انسان کا بھی آپ پر حق ہے جس کی راتیں سوز وگداز میں گذرتی تھیں، اور دن بگڑے اور بکھرے ہوئے گلّے کی تعلیم وتربیت اور تنظیم میں صرف ہوتے تھے۔ مبارک ہیں وہ فضلا، وہ علما اور عوام!! جو عظیم انسان کی فکر کو اپنی فکر سمجھتے ہیں، حرماں نصیب ہیں وہ لوگ! جو اِس فکر کو اپنا

اوڑھنا اور بچھونا بنانے سے بچنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ [۱]

قرآن کریم نے بتلا دیا ہے کہ فارغ ہونے کے بعد کیا کرنا ہے: ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں) [۲]، یہ آیت اہل علم کا پورا نصاب زندگی ہے، صرف نصاب تعلیم نہیں بلکہ نصاب زندگی ہے، طالب علم کو کیا کرنا ہے؟ طالب علمی کے زمانے میں کیا کرنا ہے؟ اور کس نیت سے کرنا ہے؟ اور طالب علمی سے فارغ ہو کر عمر بھر کیا کرنا ہے؟ [۳]

اس پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ایک مبسوط تقریر ہے، جو "خطباتِ مفتی اعظم" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تواصی بالحق کا فریضہ:

اب آپ ماشاء اللہ عالم دین ہیں، آٹھ دس سال لگا کر آپ نے جس مدرسے یا دارالعلوم میں دینی تعلیم کی تکمیل کی ہے، اس کے بعد تو آپ پر خود بہ خود، جب کہ "بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً" (میری باتیں پہنچاؤ، چاہے ایک آیت ہی ہو) کے مصداق ہو چکے ہیں؛ معاشرے کی صلاح واصلاح کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ جس دین کو آپ نے آٹھ دس سال لگا کر پڑھا اور سیکھا، وہ نہ صرف آپ کے کردار وعمل اور افکار وخیالات سے جھلکے؛ بلکہ اہلیت واستعداد کے مطابق اس کے بیان وتبیان کا کوئی موقع ہاتھ

---

(۱) پا جا چراغِ زندگی: ص ۲۳۴-۲۳۵۔

(۲) التوبۃ: ۱۲۲

(۳) اہل علم کی زندگی: ص ۱۷۱

سے نہ جانے دیں۔ آپ پر لازم ہے کہ تواصی بالحق کا فریضہ بہر صورت انجام دیتے رہیں، لہٰذا فارغ ہو کر کسی نہ کسی دینی کام میں لگ جانا چاہیے، یہ نہ سوچیے کہ کسی بڑے مدرسے کا شیخ الحدیث بنایا جائے گا تو کام کروں گا ورنہ نہیں۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خدانخواستہ اگر میرے اوپر دین کی خدمت کے تمام کام بند ہو جائیں تو میں ایک گاؤں میں چلا جاؤں گا، اور اپنے پیسوں سے جھاڑو خریدوں گا، اور اس گاؤں میں جو مسجد ویران پڑی ہوئی ہے، جہاں کوئی نمازی نہیں، اذان نہیں ہوتی، وہاں جا کر پہلا کام یہ کروں گا کہ اُس کو صاف کروں گا، پھر صاف کرنے کے بعد اذان دوں گا، اذان دینے کے بعد میں گلی گلی پھروں گا، اور لوگوں سے کہوں گا: "آؤ نماز کے لیے! آؤ نماز کے لیے!"، جب وہ سارے آئیں گے تو میں ان کو نماز پڑھاؤں گا، پڑھانے کے بعد ان سے کہوں گا: اپنے بچوں کو یہاں بھیجو! میں آپ کے بچوں کو قرآن پڑھاؤں گا، ناظرہ پڑھاؤں گا۔ اللہ نے جب علم دیا ہے تو اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے خادم بن جاؤ، چاہے ابتدا میں ہمیں قاعدہ پڑھانا پڑے، لیکن جب پڑھانا شروع کردو، چاہے دو بچے یا تین بچے یا چار بچے مل جائیں، مسجد میں بیٹھ جاؤ، پڑھانا شروع کردو، پھر اللہ برکت دے گا، آہستہ آہستہ ترقی ہوتی رہے گی اور کتابوں کا مرحلہ بھی آئے گا۔ (۱)

دعوت کے انتظار میں نہ رہیں:

حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں:

آپ جو کچھ پڑھ کر جا رہے ہیں تو اس کو پہنچانے کے لیے آپ اس بات

(۱) ماہنامہ بینات، رجب المرجب ۱۴۴۳ھ: ص ۱۹-۲۰۔

کے انتظار میں نہ رہیں کہ کسی مدرسے کے منتظمین آپ کو دعوت دیں کہ حضرت تشریف لائیے، ہمارے یہاں مشیخت حدیث خالی ہے، اسے آپ رونق بخشیے۔ اس انتظار میں کہ کہیں سے بخاری پڑھانے کی دعوت مل جائے تو ہی جاؤں گا، پڑھاؤں گا تو بخاری؛ ورنہ کچھ پڑھانا نہیں ہے، ایسا مت سوچنا، اس غلط فہمی میں مت رہنا؛ بلکہ اللہ ہم سے جو خدمت لے لے وہی بڑی سعادت کی بات ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے خاص شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو تاکیداً نصیحت کی تھی پڑھانے کا سلسلہ مت چھوڑنا، چاہے ایک شاگرد ہو۔ ایک ہو تو اس کو بھی پڑھانا۔ جس زمانے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مرادآباد جیل میں تھے، تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ ان کی ملاقات کے لیے مرادآباد گئے۔ تو دوران گفتگو انہوں نے حضرت سے پوچھا کہ آج کل کیا سلسلہ ہے؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میں قیدیوں کو قاعدۂ بغدادی پڑھا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کر حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا: واہ بھئی! واہ! دیوبند میں تو آپ بخاری شریف پڑھاتے ہیں اور یہاں قاعدۂ بغدادی پڑھاتے ہیں؟ تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جواب دیا؟ اس کو نوٹ کر لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا کام تو پڑھانا ہے، بخاری پڑھنے والے ملیں گے تو ان کو بخاری پڑھائیں گے، اور قاعدۂ بغدادی پڑھنے والے ملیں گے تو ان کو قاعدۂ

بغدادی پڑھائیں گے۔ قاعدۂ بغدادی پڑھائیں گے تو بھی ہم اپنا فریضہ "بلغوا عني ولو اٰية" اور "ليبلغ الشاهد الغائب" ادا کریں گے، اور بخاری پڑھائیں گے تب بھی، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کام کی نوعیت نہیں دیکھی جاتی، اخلاص دیکھا جاتا ہے کہ آپ کام کس طرح انجام دے رہے ہیں؟(۱)

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فضلا کو الوداعی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

امام ربیعۃ الرای رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "لا ينبغي لأحد عنده شيء من العلم أن يضيِّع نفسه" (جس آدمی کے پاس کچھ تھوڑا بہت بھی علم ہے؛ اُس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے)۔ علم کا تقاضا یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے کچھ علم عطا کیا ہے؛ وہ اپنے آپ کو ضائع نہ کرے، بلکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے اُس کی لاج رکھے، دینی حیثیت پہچانے اور اپنا کردار ادا کرے۔

میں اِس ارشاد کی روشنی میں علما سے عرض کیا کرتا ہوں کہ کسی عالم دین کا دین کی جدو جہد سے لاتعلق رہنا جائز نہیں، فتوے کی بات نہیں؛ ذوق کی بات کرتا ہوں کہ میں اُسے کبیرہ گناہ سے بھی بڑی چیز سمجھتا ہوں، اگر دین کی جدو جہد سے کوئی تعلق نہیں ہے تو کیوں؟ پڑھا کس لیے ہے؟ اس لیے

(۱) نصیحت گوش کن جانا: ص ۶۸-۶۹

اپنے علم اور تربیت کے حوالے سے دین کے کسی کام سے منسلک رہیں، جو کچھ پڑھا ہے اُس کے مطابق اپنی زندگی کو منظم کریں، تاکہ امت، ملت، وطن اور قوم وخاندان کو آپ کا فائدہ ہو۔ صرف اپنی ذات کا فائدہ نہ سوچیں؛ بلکہ اپنے خاندان، قبیلے، علاقے، قوم، وطن اور ملک کا فائدہ سامنے رکھ کر اپنی راہ متعین کریں۔ (۱)

دینی خدمات کے چار محاذ:

ہماری دینی خدمات کا دائرۂ عمل صرف مدرسہ، مسجد، اسٹیج ہی نہیں؛ بلکہ پورا معاشرہ، بازار، دفتر، عدالت، اسمبلی، بلکہ پورا عالم ہے۔ چناں چہ حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۴ر فروری ۱۹۸۸ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے والے طلبہ کے الوداعی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

اب میں آپ سے چار باتیں عرض کروں گا، جو حالات حاضرہ سے متعلق ہوں گی، ...... ان ہی چار محاذوں کا ذکر آپ سے کروں گا جن کے لیے بلند عزائم سپاہیوں اور دینی درسگاہوں کے فضلاء اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علمائے مخلصین کی ضرورت ہے، اور ان کے لیے اس سے بڑی سعادت نہیں ہوسکتی کہ وہ ان محاذوں میں اپنی صلاحیتوں، اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں:

(۱) ان میں سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ ہماری ملت اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ جائے، اور وہ صرف ذہنی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے

---

(۱) ماہنامہ نصرۃ العلوم، مارچ ۲۰۲۳ء: ص ۳۔

نہیں؛ بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے۔ اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے مدارس سے فارغ ہوں وہ اس محاذ کو سنبھالیں، آپ ابھی سے نیت کر لیجیے کہ ہم ان خطرناک اور نازک محاذ کے لیے سینہ سپر رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، اور اسباب مہیا کرے گا۔

(۲) دوسرا محاذ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی رہے، یعنی اپنے عائلی قانون، قرآن مجید کے نصوص اور احکام قطعیہ، نکاح و طلاق کے احکام، ترکہ و تعلقات کے احکام پر عمل کر سکے۔ (۱)

(۳) تیسرا محاذ پیامِ انسانیت کا ہے، ہم اس ملک میں اس طرح رہیں کہ اپنے دین کو باقی رکھنے کے لیے بھی، اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے، اپنے اداروں اور مرکزوں کو محفوظ رکھنے کے لیے بھی، دعوت کا کام کرنے کے لیے بھی، تعلیم و تالیف کا کام انجام دینے کے لیے بھی، با مقصد اور باعزت زندگی گذارنے کے لیے، اپنے مخصوص عقائد کے ساتھ، اپنے

---

(۱) مفکر اسلام ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ایک کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ کم سے کم امارت شرعیہ کے امارت کے نظام کو پھیلائیے! اور پورے صوبے میں اُس کا جال پھیلا دیجیے! کوئی گاؤں اور قصبہ اُس سے خالی نہ ہو، یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ مجھے اگر رشک آتا ہے اہل بہار پر؛ تو اِسی پر آتا ہے۔ یہاں اور بھی بہت سی رشک کے قابل چیزیں ہوں گی، میں اُن کا انکار نہیں کرتا لیکن مجھے سب سے زیادہ یہ رشک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس نعمت سے نوازا ہے کہ یہاں ایک نظامِ شرعی قائم ہے، اور لوگ اُس کی قدر نہیں سمجھ رہے ہیں، اور بہت سے لوگ اِس نظام کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ میں آج ریل میں کہہ رہا تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے بڑے سے بڑے آدمی سے قیامت میں سوال ہوگا: تم نے بغیر شرعی نظام کے زندگی گزار دی، تمہارا کوئی نظام نہیں تھا۔ کتنی سخت حدیثیں آئی ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی کانپ جاتا ہے۔ میں آپ سے صفائی کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد آپ اِس امارت شرعیہ کے کام کو وسیع اور مستحکم کریں، اور سارے صوبے میں اُس کی شاخیں بنائیں۔ (پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۳-۵۴)

پیغام ومقام کے ساتھ اس ملک میں زندگی گزار سکیں۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ فضا معتدل ہو، مشتعل اور آتش گیر نہ ہو، ورنہ کسی وقت بھی ساری کوششوں پر پانی پھر سکتا ہے۔

اسپین کا جو المیہ پیش آیا؛ اس میں ایک بات بہت نازک یہ ہے کہ وہاں علوم دینیہ کی بھی خدمت کی گئی، اور وہاں خدا تک پہنچانے کے لیے ایسے ایسے مجاہدے ہوئے جن سے چوٹی کے اولیاء پیدا ہوئے، لیکن ایک چیز سے اغماض برتا گیا، وہ یہ کہ وہاں کی اصل آبادی جو آٹے میں نمک کے برابر تھی، اپنی پوری سلطنت واقتدار کے باوجود سنجیدگی کے ساتھ اس کو اسلام سے مانوس کرنے اور اسلام کے دائرے میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہندوستان میں تو یہ عنصر زیادہ واضح طور پر ہے، مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سال تک علی الرغم حکومت کی، اور جب اخیر میں تصادم اور متضاد سیاسی تحریکیں چلی ہیں اور انھوں نے غیر مسلموں کے دلوں پر بڑے بڑے ناسور پیدا کردیے ہیں، اب اس کو "پیام انسانیت" کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے، اس کو میں نے بہت اختصار سے بیان کیا ہے، اس پر پورا لٹریچر تیار ہوگیا ہے، آپ اس کا مطالعہ کریں۔

(۴) چوتھا اور آخری محاذ: علوم دینیہ کی بقاء کی کوشش کرنا اور زمانے کے ساتھ ان کو تطبیق دینا ہے، اس طرح نہیں کہ زمانے کے تابع ہوں، بلکہ زمانے کے جائز اور واجب تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، اسی کی زبان

اورادب کی رعایت کے ساتھ علوم دینیہ کو زندہ رکھنے اور اپنا کام کرنے، اورزمانے کا نہ صرف ساتھ دینے بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں۔[۱]

ملک کی زبان اورادب سے ربط وتعلق:

مفکر اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

کسی ملک میں دین کی خدمت واشاعت اور وہاں کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو اُس ملک کی زبان وادب کا صاف ستھرا ذوق ہو، اور وہ مذاقِ سلیم اور معیارِ صحیح کے مطابق اُس میں اظہارِ خیال کرنے کی قدرت جیتی جاگتی زبان اور شگفتہ اندازِ بیان میں تصنیف وتقریر کی قابلیت رکھتے ہوں۔ دین کی دعوت اُس وقت بہت مؤثر ہوجاتی ہے جب اُس میں دل آویزی اور دل پذیری بھی ہو، اور یہ ایک ایسی نفسیاتی حقیقت اور امر واقعہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تک کو اپنی قوم کو خطاب کرنے اور ان کے دل ودماغ میں نفوذ کرنے کے لیے بہترین زبان دی گئی۔

آپ جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کی تاریخ اصلاح وتجدید میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا، اور مسلمانوں کے خیالات ورجحانات پر گہرا اَثر ڈالا، وہ عموماً زبان وقلم کی طاقت رکھتے تھے، اُن کی تصنیفات یا

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ- دسمبر ۲۰۱۵ء-، خطاب کا عنوان "نوجوان علماء کے نام ایک عظیم داعی کا پیغام"۔

تقریروں میں صحیح ادبیت اور بلاغت ہے۔ ہمیں اِن روایات کو قائم رکھنا چاہیے، اور اِس مقدس ترکے کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ہم اگر اب بھی دین کی مؤثر خدمت انجام دینا چاہتے ہیں، اور اپنے عقائد وخیالات کو عوام وخواص تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تصنیف وتقریر کے لیے شگفتہ اور سلیس زبان اور نیا اُسلوب اختیار کرنا پڑے گا، اور اپنی تصنیفات ومضامین اور تقریروں کو اُس ادبی معیار پر لانا ہوگا جو اِس زمانے میں قائم ہوگیا ہے۔ یہ نہ ثقاہت کے خلاف ہے اور نہ اسلاف کی روایات کے، بلکہ حکمت دین کے عین مطابق ہے۔ (۱)

بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں:

مفکر اسلام ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہمارا اور آپ کا بنیادی کام یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے کے لیے یا مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لیے آئندہ نسلوں کے دین اور عقیدے اور تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور بقا کے لیے بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں۔ (۲)

نیز فرماتے ہیں:

معاف کیجیے گا! میں اِس وقت عربی مدارس کی افادیت کا اتنا قائل نہیں ہوں کہ قصبے قصبے میں ہو، اور ہر جگہ دورہ ہو، اور ہر جگہ بخاری شریف ضرور

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۱-۵۲۔

(۲) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۲، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۱/ ۱۹۶

ختم ہو، لیکن اُن مکاتب کی ضرورت زیادہ ہے، یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف کرانا، اردو کا تحفظ اور دینیات سے واقفیت اور حلال وحرام؛ اوراس سے بڑھ کر کفر وایمان اور توحید وشرک؛ اُن کا امتیاز اُن کو ہوجائے۔ مکاتب کا جال بچھا دیجیے! مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنائیے! سب سے اخیر میں ملحدانہ انقلاب کے قدم جہاں پر پہنچیں گے وہ مسجدیں ہیں، اس لیے آپ ایسی جگہ اپنے مرکز بنائیے جہاں دیر میں انقلاب پہنچے، یا وہاں تک انقلاب پہنچتے پہنچتے قیامت آجائے، ممکن ہے موقع ہی نہ ملے۔ آپ مساجد کو مرکز بنائیے! اور کثرت سے مکاتب قائم کیجیے! اور بالکل اِس کی پرواہ نہ کیجیے کہ آپ نے مدرسے میں علوم عالیہ اور معارف وحقائق پڑھے تھے اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں سے باتیں کر رہے ہیں، آپ نے علم ضائع کیا، کبھی اس کا خیال نہ کیجیے! مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اسلام کا تحفظ۔ (۱)

اصلاح معاشرہ کا کام بھی کیجیے:

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

ہمارے طلبہ اس کو سمجھیں اور طے کریں کہ وہ لوگوں کو اصلاحِ معاشرہ کا پیغام دیں گے۔ اصلاحِ اخلاق ومعاملات کی بھی ضرورت ہے، مسلمانوں کے اخلاق ومعاملات بہت بگڑ رہے ہیں، اس کو بھی درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ معاملات بھی ٹھیک ہوں، اخلاق بھی صحیح ہوں۔ وہ

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۵۴-۵۵۔

شیریں گفتار ہوں اور میانہ رفتار ہوں، اور دوسروں کے لیے نمونہ بنیں۔
شہری زندگی میں بھی نمونہ بنیں، یعنی وہ ایسا نمونہ بنیں کہ لوگ دور سے
انہیں دیکھ کر کہیں کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے، دور سے اس کی روشنی آتی ہے،
وہ چمکتا ہے۔ جس طریقے سے پتھروں میں ہیرا چمکتا ہے اس طرح
مسلمان مسلمان دوسری قوموں میں چمکتا ہے۔ یہ سب ان کی
ذمے داریاں ہیں۔ (۱)

معاشرے میں عزت اور بے عزتی کا اصول:

جامعہ اشرف المدارس، کراچی میں تکمیل بخاری شریف کے موقع پر مولانا شفیق احمد بستوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فضلا کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

میرے استاذِ محترم مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل آخری الوداعی ملاقات میں فقیر سے فرمایا کہ مولوی صاحب! ایک بات ذہن میں رکھنا! اور آپ جس معاشرے میں چلے جاؤ؛ اپنے آپ کو اُس معاشرے اور ماحول کے لیے نافع اور مفید بنانے کی کوشش کرو! آپ کی نافعیت اور افادیت معاشرے کے لیے جس قدر بڑھتی جائے گی اُسی قدر آپ کی عزت، عظمت، مقبولیت اور محبوبیت بڑھتی چلی جائے گی، اور آپ کی نافعیت جس قدر کم ہوتی چلی جائے گی؛ لوگوں کے دلوں میں آپ کی عزت، قدر واحترام اُتنا ہی کم ہوتا چلا جائے گا۔ آپ کو اپنی عزت اور بے عزتی کا اصول ہم نے بتلا دیا۔

محبت فاتح عالم:

نیز فرمایا: حضرت مفکر اسلام ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”دریائے

(۱) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۳، بحوالہ: ملت اسلامیہ کا مقام و پیغام: ص ۱۶

کابل سے دریائے یرموک تک" میں لکھا کہ "جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اُس وقت چائنا کے اندر سات کروڑ مسلمان ہیں"۔ میرا اندازہ ہے کہ اِس کتاب کو لکھے ہوئے حضرت کے قلم سے کم وبیش ستّر سال کا عرصہ گذر چکا ہوگا۔ حضرت نے لکھا کہ "سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے سات عدد صحابۂ کرامؓ تاجروں کی شکل میں چائنا آئے تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں اِن چار اصولوں کو عملاً اپنایا: خوب محنت اور دیانت داری سے کام کرتے تھے، صبر وتحمل سے کام لے کر گاہک کی کسی بات پر ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے، بلکہ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصے میں اُن کا کاروبار خوب بڑھا، چائنا کے تاجروں نے بادشاہ سے جا کر شکایت کی کہ ان عرب تاجروں کو نکال دیں! ورنہ پوری معیشت پر مسلمان عرب قابض ہوجائیں گے، چناں چہ بادشاہ نے کچہری بلائی، عوام کا بہت بڑا ہجوم جمع کیا، عرب تاجروں یعنی صحابۂ کرامؓ کو بلایا اور اپنے تاجروں کو بھی بلایا جو شکوہ کرنے والے تھے۔

بادشاہ نے عوام سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کے ساتھ کاروبار کرنے کو پسند کرتے ہو؟

تمام لوگوں نے کہا کہ ہم عربوں سے کاروبار کرنا پسند کرتے ہیں۔

بادشاہ نے سبب پوچھا تو انہوں نے یہی چار باتیں بتائیں کہ صاحب! عرب لوگ بہت محنتی ہیں، ہمیں صبح بھی کسی چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو ہمیں اپنی چیز مل جاتی ہے، جب کہ ہمارے تاجر دیر سے دکانیں کھولتے ہیں۔

دیانت داری ان میں پائی جاتی ہے۔

صبر وتحمل عربوں کے اندر ہے، ہمارے تاجروں میں صبر وتحمل نہیں ہے، دو اور دو: چار، تُرکی بہ تر کی جواب دیتے ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ اُن میں حسن اخلاق ہیں، بڑی میٹھی، شیریں زبان سے بات کرتے ہیں۔

اس لیے ہمارے دل اِن کی طرف مائل ہیں اور ہم ان سے کاروبار کرنا پسند کرتے ہیں۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! یہ چار باتیں صحابۂ کرامؓ نے تجارت کے اندر اپنائیں، لیکن ان اصولوں کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت اِس طریقے سے پھیلا گئے کہ حضرت لکھتے ہیں کہ ”جس وقت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں؛ اُس وقت چائنا کے اندر سات کروڑ مسلمان ہیں“۔ کل قیامت کے دن صحابۂ کرامؓ جب میدانِ حشر میں آئیں گے تو ایک صحابی کے کھاتے میں ایک کروڑ مسلمان ہوں گے۔ یہ ہے ”محبت فاتحِ عالم!“۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! ہونہار طلبہ ساتھیو! میں نے بہت غور کیا!! یہ چار باتیں صرف کسی عالم کے لیے نہیں؛ بلکہ ہر اُس شخص کے لیے کار آمد ہیں جو کسی بھی طرح کی ذمے داری نبھاتا ہو، اور کسی بھی طرح کے منصب پر فائز ہو۔ تو میں اپنے طلبہ سے عرض کروں گا کہ ان چار باتوں کو اپنی عملی زندگی میں اپنائیں! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو ترقیات سے نوازیں گے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر آج ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے، اور اُن کو پتا چلتا کہ آج چائنا کے اندر مسلمانوں کی آبادی پاکستان کی کُل آبادی سے بھی زیادہ ہے، اُن کی تعداد تقریباً ۳۵ ر کروڑ ہے۔

میرے محترم دوستو اور حاضرین وسامعین! عرض یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے اندر اِن ذریں نصیحتوں کو اپنائیں، اور اپنی زندگی کو معاشرے کے لیے نافع اور مفید بنائیں۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ الأبرار، شعبان ۱۴۴۴ھ، مارچ ۲۰۲۳ء: ص ۳۵-۳۶۔

مداہنت سے کام نہ لیجیے:

نیز مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علما کا فرض ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بدعت، کوئی منکر اور غیر مسلموں کی تقلید کی دعوت سامنے آئے تو صاف کہہ دیں کہ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے منافی ہے۔......خاص طور پر علما کا فرض ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھیں کہ اسلامی معاشرے میں کوئی "رَاعِنَا" (یعنی غیر اسلامی چیزیں) دبے پاؤں تو نہیں چلا آرہا ہے!! جہاں آئے وہیں اس کو روک دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو وصیت کرتے ہوئے صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے: "میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو، جو ہدایت یافتہ تھے، اور اس پر مضبوطی سے ڈٹے اور جمے رہو۔ (۱)

مزید فرماتے ہیں:

آپ کا اور ہمارے اسلاف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پورے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی، اور وقت کے کسی فتنے کے سامنے سر نہیں ڈالا، انہوں نے بدعات و رسوم اور شعائر جاہلیت کے معاملے میں بھی مداہنت اور تساہل سے کام نہیں لیا۔ آپ کے اسلاف میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبل استقامت اور نقیب شریعت گذرے ہیں،

---

(۱) افتتاح بخاری و ختم بخاری: ص ۱۰۳-۱۰۴، بحوالہ: خطبات علی میاں: ۱/ ۳۶۸

جنھوں نے سب کچھ گوارا کرلیا، مگر خلافِ شریعت فعل اور کسی بدعت کے ساتھ رعایت نہیں کی۔ (۱)

احکامِ اسلام پر اعتراضات وغیرہ فضلا اور علما کے لیے بڑا چیلنج بن کر سامنے آرہا ہے، اس سلسلے پر اشتعال انگیزی اور جذبات کا بھڑکنا اور مشتعل ہونا فطری امر ہے، لیکن بسا اوقات مسلمانوں کا ردّعمل نسل نَو کے نوجوانوں کو تشفی و تسلّی نہ ہونے کی وجہ سے مذہب سے دور کردینے کا سبب بن جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے عقلی و نقلی انداز سے مثبت و سنجیدہ دلائل کے ساتھ ان لوگوں کی تردید کی جائے، ایسے لوگوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی اہمیت سے بھی کوئی انکار نہیں؛ تاہم ان کا علمی محاسبہ ضروری ہے، اس لیے پہلے فضلا کو خصوصی طور پر تیار کرنا اور اپنے آپ کو علمی طور پر مسلح کرنا ضروری ہے۔ دورِ حاضر کے چیلنج کو سمجھنے کے لیے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس موضوع پر کام کرنے والے علمائے کرام سے استفادہ کیا جائے، ان موضوعات پر اکابر کی تصنیفات اور مضامین کا بہ غور مطالعہ کیا جائے، اور نسل نو کے ایمان کی حفاظت کی جائے۔ (۲)

پانچ قسم کی فکریں:

مصر کی جیل سے مشہور عالم ''ڈاکٹر صلاح سلطان'' سرزمین ہند کے ہر بزرگ اور ہر جوان عالم کے نام پیغام (جو اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے چھبیسویں سیمینار کے لیے ۲۰ر فروری ۲۰۱۷ء کو لکھا گیا) میں تحریر فرماتے ہیں:

سرزمین ہند کے میرے پیارے بزرگ اور نوجوان علمائے کرام مجھے اجازت

(۱) پاجا سراغِ زندگی: ص ۱۱۹، بحوالہ: افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۱۰۴-۱۰۵۔

(۲) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۳ھ: ص ۴۷۔

دیں کہ میں ان فکروں اور امنگوں میں آپ کو شریک کرسکوں، جنہوں نے مجھے بے چین اور بے تاب کر رکھا ہے، ان سب کو سمیٹنا چاہوں تو سارا مدعا اس میں سمٹ آتا ہے کہ "مَنْ اَنْصَارِيْ إِلَی اللّٰهِ" (کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا دست و بازو بنے؟)(۱)۔ اور انہیں پھیلاؤں تو تفصیل اس طرح ہے:

پہلی فکر، انفرادی سطح پر ہر ایک عالم کے لیے:

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری راتیں تہجد اور ہمارے دن علم کی جدو جہد سے آباد رہیں، ذکر و فکر، گریہ وزاری، دعا و استغناء اور خوف و رجاء کی کیفیت سے ہمارے شب و روز رنگین رہیں۔

دوسری فکر، خاندانی سطح پر:

ہم بھرپور کوشش کریں کہ ہم میں سے ہر عالم دین اس ارشاد رسالت کا پیکر بن جائے کہ "تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو"(۲) ہر لحاظ سے بہترین رویہ اختیار کریں، دل کی محبت ہو، ذہن کی ہم آہنگی ہو، یا جسم کی قربت ہو، ضروری ہے کہ ہم سب سے بہتر رہیں، ہم آگے آئیں عورتوں کو انصاف دلانے کے لیے اور انہیں عزت و رفعت والا مقام دلانے کے لیے۔ ہندوستان کے علماء کو چاہیے کہ وہ سب سے آگے بڑھ کر لڑکی کو پیدائش سے پہلے ہی زندہ درگور کرنے کے ظالمانہ رجحان کے خلاف آہنی دیوار بنیں، وہ جہیز کی غلط رسم کو ختم کرنے کا تہیہ کریں، کیوں کہ اس کی کوکھ سے بہت سے خطرناک قسم کے خلاف شرع امور جنم لیتے ہیں۔

---

(۱) آل عمران: ۵۲

(۲) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۸۹۵، حکم الحدیث: صحیح۔

تیسری فکر، سماجی سطح پر:

ہمارے سماج میں ایک دوسرے سے قربت بڑھے اور سماج کا شیرازہ مضبوط ہو، اس کے لیے جد وجہد کرنا ہماری ذمہ داری ہے، ہمارے تعلقات اپنے عزیزوں، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ نمونے کی حد تک مضبوط ہو جائیں۔

چوتھی فکر، وطن اور ریاست کی سطح پر:

لازم ہے کہ ملک کی تعمیر میں ہمارا رول لادینی دھاراؤں اور پارٹیوں سے بھی زیادہ نمایاں ہو، وہ وطن دوستی اور اس کے تقاضوں کی تجارت کرتے ہیں اور انہیں بازارِ سیاست میں نیلام کرتے ہیں، ہم اپنی جد وجہد اور اپنی اپروچ سے ایک زندہ ثبوت پیش کریں کہ ہم دین اسلام کے بھی وفادار ہیں اور جس وطن میں ہم جیتے ہیں اس کے بھی سب لوگوں سے زیادہ وفادار ہیں، پنچایت سے لے کر پارلیمانی انتخابات تک اور سرکاری عہدوں اور مناصب کے ہر مقابلے میں پوری قوت اور سنجیدگی کے ساتھ شریک ہوں، اور اس پوری جد وجہد میں ہمارے پیش نظر مسلمانوں سے پہلے ملک کے تمام لوگوں کا فائدہ رہے۔

ہم پانچ اصولوں کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں اپنا شعار بنالیں:

(۱) عبادت صرف اللہ کی۔ (۲) خبر گیری سارے انسانوں کی۔ (۳) تعمیر پوری زمین کی۔ (۴) قانون کی بھرپور پابندی۔ (۵) اور حکومت کے ساتھ پورا تعاون (ان تمام امور میں جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں)۔ علما کی ذمہ داری ہے کہ فکر وشعور اور دعوت تحریک میں پوری امت کے آگے آگے چلیں تاکہ امت کی راہ روشن رہے، اسے اکثریتی دھارے میں ضم ہونے سے بچایا جاسکے۔

پانچویں فکر، امت مسلمہ اور پوری دنیا کی سطح پر:

ہم قرآن وسنت کی صراحت کے مطابق ایک امت ہیں، اچھی طرح سمجھ لیں کہ امت کے مسائل کا اصل محور جس کے اردگرد سارے مسائل گھوم رہے ہیں؛ وہ مسجد بیت المقدس اور فلسطین کا ایشو (issue) ہے، میں آپ سے خداواسطے التماس کرتا ہوں کہ مسجد اقصیٰ اور اس کی آزادی کا ایشو (issue) ہر تقریر، ہر کانفرنس، ہر گفتگو اور ہر محاضرے میں شامل رہے، ہر مجلہ، ہر اخبار، اور ہر چینل پر اس کا چرچا ہو، تاکہ مسجد اقصیٰ کی آزادی کے متوالوں اور ان کی گونج سے ساری دنیا بھر جائے۔[۱]

خدمت دین کے تین بڑے میدان:

حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ "معہد الامام ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیۃ" کے طلبہ سے کیے گئے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

......اس وقت دین کی خدمت کے تین بڑے میدان ہیں:

اول، حفاظت دین: حفاظت دین کے اندر پچاسوں کام آجائیں گے۔ مثلاً:

(۱) ہمارے تمام بچوں، تمام مردوں اور عورتوں کے عقائد صحیح ہوں۔

(۲) وہ قرآن صحیح سے پڑھیں۔

(۳) ارکان ادا کریں۔

(۴) ان کے پاس ضروری علم ہو۔

(۵) اور پوری امت تمام گمراہیوں سے محفوظ رہے۔

---

(۱) مکمل تفصیلی مکتوب کا ترجمہ دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ - جون ۲۰۱۷ء-، بعنوان "ایک مرد حق آگاہ کا پیغام علما کے نام"۔

(۶) ہمارے بچوں اور نسلوں کو صحیح تعلیم ملے، اور وہ غلط تعلیم سے محفوظ ہوں۔ ہمارے کروڑہا کروڑ بچے جو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں پڑھتے ہیں وہاں ان کو کیا پڑھایا جارہا ہے؟ کس قدر ان کے عقائد کو مسخ کیا جارہا ہے؟ یہ سب حفاظت دین کے تقاضے ہیں، اور علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھیں۔

(۷) بحیثیت مجموعی علما کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ نظر رکھیں کہ ملک کے قانون ساز ادارے کون سے قانون بنارہے ہیں، اور ان سے شریعت کے کن احکام کی خلاف ورزی پر مسلمان مجبور ہوں گے، کونسا قانون بننے والا ہے اور کونسا بن چکا ہے؟

(۸) پھر عدالتوں کے فیصلے پر نظر رکھنے والی ایک جماعت ہونی چاہیے کہ عدالت کیا کیا فیصلے نافذ کررہی ہے، اور ان سے شریعت کے کن کن احکام پر عمل کرنا دشوار ہوسکتا ہے؟

(۹) نیز لوگوں کو سودی قرض لینے سے روکنے کی کوشش کے علاوہ ملک کے قانون کا لحاظ کرتے ہوئے بنیادی اداروں کے قیام کی کوشش کرنا، تاکہ لوگ اسلامی طریقے پر قرض لیں اور اس کے امکانات تلاش کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

(۱۰) ملک کا میڈیا اور عالمی ذرائع ابلاغ اسلام کے خلاف کیا کیا زہر اگل رہے ہیں؟ اس پر نظر رکھنا اور اس کو دفع کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اور یہ سب حفاظت دین کے دائرے میں آتا ہے۔

یہ دائرۂ اسلام سے باہر اور کفر کی طرف سے جو حملے ہورہے ہیں اس کا ذکر تھا۔ ”خارجی حملے“ ایک بڑا عنوان ہے، اور اندرون امت میں حفاظت کے بہت سے کام ہیں، مثلاً:

(۱) جو مختلف فرقے، گروہ یا نقطہائے نظر و مسالک ہیں، ان کی طرف سے کیا اعتراضات ہورہے ہیں؟

(۲) ہمارے عوام میں کیا کیا بدعات ورسوم رائج ہیں؟ کس طرح ان کوان بدعات ورسوم سے نکالا جائے اور دین کوتحریف سے بچایا جائے؟

(۳) جولوگ دین کی حقیقت کونہیں سمجھتے وہ دین کی غلط تفہیم وتشریح کررہے ہیں، اس کا دفاع کیا جائے، اور بتلایا جائے کہ اسلام کی تعلیم اس سلسلے میں یہ ہے، ......اور بہت مثبت، حکیمانہ، منطقی، معقول اور مانوس کرنے والا انداز اختیار کریں، متنفر کرنے والا انداز اختیار نہ کریں۔

(۴) اس کے علاوہ مکاتب کا قیام حفاظت دین کے لیے ضروری ہے، اور بہت بڑا کام ہے۔

(۵) نیز ہر ایمان والا ارتداد سے بچے اور کم ازکم اسلام کی ضروری مسائل جانے، یہ بھی حفاظت دین کا بہت بڑا تقاضا ہے۔

اور ایک ہی آدمی کے لیے سارے کام کرنا ضروری بھی نہیں ہے، اور ہر ایک سے اس کا مطالبہ بھی فطری نہیں، ہاں! انسان کواس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ میں فلاں میدان میں کام کرسکتا ہوں، البتہ دوسرے کاموں کو نہ غیر اہم سمجھنا چاہیے اور نہ ان کے کرنے والوں پر نکیر کرنی چاہیے، البتہ بحیثیت مجموعی علماء کی اتنی ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ اس بات کا شعور رکھیں کہ ہمیں داخلی فتنوں سے بھی امت کو بچانا ہے، اور خارجی فتنوں سے بھی۔

دوم، اشاعت دین: اشاعت دین کا مطلب ہے دنیا کے تمام انسانوں تک اسلام کو پہنچانا، صرف مسلمانوں کے تمام طبقات تک صحیح دین کو پہنچانا ہی اتنا زبردست کام ہے کہ اس کے لیے کروڑوں کارکن درکار ہیں، یہ بہت بڑا کام ہے، مراحل میں تقسیم کرکے اس کو کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے جو بھی جائز ذرائع اختیار کیے جاسکتے ہیں وہ اختیار کیے جائیں۔

اس وقت عالمی حالات بھی کچھ اس طرح بن گئے ہیں کہ اشاعت دین کا کام آج کے ان حالات میں جتنا آسان ہے، پہلے کبھی اتنا آسان نہیں ہوا، ایک تو اس لیے کہ اسلام اس وقت موضوع بحث بنا ہوا ہے، اور جو چیز موضوع بحث بنی ہوئی ہو اس میں کسی نقطۂ نظر پر بات کرنا اور لوگوں کو متوجہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر ہر ملک اور علاقے کی صورت حال الگ ہے۔ ہم اپنے ملک کی بات کرتے ہیں، ہم مختلف انداز سے غیر مسلموں کو ہمارے یہاں چائے ناشتے یا کھانے پر بلا کر ان کو اپنے اخلاق واعمال سے اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں۔

<u>سوم، اقامت دین:</u> حفاظت اور اشاعت کے بعد مرحلہ آتا ہے اقامت دین کا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے ہاتھوں میں حکومت آجائے، اور ہم ہی لوگوں کو انصاف دلائیں، یہ اسلام کی صحیح ترجمانی نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ کوشش کریں کہ نظام حکومت عادلانہ ہو جائے۔...... ان دونوں طریقۂ فکر میں بہت فرق ہے۔ (ہاں! البتہ ہماری مخلصانہ تمنا یہ ہونی چاہیے کہ چوں کہ اسلام پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کا نسخۂ کیمیا لے کر آیا ہے، اس لیے اہل اقتدار اس کے عدل وانصاف اور امن پر مبنی نظام حیات پر غور کریں، اور اس کو سمجھ کر اپنے ملک میں نافذ کرنے کوشش کریں تاکہ کمزوروں کو ان کے حقوق ملیں اور لوگ غربت، جہالت اور بدامنی سے نکلیں)۔ [1]

ہر ملک کے علما کا فرض ہے کہ وہ اس پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور وفکر کریں کہ

---

(۱) شرعی نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس پر عمل کرنے سے سب سے پہلے معاشرے کے دو اہم مسائل حل ہوتے ہیں: روزگار اور امن۔ ایمان داری سے رزق ملتا ہے، اور انصاف سے امن قائم ہوتا ہے۔ یہ خدا کا آفاقی وعدہ ہے، یہ خدا کا تکوینی قانون ہے، جس علاقے کے عوام میں دیانت ہوگی وہاں روزی روزگار وافر ہوں گے، جہاں کے حکمراں انصاف کریں گے وہاں امن وامان عام ہوگا، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے۔ (پاجا چراغِ زندگی: ص ۴۱۷)

ہمارے ملک میں اقامت دین کی ابتدا کس مرحلے سے ہونی چاہیے۔[۱]

سیاست کے باب میں اکابر دیو بند کا طریقہ:

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: اکابر علمائے دیو بند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دار العلوم دیو بند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں تو کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آزادی ہند کے سلسلے میں تحریک خلافت میں مؤثر حصہ لینے لگے تو دار العلوم دیو بند سے الگ ہو گئے۔[۲]

امامت اگر نصیب ہو جائے……:

حضرت مفتی طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: امامت اگر نصیب ہو جائے تو اُسے نعمت خداوندی سمجھ کر ضرور حاصل کریں۔ لیکن اس کی وجہ سے نہیں کہ تنخواہ ملے گی؛ بلکہ یہ سوچ کر کہ ہمارے پیشوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی امامت کی ہے۔ اس سے آپ کا کام کا بڑا میدان ملے گا۔ علم کی نشر و اشاعت آج کے دور میں جتنی بہتر اِس پلیٹ فارم سے ہو سکتی ہے اُس سے بہتر کسی اور راستے سے مشکل ہے۔

اولاً: تو اس لیے کہ لوگوں کی فرض نماز آپ کی امامت میں ادا ہو گی۔ اس سے بڑی سعادت کیا ہو گی!؟

ثانیاً: کتابی تعلیم کا اسٹیج آپ کو ملے گا۔ اسے آپ یوں سمجھیں کہ یہ ایک درس ہے، آپ اس کی پہلے سے بھرپور تیاری کیجیے! قلیل الاستعمال الفاظ کے معانی، مشکل جملوں

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ – مارچ ۲۰۱۵ء –، بعنوان ”دور حاضر اور علما کی ذمہ داریاں“۔

(۲) پاجا چراغِ زندگی: ص ۶۰۔

ومضامین کی عام فہم سادہ تشریح کیجیے! بہت سے لوگ جو کتابی تعلیم میں شریک نہیں ہوتے؛ من جملہ اُس کی وجوہات کے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے بے چاروں کو کچھ پلّے ہی نہیں پڑتا، اور شرکت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اُن کی ہوتی ہے جو تبرکاً یا کسی کے لحاظ میں بیٹھ جاتے ہیں۔

ثالثاً: جمعہ کا بیان اتنی نایاب نعمت ہے کہ اگر کوئی اسے ڈھنگ سے استعمال کرلے تو قسط وار پوری شریعت سے اپنے نمازیوں کو روشناس کرسکتا ہے۔

رابعاً: اگر یومیہ درسِ قرآن کی ترتیب بن جائے تو کیا کہنے! ورنہ ہفتہ واری سلسلہ بھی اگر شروع کردیا جائے تو کتنی بڑی خیر وجود میں آسکتی ہے!! بہت سے شہروں میں اس جہت سے قابلِ تعریف وتقلید کام ہورہا ہے، جیسے: بھٹکل وغیرہ۔

خامساً: بڑی عمر کے نمازیوں میں بعضوں کی قرآن، دینیات وغیرہ ضروری تعلیم کسی وجہ سے جزءًا یا کلًّا باقی رہ جاتی ہے، آپ اُن کی تعلیم کا بیڑا اُٹھالیں تو کیا کم کام ہوگا!؟

سادساً: ابھی جو تازہ ویڈیو "مسجد رحمۃ للعالمین" کی آئی ہے اُس نے تو یوں کہیے کہ ایک شاہراہ ہی کھول دی کہ ذرا سی فکر وتنظیم ہوجائے تو کتنا بڑا کام کتنی آسانی سے ہوسکتا ہے!![1]

جو حضرات امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اُنہیں اس بات کی حرص ہونی چاہیے کہ اُن کے وجود سے علاقے کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دینی نفع پہنچے، اور لوگوں کا تعلق مساجد کے ساتھ قائم ہو، مکاتب کو فعال کیا جائے، اور ترغیب دے کر بچوں کو

---

(۱) ایک پیغام فضلا کے نام: ص ۲۳-۲۴۔

وہاں لایا جائے، تاکہ محلے کا ایک بھی بچہ ایسا نہ رہے جو کم ازکم ناظرہ قرآن مجید پڑھنے سے محروم ہو۔ اسی طرح لوگوں کو قرآن کریم حفظ کرانے کی ترغیب دلائی جائے، تعلیم بالغہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ اس مقدس کام کے لیے خود وقت دیا جائے، نوجوان طبقے کو دین سے مانوس کرنے کی سعی کی جائے، اور اُن کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے بھی وقت دیا جائے۔ جن مساجد میں تبلیغی جماعت کے حلقے قائم ہیں اُن سے ربط وتعلق رکھا جائے، ان کی بھرپور اعانت وسرپرستی کی جائے، اور نوجوانوں کو ترغیب دے کر تبلیغی جماعت سے وابستہ کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔ (۱)

ائمۂ مساجد کے چار اہم کام:

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ائمۂ مساجد کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

منبرو محراب آپ کے پاس بہت طاقتور ذریعہ ہے،...... (لہٰذا اگر) آپ مسجد کے امام ہیں یا خطیب، تو خود کو صرف نماز پڑھانے اور جمعہ کا بیان کرنے تک محدود نہ رکھیں، ممکن ہوسکے تو مندرجۂ ذیل امور کا اہتمام کرنے کی سعی فرمائیں:

(۱) درس قرآن مجید: روزانہ، ورنہ ہفتے میں ایک دن ضرور مقرر کرکے اہل محلہ کے لیے عمومی درس قرآن مجید کا اہتمام فرمائیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر تیاری بھی کریں، .... البتہ ایک بات کا خیال رکھیں کہ عمومی درس قرآن میں صرفی نحوی ترکیبوں اور خالص علمی اسلوب اختیار نہ کریں، بلکہ "عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" (ان کی سمجھ کے اعتبار سے)

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۷۲-۷۳۔

پیرایۂ گفتگو اختیار کریں۔...... رات کے اخیر پہر رب کریم سے اپنی اور اہل محلہ کی ہدایت کی مخلصانہ دعائیں آپ کی محنت کو ثمر آور کردیں گی۔[۱]

(۲) درس حدیث: پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا درس حدیث ضرور دیں۔ اس سلسلے میں "کتاب الاخلاق، کتاب البر والصلۃ، کتاب الرقاق، کتاب المعاشرۃ والمعاملات، کتاب أشراط الساعۃ" خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی "معارف الحدیث" آپ کی بہترین رفیق ہوسکتی ہے۔

(۳) فقہی مسائل کا بیان: کسی ایک نماز کے بعد دعا سے قبل نمازیوں کو روزانہ صرف ایک مسئلہ بتانے کا اہتمام فرمائیں۔ ایسے روزمرہ پیش آمدہ مسائل جن کے بارے میں عوام مبتلا ہوجاتے ہیں؛ مختصر اور عمومی انداز میں شرعی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ "بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا" کی ہدایت کے ساتھ حکمت و دانائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب میں احتیاط برتی جائے، فرقوں یا افراد کے ناموں کے ساتھ تنقید کے بجائے صحیح مسائل کو سامنے رکھا جائے۔ (اس موضوع پر مفتی سلمان منصور پوری صاحب مدظلہ کی "کتاب المسائل" بہت مفید ہے)

(۴) جمعہ کا بیان: جمعہ کا بیان بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔...... جتنا شاندار

---

(۱) ۷۰، ۸۰/ سال پہلے کی بات ہے، دمشق کی ایک چھوٹی سی مسجد میں شیخ علی دقرؒ نماز فجر کے بعد درس دیا کرتے تھے، شیخ کے ایک شاگرد نے ان سے پوچھا: ہم کئی اہل علم کے مواعظ اور تقریریں سنتے ہیں، لیکن جو تاثیر آپ کے بیان میں ہے وہ کہیں نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ نے ابتدا میں انہیں طرح دیا، لیکن اصرار کرنے کے بعد فرمایا: بھائی! آپ اصرار کررہے ہیں تو بتائے دیتا ہوں کہ اس درس کے لیے میں رات کے آخری پہر میں قرآن کریم کے ۱۰/ پارے پڑھتا ہوں، اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑاتا ہوں کہ میرا یہ درس اور گفتگو سننے والوں کے لیے مفید ثابت ہو۔ ظاہر ہے؛ ایسے اللہ والے کے وعظ میں اثر کیوں نہ ہوگا!! (کرنیں: ص ۱۰۰-۱۰۱)

اسلوب بیان ہوگا، ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کی کیفیت ہوگی، اسی قدر لوگوں کی حاضری زیادہ ہوگی۔ جمعہ کے دن لوگوں کی حاضری کو اللہ پاک کی عنایت سمجھیے، اس موضوع کو سرسری بیان میں ضائع مت کیجیے، جمعہ کے بیان کے لیے کوئی موضوع سوچ کر ہفتہ بھر اس کے لیے محنت کیجیے، محض فضائل کے بیان پر اکتفاء نہ کیجیے؛ بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیجیے، اسلامی اعتقادات، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اسلامی اخلاق ومعاشرت، صحابۂ کرام کا مقام ومرتبہ، صحابہ کے طرزِ معاشرت کا بیان، عصر حاضر میں پھیلے، گمراہ کن جدید فتنوں سے آگاہی، خصوصاً جدیدیت کے طوفان سے امت کو بچانے کی فکر کریں، بدعات ورسوم کی بیخ کنی کے لیے بھی لسانی جدوجہد کریں۔......اس سلسلے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کریں، احقاق حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں“۔ (۱)

جمعہ کے بیانات کیسے ہوں؟

جمعہ کے خطبات کیف ما اتفق نہ ہوں؛ بلکہ اُن کے لیے اہم دینی موضوعات کو ایک خاص ترتیب سے منتخب کیا جائے، اور جس موضوع پر خطاب کرنا ہو اُس کے لیے پوری تیاری کی جائے، نیز مؤثر انداز میں موضوع کا حق ادا کیا جائے، خطابت میں ترغیبی پہلو کو غالب رکھا جائے، اور بات ایسے نپے تُلے انداز میں کی جائے جس سے نہ صرف بات ذہن نشیں ہوجائے؛ بلکہ سامعین کی فکری، عملی اصلاح بھی ہو، نیز نجی محفلوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین؛ خصوصاً اپنے اکابر کے حالات وواقعات اور ملفوظات وارشادات بیان کرنے کا اہتمام کیا جائے، اکابر کی مستند حکایات وواقعات بیان کرنے سے اکابر سے عقیدت پیدا

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ - مارچ ۲۰۱۷ء-، بعنوان ”علماء وخطباء اور ائمہ مساجد کے نام حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کا خاص مکتوب، اہم وصیت اور زندگی کی آخری تحریر“۔

ہوگی، اور یہی تمام بدعات اور سارے فتنوں کا تریاق ہے۔ [۱]

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ "مواعظ جمعہ کچھ مخلصانہ مشورے" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

......خطاب اصلاحی اور مثبت موضوعات پر ہو، اور خاص طور پر سماجی مسائل کو ایک ترتیب کے ساتھ موضوعِ گفتگو بنایا جائے۔ بیانات میں موقع وحال کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے، جیسے ہجری سال کی ابتداء میں ہجرت اور ہجری تقویم، محرم میں یوم عاشوراء، صفر میں برکت ونحوست کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر، ربیع الاول میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ، رجب میں واقعۂ معراج کا عبرت خیز پہلو، نماز کی اہمیت، شعبان میں شب براءت، انفاق اور توبہ، رمضان المبارک میں روزے، قرآن مجید، احکام زکوٰۃ، اعتکاف اور قیام لیل کے فضائل، ذوالحجہ میں حج اور قربانی وغیرہ مسائل پر خطاب کیا جائے، اسی طرح شوال میں دینی مدارس کے آغاز کی مناسبت سے دینی مدارس کی اہمیت، جون میں عصری تعلیم کے آغاز کی رعایت کرتے ہوئے عصری تعلیم کی اہمیت، الیکشن کے زمانے میں ووٹ کی شرعی حیثیت۔

اس طرح کے موضوعات پر اظہار خیال سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی دین سے مربوط ہے، ان بیانات کو اختلافی مسائل کے بیان کے لیے استعمال نہ کیا جائے، اور نہ امت کے کسی طبقہ کی دل آزاری کی جائے۔ [۲]

اگر آپ مسجد کے امام ہیں تو آپ کے لیے بیت العلم ٹرسٹ کی "تحفۃ الائمۃ" نامی

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۷۳-۷۴۔

(۲) شمع فروزاں: ۲/ ۱۵۴-۱۵۹

کتاب، مولانا عبدالحفیظ ایلولوی صاحب زیدمجدہٗ کی کتاب "نهج الأئمة في إصلاح الأمة" اور مفتی عنایت الکریم صاحب مدظلہٗ (استاذِ حدیث جامعہ رحیمیہ، ملتان) کی مرتبہ مفید ترین کتاب "امامت کورس" کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

تاثیر بیان وقلم کا نسخہ:

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا؟؟ وہ پشاور سیرت کے ایک جلسے میں تقریر کے لیے گئے، دو دن تقریر کرنی تھی، پہلے دن تقریر کی جو جمی نہیں، فرماتے ہیں: "مجھے بھی اپنی تقریر کے نہ جمنے کا احساس تھا، قیام گاہ پر آیا تو دعا کی ایک اضطراری کیفیت طاری ہوئی، جو اکثر رنگ لاتی ہے، میں نے خدا کے سامنے اپنے عجز اور نااہلیت کا اقرار کرتے ہوئے مدد کی دعا کی۔ دوسرے دن کا جلسہ اصل جلسہ تھا، سردار عبدالرب نشتر بھی تشریف رکھتے تھے، ...... مجھے معلوم نہیں کہ اس وقت مضامین کا ورود کہاں سے ہورہا تھا اور زبان میں طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ میں خود بھی اس کے زور میں بہہ رہا تھا اور مجمع بھی مسرت سے سرشار تھا، دیکھنے والوں نے بتلایا کہ عبدالرب نشتر چہرے پر رومال رکھے ہوئے تھے اور آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ تقریر ختم ہوئی تو بہت سے پٹھان اٹھ کر سامنے آئے اور کہا کہ کیا حکم ہے؟"۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق طریقے سے اور حق نیت سے کہی جائے، کبھی بے اثر نہیں جاتی۔ بات اثر نہ کرے تو سمجھ لیجیے: ان تین میں سے کسی ایک میں جھول ہے، یا بات حق نہیں، یا طریقہ اور کہنے کا اسلوب مناسب نہیں، یا پھر نیت میں اخلاص کے بجائے فتور ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ "الہلال میں لکھتے، اور پڑھنے والوں میں زندگی دوڑا دیتے۔ مجاہدین بلقان کے کارناموں پر مولانا کا قلم آج بھی دل کو ایک ولولۂ تازہ بخشتا ہے۔ مولانا کا بلند اسلوب، معیاری تعبیر اور ادبی زبان اپنی جگہ؛ لیکن آپ کے قلم کی تاثیر کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جو کچھ لکھتے؛ خلوص میں ڈوب کر لکھتے۔ بلقان کے ایک مجاہد نے اپنی بیوی کے نام ایک ایمان افروز اور ولولہ انگیز خط لکھا تھا، مولانا نے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ ترجمہ چوتھی بار کیا ہے، پہلی تین بار ترجمہ کرتے ہوئے آنسوؤں کا ایسا سیلاب امنڈ آتا کہ مسوّدہ بھیگ کر روشنائی بہہ جاتی، چوتھی بار بڑے ضبط کے بعد یہ ترجمہ مکمل ہوا ہے۔ جب لکھنے والے کی کیفیت کا یہ عالم ہوگا، پڑھنے والے پر اس کا اثر کیوں کر نہ ہوگا؟؟ فارسی مقولہ ہے: "از دل خیزد، بر دل ریزد" دل سے نکلنے والی بات دل پر جالگتی ہے۔ لیکن اگر تحریر یا بیان صرف لفظوں کی تُک بندی پر مشتمل ہو، خلوص کی برکھا اور جذبے کی حرارت اس میں موجود نہیں تو ایسی تُک بندی بَرگ ریز تو ہوسکتی ہے؛ بارآور نہیں۔

جگر مرحوم نے کہا تھا۔ ؎

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

یقین کا نور، خلوص کی برکھا (برسات) اور جذبے کی حرارت "نسخۂ تاثیر کلام" کے وہ اجزا ہیں جن کے بغیر کلام مرکب تو ہوسکتا ہے؛ مؤثر نہیں۔ [1]

(۱) کرنیں: ص ۱۰۱-۱۰۲۔

ملکی حالات کے اعتبار سے آپ کے لیے کام کے مندرجۂ ذیل میدان ہو سکتے ہیں:

(۱) افتاء وقضاء۔ (۲) تدریس کتب عالمیت۔

(۳) تحفیظ قرآن۔ (۴) نظامتِ مدارس۔

(۵) تصنیف وتالیف۔ (۶) درسِ قرآن وحدیث۔

(۷) ناظرہ ودینیات۔ (۸) تزکیہ واحسان۔

(۹) عصری اسکول کا قیام وتاسیس۔ (۱۰) دعوت وتبلیغ۔

(۱۱) عصری علوم کی تکمیل (لاء، میڈیکل، ڈگریاں، پی-ایچ-ڈی)۔

(۱۲) اسلامک بینکنگ۔ (۱۳) ختم نبوت۔

(۱۴) مسلم پرسنل لاء۔ (۱۵) جمعیۃ علماء۔

(۱۶) غیر مسلموں میں تعارفِ اسلام۔ (۱۷) پیامِ انسانیت۔

(۱۸) بیت المال۔ (۱۹) امدادی وتعاون کا کام۔

(۲۰) امامت۔ (۲۱) خطابت۔

(۲۲) سلسلۂ محاضرات ولیکچرس۔ (۱)

خدمت دین کے لیے تقسیم کار:

الغرض؛ دین کے مختلف شعبے ہیں، اور ہر شعبے کی خدمت کئی طریقے سے ہوسکتی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ ہر خدمت ہر شخص انجام نہیں دے سکتا، اُس کے لیے کسی نہ کسی شعبے کا انتخاب ضروری ہے، اپنے لیے شعبے کا انتخاب کرتے وقت چند امور پیشِ نظر رکھ لیں:

---

(۱) تیری رہبری کا سوال ہے: ص ۳۶-۳۷۔

(۱) اپنی اُفتادِ طبع اور ذاتی میلان ورجحان۔

(۲) آپ کو دست یاب مواقع اور خدمت کے لیے موجود میدان۔

(۳) اساتذہ اور مشائخ کی رائے ومشورہ۔

(۴) کون سا شعبہ ضرورت کے اعتبار سے آپ کی توجہ کا زیادہ مستحق ہے؟

(۵) اپنا خاندانی پس منظر اور علاقے کی ضروریات۔

(۶) آپ کے ذاتی مسائل اور درپیش مشکلات۔ (۱)

فضلا کی تین قسمیں:

اس سلسلے میں حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھا تجزیہ پیش کیا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

مدرسوں سے نکلنے والے طلبہ تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن میں مطالعہ کرنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی، نہ عربی مطالعے کی استعداد پیدا ہوئی اور نہ اردو مطالعے کی، ایسے طلبہ اگلے سال جماعت میں جائیں، یا کسی مسجد میں امام بن جائیں، یا کسی مکتب میں پڑھانے لگ جائیں، اس لیے کہ یہ بے چارے اس قابل نہیں کہ مطالعہ کریں۔ مگر یہ حضرات بے کار نہیں ہیں، یہ بھی بہترین لوگ ہیں، آخر لاکھوں کروڑوں مسجدیں ہیں، مکاتب ہیں، انہیں کون سنبھالے گا؟ جو شیخ الحدیث ہے وہ گاؤں کی مسجد میں امام بنے گا؟ وہاں تیسرے درجے کے فضلا کی ضرورت ہے، گاؤں گاؤں شہر شہر جماعت لے کر گھومنا ہے، جو مدرسے میں پڑھانے اور شیخ الحدیث بننے کے قابل ہے وہ جماعت لے کر تھوڑے

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۴۲-۲۴۳۔

گھومے گا، سب پڑھا ہوا ختم ہوجائے گا، جماعتیں لے کر گھومنے کے لیے بھی آدمی چاہیے، پس یہ طلبہ ان کاموں میں لگیں۔

اور دوسرے وہ ہیں جن کی عربی استعداد ابھی کما حقہ نہیں بنی، لیکن اگر وہ ایک دو سال لگائیں تو ان کی استعداد پختہ ہوسکتی ہے، ایسے طالب علموں کی اردو استعداد تو ہوتی ہے؛ لیکن وہ ایک دو سال اور پڑھیں تو ان کی عربی استعداد پختہ ہوسکتی ہے، وہ ابھی جماعت میں نہ جائیں، وہ اپنی تعلیم جاری رکھیں، اور اپنی استعداد پختہ کریں، پھر بعد میں پوری زندگی ہے، جماعت میں بھی جاؤ، دوسرے کام بھی کرو، دین کا ہر کام آپ ہی کو کرنا ہے، مگر ابھی تعلیم جاری رکھیں، پھر جب عربی کی استعداد پختہ ہوجائے، عربی کتابیں مطالعہ کرنے کے قابل ہوجائیں، اب ان کی استعداد پختہ سمجھی جائے گی۔

اور تیسرے وہ فضلا ہیں جن کی استعداد اللہ کے فضل سے پختہ ہوگئی ہے، وہ اپنی لائن نہ بدلیں۔ یہ جو بہترین فضلا ہیں وہ عام طور پر اپنی لائن بدل دیتے ہیں، کوئی کمپیوٹر سیکھنے لگتا ہے، کوئی انگریزی پڑھنے لگتا ہے، کوئی جامعہ ملیہ چلا گیا، کوئی علی گڑھ چلا گیا، کوئی تجارت میں لگ گیا، ایسا نہ کریں۔ اس کی مثال سورہ نحل میں آئی ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾[1] (اس بڑھیا جیسے مت بن جاؤ جس نے صبح سے شام تک سوت کاتا، اور بہترین سوت کاتا، پھر شام کو سارا سوت ادھیڑ دیا، اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا)، یہ جو بہترین فضلا ہیں اگر وہ اپنی لائن بدلیں گے تو اس بڑھیا جیسے ہوجائیں گے، لہٰذا ابھی جماعت میں نہ نکلیں، عربی مدارس میں جہاں بھی جگہ مل جائے فوراً پڑھانے لگیں، پھر اگر اعلیٰ استعداد ہے تو دس سال، متوسط استعداد ہے تو پندرہ سال، معمولی

---

(۱) تحفۃ القاری: ۷/ ۴۰۵-۴۰۶۔

استعداد ہے تو بیس سال رات دن پڑھائیں، پھر جب آپ کا علم پختہ ہو جائے تو جو چاہیں کریں، جماعت میں نکلیں، کسی اور کام میں لگیں، دین کا جو بھی کام انہیں پسند آئے وہ کریں، مگر پہلے اپنی استعداد سے کام لے کر اپنے علم کا راستہ ہموار کرلیں۔ (۱)

حضرت مفتی صاحب نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں: دانہ بھوسے سے کم ہوتا ہے، اور دانہ پھر دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے، جو اعلیٰ درجے کا دانہ ہوتا ہے اُسے پھر دوبارہ کھیتی میں ڈالتے ہیں، تو اعلیٰ درجے کے فضلا کو مدارس میں دوبارہ درس و تدریس میں لگاتے ہیں، اور جو کم درجے کا دانہ ہوتا ہے وہ غذا کا فائدہ دیتا ہے، اور جو بھوسا ہوتا ہے وہ جانوروں کی غذا کے کام آتا ہے، اس طرح جو مدارس کا بھوسا ہوتا ہے وہ عوام کے کام آتا ہے، مساجد میں نماز اور مکاتب میں الف، باء، تاء پڑھاتا ہے۔ (۲)

کیا عالم کے لیے سال لگانا ضروری ہے؟

اس سوال کا جو جواب ”جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی“ کے دارالافتاء سے دیا گیا، وہ حسب ذیل ہے:

> اس دور میں بے علمی اور بے عملی عام ہے، عوام تک دین پہنچانے اور ان کے دین کو پختہ کرنے کے لیے موجودہ تبلیغی کام بے حد مفید ہے، اور اس کا مشاہدہ ہے، لیکن جو شخص دوسرے طریقے سے دین حاصل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے؛ اُسے حقارت و تنگ نظری سے نہ دیکھا جائے، لہٰذا اگر کسی عالم دین نے تبلیغی جماعت کی مروّجہ ترتیب کے

(۱) تحفۃ القاری: ۷ / ۴۰۵-۴۰۶۔

(۲) ملفوظات سلیم، ملفوظ نمبر: ۲۹۲۔

مطابق فراغت کے بعد سال نہیں لگایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز اسے "حیاۃ الصحابۃ" کی تعلیم کرانے سے روکنا حد سے زیادہ غلو کی علامت ہے، جو کہ نتیجے کے اعتبار سے بے حد نقصان دہ ہے۔ فقط واللہ أعلم.[1]

(۲۲) آپ تدریس کیسے کریں؟

تدریس کی طرف جانے والے ساتھی درجِ ذیل باتیں ذہن میں رکھیں:

(۱) تدریس وتعلیم براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وظیفہ ہے، اس لیے اُس میں اسوہ اور نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو بنایا جائے، اُس کے لیے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "الرسول المعلم وأساليبه في التعليم" بہت حد تک کفایت کرے گی۔

(۲) فنون کی ابتدائی کتب پڑھانے کو عار نہ سمجھیں، بلکہ اُس کو ترجیح دی جائے۔ ایک کتاب کم از کم چار سال زیر درس رہے تو اُس کتاب اور فن سے فی الجملہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) تدریس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

(۴) تدریس کے لیے مطالعے کا اہتمام اور مطالعہ ایک آدھ شرح پر منحصر نہ ہو؛ بلکہ متعلقہ فن کی اہم کتب کی مراجعت کی جائے۔ یہ تفصیلی مطالعہ آپ اپنے استفادے کے لیے کریں، نہ کہ طلبہ کے لیے، کیوں کہ طلبہ کو تو اُس میں ۱۰٪ باتیں ہی بتائی جائیں گی۔[2]

دینی مدارس سے فارغ ہونے والے ذی استعداد فضلا عموماً درس وتدریس سے

---

(۱) فتویٰ نمبر: 144206200862، دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔

(۲) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۴ھ: ص ۴-۵۔

وابستہ ہوتے ہیں، اور اس بات کے جاننے کے متمنی ہوتے ہیں کہ کامیاب تدریس کے اصول کیا ہیں، اور دینی مدارس میں تدریس کا اسلوب اور طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے؟

اسلوب تدریس اور طریقۂ کار:

اس سلسلے میں حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں:

تدریس اور کتب پڑھانے کے مختلف طریقے رائج ہیں، اور ہر استاذ اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے۔ چند اسلوب یہ ہیں:

(۱) استاذ شاگرد کو کتاب کا ایک خاص حصہ مطالعہ کرنے اور سمجھنے کے لیے دیتا ہے، طالب علم اس حصے اور بحث کا مطالعہ اور اسے حل کرنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہے اور اگلے دن آکر استاذ کو وہ سبق سناتا ہے، استاذ کا کام صرف اس کے سبق کی تصحیح یا تصدیق کرنا ہوتا ہے، یعنی اگر اس سے حل سبق میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے، اور اگر وہ صحیح سمجھا ہے تو اس کی صحت کی تصدیق کرلیتا ہے۔ تعلیم کا یہ طریقہ بڑا مفید ہے، اس میں چوں کہ زیادہ بوجھ اور حل سبق کا زیادہ کام طالب علم کے ذمے ہوتا ہے، اس لیے بہت جلد کتاب سمجھنے کی صلاحیت اور فن سے مناسبت اس میں پیدا ہوجاتی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اکثر کتابیں اسی انداز سے پڑھی ہیں۔ اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری کتاب ختم کی جائے؛ بلکہ جب دیکھا جائے کہ طالب علم میں کتاب حل کرنے کی پوری پوری استعداد پیدا ہوگئی ہے تو فن کی دوسری کتاب اسے شروع کرادی جائے، البتہ تعلیم کا یہ طریقہ بالکل ابتدائی طلبہ کے لیے مفید نہیں، درمیانے درجے کی کتابوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ان مدارس میں جہاں طلبہ کی تعداد زیادہ ہو؛ ظاہر ہے کہ وہاں یہ طریقہ نہیں چل سکتا، یہ صرف وہاں جاری ہوسکتا ہے جہاں طلبہ کی تعداد بہت کم ہو۔ آج دیہات وغیرہ کے جن مدارس میں فی درجہ تین چار طلبہ ہوتے ہیں، وہاں یہ طریقۂ تعلیم اختیار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) تدریس کا ایک عمومی طریقہ یہ ہے کہ استاذ کے سامنے طالب علم کتاب میں متعلقہ سبق کی پوری عبارت پڑھتا ہے، استاذ اولاً اس عبارت میں بیان کردہ مضمون کی تشریح اور اس پر زبانی تقریر کرتا ہے، اس تشریح میں بسا اوقات وہ سبق کا تجزیہ بھی کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے: آج کے سبق میں چار بحثیں ہیں: پہلی بحث، دوسری بحث، تیسری بحث، چوتھی بحث، پھر متعلقہ عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنی تشریح اور تقریر کو اس پر منطبق کر لیتا ہے۔ یہ ایک کامیاب طریقۂ تدریس ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ استاذ کی تشریحی تقریر اور زبانی تجزیہ یا بیان کردہ خلاصہ متعلقہ عبارت کے مطابق ہو، اور ترجمہ کرتے ہوئے استاذ اپنی تشریحی تقریر کا عبارت کے ساتھ انطباق اس انداز سے کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو کہ طالب علم کے سامنے عبارت اور نفس مسئلہ دونوں اچھی طرح واضح ہو کر آجائیں۔ اگر استاذ کی ہوائی تقریر کا کتاب کی عبارت کے ساتھ جوڑ نہ ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کا ذہن الجھ جاتا ہے، اور تدریس کے حوالے سے ایسے استاذ کا کوئی اچھا اثر اور فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

(۳) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ طالب علم سارے سبق کی عبارت نہیں پڑھتا، بلکہ ایک بحث یا ایک مسئلہ کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح کرنے کے بعد عبارت کا ترجمہ کرتا ہے، پھر وہ اگلی بحث سے متعلق عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح اور ترجمہ کرتا ہے، اس طرح سبق پورا ہونے کے بعد استاذ ساری عبارت کا عربی پڑھے بغیر صرف ترجمہ دہرا دیتا ہے، اس طریقے میں طالب علم کی عبارت ہی سے سبق کا تجزیہ ہوجاتا ہے۔ یہ

طریقہ بھی تقریباً پہلے طریقے سے ملتا جلتا ہے، سوائے اس کے کہ اس میں طالب علم ساری عبارت ایک ساتھ اور استاذ سارے سبق کی تشریح اور خلاصہ ابتدا میں ایک ساتھ بیان نہیں کرتا، بلکہ عبارت اور تشریح حصہ وار چلتی ہیں۔ یہ بھی ایک عمدہ طریقۂ تدریس ہے، اور خاص کر فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کی تعلیم میں بہت مفید ہے۔

(۴) ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ طالب علم کے عبارت پڑھنے کے بعد استاذ زبانی تشریح یا خلاصہ بیان نہیں کرتا، بلکہ وہ عبارت کا ترجمہ اور تشریح ساتھ ساتھ کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے، اور پورا درس اسی انداز میں انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ ادب کی کتابوں کی تدریس میں عموماً یہی طریقہ رائج ہے، لیکن ادب کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابوں میں یہ طریقۂ تدریس کوئی زیادہ مقبول نہیں۔

درس کی مقدار اور کیفیت:

درس کی کیفیت کے اعتبار سے بعض اساتذہ کا مزاج اور طریقہ ابتدائے سال میں لمبی تقریر اور خوب سے خوب تر تشریح اور تفصیل کرنے کا ہوتا ہے، اِدھر جوں جوں سال گذرنے لگتا ہے؛ اُدھر ان کی تقریر میں بھی اختصار آنے لگتا ہے۔ ابتدا میں اطناب اور آخر میں ایجاز کے اس طریقۂ تدریس کے پس منظر میں یہ تعلیمی فلسفہ کارفرما ہے کہ شروع میں کتاب اور فن سے مناسبت پیدا ہونے اور مصنف کا اسلوب اور مزاج سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے، استاذ کے تفصیلی دروس سے رفتہ رفتہ طالب علم میں فن اور کتاب سے مناسبت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اس لیے آخر میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار اختیار کرنا کوئی ایسا مضر نہیں۔ لیکن اس کے برعکس بعض اساتذہ کا طریقہ تدریس شروع سے آخر تک یکساں رہتا ہے، ان کے ہاں نہ ابتدا میں لمبی چوڑی تفصیلات ہوتی ہیں اور نہ ہی آخر میں اغلاق وایجاز ہوتا ہے،

بلکہ کتاب میں موجود ضروری اور اہم مباحث کی بقدرِ ضرورت تشریح و تفصیل سال کی ابتدا اور آخر میں یکساں جاری رہتی ہے، اور یہی دوسرا طریقہ زیادہ مفید اور مقبول سمجھا جاتا ہے، دورۂ حدیث کی کتابوں کی تدریس میں عموماً ذکر کردہ پہلا طریقہ رائج ہے کہ ابتدا میں تفصیلی مباحث اور طویل تقریریں ہوتی ہیں اور آخر میں یہ تشریح یا بالکل ختم ہو جاتی ہے، صرف عبارت کا ”سرد“ ہوتا ہے، اور یا بہت مختصر ہو جاتی ہے۔

صحاح ستہ میں مکرّر احادیث کی وجہ سے آخر سال میں تشریح کو مختصر کر دینا یا صرف احادیث کی تلاوت پر اکتفا کر دینا کوئی نقصان دہ نہیں، البتہ دورۂ حدیث کے اسباق میں اگر فنی مباحث کو اساتذۂ حدیث کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو زیادہ مفید رہے گا۔ چناں چہ بعض مدارس میں تقسیم مباحث کے فارمولے پر عمل کیا جاتا ہے، مثلاً: ”کتاب الایمان“ اور ”کتاب البیوع“ کی تفصیلی فقہی اور حدیثی بحثوں کو صحیح مسلم شریف کے حصۂ تدریس میں رکھ دیا جائے، اور صرف مسلم شریف پڑھانے والا استاذ ان پر تفصیلی کلام کرے، ”کتاب الطہارۃ، صلاۃ، زکاۃ“ کو ترمذی شریف کے درس کے لیے مختص کیا جائے اور ترمذی کا استاذ ہی ان پر تفصیلی بحث کرے، اس طرح تمام اہم مباحث کی اس تقسیم کا یہ فائدہ ہوگا کہ طلبہ اس تکرار اور یکساں مباحث کے اعادے سے بچ سکیں گے جو دورۂ حدیث کے اسباق میں عموماً ہوتا ہے۔ صحاح ستہ کی ابتدا میں چوں کہ اکثر کتاب الایمان، طہارۃ، صلاۃ، زکاۃ وغیرہ ہیں، اس لیے ہر استاذ اُن پر تفصیلی محدثانہ کلام کرتا ہے، جس کی وجہ سے ابتدا میں تو یکساں مباحث کا تکرار ہو جاتا ہے، اور ان کتب کے آخری حصوں میں ابواب میں سال آخر ہونے کی وجہ سے صرف سردِ عبارت پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اساتذۂ حدیث کے درمیان تقسیمِ مباحث سے اس تکرار کا ازالہ کر کے احادیث پر تشریحی کلام میں یکسانیت قائم کی جاسکتی ہے۔

تدریس کے چار بنیادی اصول:

اُن طریقوں اور اسالیب کا ذکر ہو گیا جو درسِ نظامی کی کتابوں کی تدریس میں عام طور سے رائج ہیں، اب ذیل میں ان چار بنیادی اصول کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے بغیر اچھی تدریس اور عمدہ طریقۂ تعلیم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ذکر کردہ طریقہ ہائے تدریس میں جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے، جب تک ان چار بنیادی اصول کے ستون فراہم نہیں ہوں گے؛ عمدہ تدریس کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ وہ چار اصول یہ ہیں:

(۱) **مضمونِ درس اور نفسِ سبق پر قدرت:** جو سبق آپ نے پڑھانا ہے، ضروری ہے کہ پہلے آپ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوں، اس کے لیے ضروری معلومات آپ کے پاس ہوں، اس کے متعلق جو شبہات اور سوالات ایک طالب علم کے ذہن میں آ سکتے ہیں، ان کی اور ان کے حل اور جوابات کی تفصیل آپ کے ذہن میں ہو، اور ظاہر ہے؛ یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی نے متعلقہ سبق کے لیے بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو۔ مطالعے کو مختلف تدریجی مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اور ہر آدمی اپنے ذوق اور وقت کے اعتبار سے ان میں طوالت اور اختصار سے کام لے سکتا ہے، لیکن اس قدر تیاری ہر استاذ کے لیے لازمی ہے کہ اولاً نفس عبارت کا حل ہو۔

درسِ نظامی کی کتابیں اکثر مغلق اور پیچیدہ ہیں، ان کی عبارتوں کو حل کرنے اور سمجھنے میں کافی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفسِ سبق کے حل میں عبارت کا درست تلفظ، اعرابی حالت کی درستگی، مشکل الفاظ کے معانی، عبارت کا مفہوم اور مقصد کو سمجھنا داخل ہے۔ بسا اوقات کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے، یا عبارت کسی شبہے کا جواب ہوتی ہے، کسی خاص بات سے احتراز کے لیے کوئی قید بڑھا دی جاتی ہے، حل عبارت میں ان تمام متعلقہ چیزوں سے

واقف ہونا ضروری ہے۔ عموماً بین السطور اور حواشی نے حل عبارت سے متعلق ان تمام یا اکثر باتوں کی وضاحت کی ہوتی ہے۔ ثانیاً حلِ عبارت کے ساتھ مضمونِ درس سے بھی واقفیت اور اُس فن میں ضروری مطالعہ ہونا چاہیے۔

(۲) تعبیر: اچھی تدریس کی دوسری بنیاد "تعبیر اور اظہار مافی الضمیر" پر قدرت ہے۔ یعنی جس سبق کا آپ نے مطالعہ کیا ہے، تیاری کی ہے، آپ خوبصورت اسلوب اور دل نشین انداز میں وہ طلبہ کے سامنے بیان کر سکیں، صحیح، واضح اور دل نشین تعبیر اور اندازِ بیان کے بغیر عمدہ تدریس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مدرس اور استاذ وسیع مطالعہ رکھتا ہے، سبق کے مضمون اور متعلقہ بحثوں پر عبور اور گہری نظر رکھتا ہے، لیکن اپنے مافی الضمیر کے اظہار اور طلبہ کے سامنے اپنے مطالعے کا نچوڑ پیش کرنے کے لیے اس کے پاس لفظوں کی مناسب زبان نہیں، ایسے استاذ کے سبق اور علم سے طلبہ زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے، اور وہ ایک اچھا مدرس نہیں کہلا سکتا۔ وہ فضلا جو نئے نئے فارغ ہو کر میدان تدریس میں آتے ہیں، ماشاء اللہ ان کے جذبات تازہ، خون گرم اور شوق جوان ہوتا ہے، زیر تدریس کتاب کے لیے اکثر وہ خوب مطالعہ کرتے ہیں، لیکن عموماً تعبیر اور اسلوب بیان کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ تعبیر میں کمزور ہیں، تو بجائے اس کے کہ ایک کتاب کے لیے پانچ چھ شروح کا مطالعہ کرنے اور غیر متعلقہ مباحث کو ذہن میں محفوظ کرنے کی مشقت برداشت کریں؛ وہ تدریس کے لیے اپنی تعبیر کی درستگی اور اظہارِ مافی الضمیر کی عمدہ صلاحیت حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔

"اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت" سے مراد وہ خطیبانہ صلاحیت نہیں ہے جو وعظ و ارشاد، جلسوں اور جمعہ کے خطبوں میں کام آتی ہے، وہ ایک مختلف چیز ہے، اور اس کے اصول

اور تقاضے بھی الگ ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ مدرِّسانہ صلاحیت ہے جس کا اظہار مسند درس پر بیٹھ کر ہوتا ہے، یعنی جس سبق کی آپ نے رات کو تیاری کی ہے، اس کو عام فہم اسلوب، آسان الفاظ اور دل نشین انداز میں طلبہ کے سامنے آپ میں بیان کرنے کی ایسی صلاحیت ہو کہ درس میں وہ سبق بھی طلبہ کی سمجھ میں آجائے، اور اسلوب کی شیرینی اور کلام کی مٹھاس سے بھی سامعین محظوظ ہوں، تعبیر کی حلاوت و شیرینی مشکل اور طویل سبق میں بھی انہیں اکتانے اور بور ہونے نہ دے۔

اس طرح کی عمدہ تعبیر پر قدرت پانا کوئی ایسا آسان نہیں کہ وہ مشق و ریاض کے بغیر حاصل ہو جائے گی؛ بلکہ اگر کہا جائے کہ سبق سمجھنے اور اس کے لیے متعلقہ امور کی تیاری سے یہ کام زیادہ مشکل ہے، تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ چناں چہ اس کے لیے ٹھیک طرح کی ریاض اور محنت کی ضرورت ہے، اس مشق اور محنت کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو سبق آپ نے اگلے دن پڑھانا ہے؛ آپ پہلے تنہائی میں اسے اس تصور کے ساتھ دہرائیں کہ آپ درس گاہ میں طلبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا رہے ہیں، تنہائی کے اس تجرباتی عمل میں آپ ایک مفہوم کی مختلف تعبیرات میں ترجمانی کی مشق کریں، اس مشق میں آپ کے سامنے ایک مفہوم کے لیے مختلف تعبیرات آئیں گی، آپ کا ذہن متنوع اسالیب اور اظہار کی متعدد شکلیں بنائے گا، جس سے رفتہ رفتہ سبق پڑھانے کی عمدہ تعبیر کی صلاحیت اور مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں سمجھانے کا ملکہ آپ میں ان شاء اللہ پیدا ہو جائے گا، اور کچھ عرصے کے بعد پھر تنہائی کی اس تجرباتی تدریس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس اصول کی طرف اہتمام کے ساتھ توجہ اس لیے مبذول کرائی گئی ہے کہ بعض نو واردان بساطِ تدریس، علمی دھاک بٹھانے یا آتش شوق بجھانے کے لیے رات رات

بھر مطالعہ کرتے ہیں، نوادرات حفظ کرتے ہیں، نکات یاد کرتے ہیں، لیکن اگلے دن درس میں اس مطالعے، ان نوادرات اور ان نکات کو طلبہ کے سامنے بیان کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی مناسب ترجمان نہیں ہوتا، ٹوٹی پھوٹی تعبیر میں اگر رات بھر کی محنت کو لفظوں کی زبان مل بھی گئی تو طلبہ پر اس کا اثر اس مہمان کے تأثر سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا جس کی خدمت میں عسل مصفّٰی ٹوٹے جام یا میلے پیالے میں پیش کیا گیا ہو۔

(۳) نظم وترتیب: عمدہ تدریس کے لیے تیسرا بنیادی اصول "نظم وترتیب" ہے۔ یعنی آپ نے درس کے لیے جو مطالعہ کیا ہے اور سبق کے متعلق جو کچھ آپ طلبہ کے سامنے کہنا چاہتے ہیں، ضروری ہے کہ اس میں آپ نے ذہنی خاکہ بنا کر ایک ترتیب اور نظم قائم کرلیا ہو کہ کون سی بات کہاں کہنی ہے اور کون سی بحث کس بحث سے پہلے یا بعد میں کرنی ہے۔ اگر آپ کو نفس درس اور اس کے اظہار دونوں پر تو عبور ہے؛ لیکن اس میں بے ترتیبی کا نقص موجود ہے تو آپ کا سبق طلبہ کو ذہن نشین نہیں ہو سکے گا۔ پہلے سے ذہن میں نظم وترتیب قائم نہ کرنے کی وجہ سے اکثر ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ درس میں مطالعہ کی ہوئی مختلف باتوں کا ذہن پر یکدم ہجوم ہونے سے آدمی تشویش کا شکار ہوجاتا ہے، جو بات آخر میں کہنے کی ہوتی ہے وہ اول میں کہہ دی جاتی ہے، اور جو اول میں کہنے کی تھی وہ سرے سے یاد ہی نہیں رہتی، یا وہاں کہنا پڑتی ہے جہاں اس کا موقع نہیں ہوتا۔ بدنظمی اور بے ترتیبی کا شاخسانہ اسی طرح ہوتا ہے، اس لیے عمدہ تدریس کے لیے ذہن میں عمدہ نظم اور ترتیب بہر حال ضروری ہے۔

(۴) طلبہ کے معیار ومستویٰ کی رعایت: تدریس میں طلبہ کے معیار اور مستویٰ کا خیال رکھنا بھی ایک ضروری امر ہے۔ ابتدائی طلبہ کے لیے سبق میں آسان اسلوب، عام فہم الفاظ اور علمی اصطلاحات کے بجائے عمومی زبان اختیار کرنی چاہیے۔ ایک بات کو بار بار

دہرانا بھی ان کے لیے مفید ہوتا ہے، جب کہ اگلے درجوں میں علمی زبان اور فنی اصطلاحات کو بے تکلف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی مدرس نحو میر کے طلبہ کے سامنے شرح جامی کی تحقیقات بیان کرنا شروع کر دے، یا شرح جامی کے طلبہ کی خدمت میں اسم کی تعریف بار بار دہرانے اور سمجھانے پر زور صرف کرنے لگ جائے، ظاہر ہے کہ اس کی یہ محنت نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے؛ بلکہ مضر ہے، اس کے لیے بھی اور طلبہ کے لیے بھی، اسی طرح درجۂ سابعہ اور دورۂ حدیث کے منتہی طلبہ کے سامنے اگر آپ اور "قال" اور "حدثنا" کا ترجمہ بار بار دہرائیں گے، یقیناً یہ آپ ایک ایسے عمل کا ارتکاب کریں گے جس کا نہ کوئی فائدہ مرتب ہوگا، نہ کوئی خوشگوار اثر۔ بہر حال! طلبہ کی علمی صلاحیت، ان کے درجے کے معیار اور مستویٰ کو درس میں پیشِ نظر رکھنا عمدہ تدریس کا ایک بنیادی اصول ہے، اور اس اصول کی رعایت ایک مدرس کو ضرور رکھنی چاہیے۔ [1]

نصائح برائے معلمین ومعلمات:

جب حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہ العالی تدریس کے لیے جامعہ ڈابھیل جانے لگے تو حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ نے اُن کو مندرجۂ ذیل چودہ قیمتی نصیحتیں فرمائی تھیں، جو ہر مدرس کے لیے ایک قیمتی سوغات ہے:

(۱) عہدہ اور منصب طلب مت کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالے کیا جائے۔

(۲) پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اِتنی کر دو، یا اِس میں اِتنا اضافہ کر دیا جائے۔

---

(۱) آپ تدریس کیسے کریں؟ مضمون از: حضرت مولانا ابن الحسن عباسیؒ۔

(۳) اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا، اور کہنا کہ ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں، مگر مدرسے والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اِس کی لیاقت دے اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کرائے۔

(۴) کوئی طالب علم اگر سوال کرے تو شفقت سے اُس کا جواب دینا، اگرچہ براہِ طعن سوال کرتا ہو۔

(۵) کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور منصف کتاب کو ایصالِ ثواب کرنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۶) دوسرے کی کتاب میں کسی طالب علم کو بتانے میں احتیاط کرنا۔

(۷) طلبہ سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

(۸) طلبہ سے اختلاط نہیں چاہیے، اس لیے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

(۹) طلبہ کا احسان مانو کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا اُن پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

(۱۰) طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لیے وغیرہ وغیرہ، مگر سب کا جواب علیٰ اسلوب الحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

(۱۱) روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ "قل هو الله أحد" پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۱۲) اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اُس سے رجوع کرنے میں تأمل نہ کرنا۔

(۱۳) مطالعے کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

(۱۴) اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر وتلاوت وتسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔ [1]

تدریس کی روحانی اور معنوی تاثیر:

تدریس میں معنوی اور روحانی تاثیر کے لیے یہاں دو چھوٹے چھوٹے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے ایک مرتبہ کسی نے نصاب تعلیم میں تبدیلی کے متعلق سوال کیا، انہوں نے جواب میں فرمایا: ”جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابل اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علما تیار ہوئے، البتہ طریقہ تعلیم تھوڑا سا بدل گیا، وہ یہ کہ قدیم زمانے کے حضراتِ اساتذہ ایجاز واختصار کے ساتھ نفس مطلب عبارت پر منطبق کر کے دلوں میں ایسا ڈال دیتے تھے کہ کتاب ذہن نشین ہوجاتی تھی، اب لوگ اس کو حیلہ بنا کے اپنی معلومات پیش کرتے ہیں، جو کچھ رات کو دیکھا، صبح کو بیان کر دیا، وہ نقل اور سر دِروایت ہوتا ہے، اور وہ جو قلبی کیفیت ہے؛ وہ شامل نہیں ہوتی“۔

عالم عرب کے مشہور مفکر علامہ یوسف قرضاوی حفظہ اللہ اس موضوع پر اپنے ایک

---

(۱) محمود الفتاویٰ: ۱/ ۱۶۶-۱۶۷۔

حالیہ مضمون میں لکھتے ہیں: "کئی مدارس و جامعات میں آپ بہتر نصاب تو ضرور پائیں گے؛ لیکن اچھا استاذ آپ کو نہیں ملے گا۔ اگر کوئی علمی نقطۂ نظر سے بہتر بھی ہو، تاہم ایمانی قوت کے لحاظ سے وہ مردہ دل ہوگا۔ یہاں قطر میں ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ ہم نے اسلامی علوم میں موضوع کے لحاظ سے بڑی عمدہ کتابیں لکھیں، لیکن ان کتابوں کو ایسا استاذ میسر نہیں آیا جو انہیں تر و تازگی کے ساتھ زندہ جاوید طلبہ تک منتقل کر سکے، بلکہ مُردہ دل اساتذہ نے زندہ موضوعات کو مردہ بنا دیا، اور جمود سے اس کی حرارت پر افسردگی طاری کر دی۔"[1]

اس لیے یہ بات ملحوظ رہے کہ تدریس کے ذکر کردہ یہ طریقے، یہ اصول اور یہ مبادی ایک طرف؛ ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان طریقوں سے آپ صرف خشک بحث، نِرا مضمون اور صرف فنی موضوع طلبہ تک منتقل کر سکتے ہیں، جو ایک مدرس کا بہرحال فرض منصبی ہے، لیکن علم کی اصل روح، علم کی نورانیت اور علم کی وجد آفرین تاثیر منتقل کرنے کے لیے صرف ان اصولوں کی رعایت کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے دل کے اس درد، جگر کے اس سوز اور ایمان کی اس کیفیت سے متصف ہونا ضروری ہے جو ایمانی زندگی اختیار کرنے کے بعد اللہ جل شانہ کی توفیق سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ عمل صالح کی خوشبو سے معطر ایمان والی زندگی، جس میں دعا و ابتہال ہو، رجوع الی اللہ ہو، ندامت کے اشکوں سے روح وقلب کی کثافتوں کی تطہیر کا اہتمام ہو، جس کے اپنانے کے بعد دل کی مردگی و افسردگی نشاط وتازگی میں بدلے گی، اور دل کی سرد انگیٹھی میں حرارت آئے گی۔ ایمان کی حرارت، اخلاص کی حرارت، شوق و جذبے کی حرارت، جگر کے سوز و گداز اور روح کی سیمابی کی حرارت، پھر جو بات زبان سے نکلے گی وہ جا کے دل پر لگے گی، اور طلبہ کی زندگیوں میں خوش

(۱) قیمۃ الامۃ الاسلامیۃ: ص ۴۷

گوار دینی انقلاب کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ جل شانہ ہمیں اس طرح کی ایمانی زندگی نصیب فرمائیں، ہمارا مرنا اور جینا، پڑھنا اور پڑھانا صرف اسی کی رضا کے لیے ہو، صرف اسی کے لیے ہو۔ آمین۔ (۱)

اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "آپ تدریس کیسے کریں؟" اور مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی) کی تالیف "تحفۂ مدرسین" کا مطالعہ کیجیے۔ مؤخر الذکر کتاب میں مختلف اکابرین کے افادات کو جمع کر دیا گیا ہے، "ادارۃ الرشید، کراچی" نے اسے شائع کیا ہے۔

اور اگر بالفرض ان مذکورہ بالا کاموں میں سے کل وقتی کام میسر نہ ہو تو حلال روزگار کی کوشش کے ساتھ جز وقتی سرگرمی اختیار کی جائے اور اسے غنیمت سمجھا جائے۔ "مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّه لَا یُتْرَکُ کُلُّه" مسلمہ اصول ہے۔

یہ علم کی زکوٰۃ بھی ہے اور قرضِ علم کی ادائیگی بھی، اس سے نہ صرف علم میں اضافہ ہوگا؛ بلکہ حاصل شدہ علم بھی محفوظ و مضبوط ہوگا۔ اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ تدریس و تبلیغ گناہوں سے مانع ہوتی ہے، اور اِن اعمال کے ساتھ تو جناب انبیا علیہم السلام اور مقربین خدا سے نسبت قائم ہوجاتی ہے، نیز آخرت میں نیک نامی اور صدقۂ جاریہ کا سامان نصیب ہوتا ہے، اور دنیا میں ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾﴾ کا مصداق بھی عطا ہوتا ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اگر دینی و علمی مشغلہ نہ اختیار کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ مدارس کی ۱۶؍ سالہ محنت کا ضیاع ہوجاتا ہے؛ بلکہ "ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن کر گرد و پیش کے ماحول میں تحلیل ہوکر اپنی علمی و دینی شناخت کھو بیٹھتا ہے۔ حقیقت

---

(۱) آپ تدریس کیسے کریں۔ تحریر: مولانا ابن الحسن عباسی صاحب۔

میں فضلا نے اپنے مشائخ سے جو علمی میراث حاصل کی اُسے اگلی نسل تک پہنچانا اِن کی ذمّے داری ہے، اس ذمّے داری پر کوتاہی روزِ محشر باز پُرس کا ذریعہ ہوگی۔ (۱)

ہر کجا باش؛ باخدا باش:

ایک اور چیز قابل تنبیہ ہے: جس لائن میں بھی کام کرنے کا موقع ملے، خواہ وہ دینی کام ہو یا دنیوی، سرکاری یا نجی؛ ہمیں باخدا رہنا ہے، اور دین کے ادنیٰ سپاہی ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل مسئلہ ”پیٹ“ نہیں، بلکہ خداوند قدوس کی رضائے عالی ہے۔ انسان کے اسی برتر مقام کی طرف دعوت دیتے ہوئے مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ ؎

معدہ را بگزار سوئے دل حرام
تا کہ بے پردہ زحق آیدت سلام

یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ دینی شعور کی خامی، ناقص تربیت اور دینی خدمت کے محدود تصور کی بنا پر ایسے ناخوشگوار واقعات پیش آئے ہیں جنہیں سن کر بڑا دُکھ ہوتا ہے۔ ہمارے فضلاء کو اگر تدریس، امامت یا خطابت کی جگہ ملتی ہے تو ماحول کے دباؤ وغیرہ سے وہ اپنے اسلامی تشخص، اسلامی کردار اور وضع قطع کو شریعت کے مطابق رکھنے پر ایک گونہ مجبور ہوتے ہیں، لیکن اگر سرکاری ملازمت میں جانا پڑے تو ہمارے بعض افکار وخیالات اور طرزِ معاشرت، لباس، وضع قطع میں تبدیلی رونما ہوجاتی ہے۔

ایک استاذ کا بیان ہے کہ مدرسے کا فاضل جب فاضل عربی کلاس میں داخل ہوتا ہے تو وہ وہ نہیں رہتا جو کچھ مدرسے میں تھا۔

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۳۳ھ: ص ۴۴۔

یہ ہماری تربیت کا نقص ہے کہ ہم فضلاء کو یہ پختہ دینی شعور نہیں دے سکے کہ ہم جہاں رہیں گے باخدا رہیں گے۔ دفتر، اسکول یا کسی سرکاری ملازمت پر جانا پڑ جائے تو دینی خدمت کے نظریے وجذبے سے جانا ہے، اور وہاں بھی خدا کے لیے جانا ہے۔ ہمیں شریعت مطہرہ سے انحراف نہیں، بلکہ منحرف ماحول میں اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے، یا کم از کم یہ کہ دین پر پہاڑ کی طرح ڈٹ جانا ہے، کیوں کہ حقائق کی سب سے بڑی دولت ہمارے ہی پاس ہے، وراثت نبوی میں ملنے والی اس دولت کی صداقت، معقولیت، اس کی بلندی وبرتری اوراس کی معصومیت پر غیر متبدل یقین ہونا چاہیے، لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ دینی شعور اور تربیت پختہ ہو، اور کسی شیخ یا دینی مرکز سے مضبوط رابطہ تسلسل کے ساتھ قائم رکھا جائے۔ (۱)

نصیحت کریں؛ نہ کہ فضیحت:

یہ بات ہرگز لکھنے کی نہیں، لیکن کیا کریں؛ شومیِ قسمت سے ہمارے اداروں میں آئے دن اِس نوع کے واقعات بھی پیش آرہے ہیں، وہ بات یہ ہے کہ ادارے کے طلبہ اور مدرسین یا اسٹاف کو انتظامیہ کے خلاف ہرگز نہ ورغلائیں، نہ ایسی چیزوں کی قیادت کا کبھی خواب دیکھیں، نہ ایسی چیزوں میں حصہ لیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے رسالے ”اسٹرائک“ کا بغور مطالعہ کریں۔ خدانخواستہ انتظامیہ کی جانب سے کوئی بات خلاف شرع دیکھیں تو اُس کی روک تھام کا طریقہ شورش اور فتنہ کرنا نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کرسکتے ہیں کہ تنہائی میں صاحب معاملہ سے مل کر باندازِ احسن گفت

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۹-۲۹۰

وشنید کرلیں، یا اُن کو کوئی تحریر لکھ کر تنبیہ کر دیں۔ (۱)

(۲۲۳) فراغت کے بعد مادرِ علمی اور اساتذہ سے ربط:

تعلیم کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد ایک طالب علم کو اپنی مادرِ علمی، اس کے اساتذہ اور در و بام سے ایک خاص محبت اور انس ہو جاتا ہے، جب وہ فراغت کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے، مادرِ علمی سے جدائی اور رفقائے سفر سے اس کے بچھڑنے کا وقت آتا ہے، یقیناً اس کے جذبات میں بڑی شکستگی پائی جاتی ہے، اور بزبانِ حال کہتا ہے۔

چمن سے جاتے ہیں یہ سوچ کر کہ پھر نکہت
گذر بھی ہوگا سوئے آشیاں نہیں معلوم

لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جذبات کی اس شکستگی کی صرف حسین یادیں رہ جاتی ہیں، اور رفتہ رفتہ وہ یاد بھی محو ہو جاتی ہے، اس لیے اپنی مادرِ علمی اور اساتذہ سے جہاں بھی ہوں؛ کسی نہ کسی طرح تعلق ضرور قائم رکھنا چاہیے۔ (۲)

حضرت کو کیا منہ دکھاؤں گا!:

چناں چہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔ ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حامد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرتے تھے، ان کے والد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے

---

(۱) ایک پیغام فضلا کے نام: ص ۲۱۔

(۲) دینی مدارس؛ ماضی، حال، مستقبل: ص ۱۲۴-۱۲۵

شاگرد تھے، دیوبند سے فارغ ہوئے تھے،اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ضلع بجنور کے ایک قصبہ "نہٹور" کے لیے ان کو تجویز کیا، کہ یہاں دین کی خدمت انجام دو،......انہوں نے زندگی بھر وہاں پڑھایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: جب حضرت والد صاحب کی عمر زیادہ ہوگئی، بڑھاپا آ گیا، کمزوری آ گئی تو میں (حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتا تھا، میں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت! آپ کی عمر زیادہ ہوگئی ہے، اب آپ وہاں رہنے کے بہ جائے وطن گنگوہ میں تشریف لے آیئے، تو انہوں نے پہلے جواب نہیں دیا، پھر جواب آیا کہ یہاں میرے اوپر ایک قرضہ ہے، جب تک میں اس سے سبک دوش نہ ہو جاؤں کیسے آ سکتا ہوں؟

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک دن کی چھٹی لے کر سہارنپور سے نہٹور گیا، اور والد صاحب سے کہا کہ آپ کا جو قرضہ ہے اس کی لسٹ مجھے نام کے ساتھ دے دیجیے، میں اس کو اپنے ہاتھوں سے ادا کر دوں گا، اور جو بچ جائے گا اس کی ذمہ داری میں لے لوں گا۔ تو کہا: وہ تو کچھ نہیں، دو چار آنے ہیں۔ وہ تو نہ آنے کا بہانہ تھا۔ معلوم ہوا قرضہ کوئی زیادہ نہیں ہے۔ تو پھر میں نے کہا کہ آپ تشریف لے آیئے۔ تو کہا کہ میرے پاس کچھ بچے ہیں جو مجھ سے پڑھتے ہیں، تو میں نے کہا: وطن آ جایئے، وہاں کچھ بچے آپ کے حوالے کر دیں گے، آپ وطن میں رہتے ہوئے ان کو پڑھاتے رہیے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: جب ان کے سارے اعذار اور بہانے ختم کر دیے تو آخر میں ایک بات کہی کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہاں بھیجا ہے، یہاں بٹھایا ہے، اگر یہاں سے آ گیا تو کل کو میدان حشر میں حضرت کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ یہ ہمارے اکابر تھے کہ ان کے بڑے جہاں رکھتے وہیں کے ہو جاتے۔ ان کا وہیں انتقال ہوا، وہیں دفن ہوئے۔ آج ہمارے اندر یہ جذبہ نہیں رہا۔ ہمارے بڑوں نے جس انداز سے دین کی خدمات انجام دی ہیں وہ جذبہ نہیں رہا۔ کوئی غرض نہیں، کوئی مفاد پرستی نہیں، بس! ہمارے بڑوں کا حکم ہے اور اس پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ (۱)

بہر حال! طلبہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی دین کی خدمت کے سلسلے میں اپنے اساتذہ کے مشوروں، ان کی رہنمائی کے مطابق آگے بڑھیں۔ ایک لمحہ اور کوئی بات بھی ان کے مشورے کے بغیر نہ کریں۔ ہر ہر چیز: چاہے تمہارا نفس یہ چاہتا ہو کہ ذرا ہم کچھ چھپا لیں، نہیں! وہ بھی ان کے سامنے ظاہر کر دو، پورا حال رکھ دو۔ اپنی کمزوری بھی ان کے سامنے رکھ دو، اس کے بعد وہ جو کہیں اس کے مطابق عمل کرو گے تو دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کیسا نوازتے ہیں۔ ضرورت ہے اس طرح کی قربانی دینے کی۔ (۲)

سالانہ عملی و تربیتی کورس:

حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب دامت برکاتہم العالیہ (رئیس الافتاء، جامعہ

---

(۱) نصیحت گوش کن جانا: ص ۶۹، ۷۱-۷۲

(۲) نصیحت گوش کن جانا: ۷۵

خیرالمدارس، ملتان) تحریر فرماتے ہیں:

فراغت کے بعد عموماً فضلاء کا رابطہ اساتذہ اور مدرسے سے منقطع ہوکر خدمت اور استفادے کے جذبات سردمہری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ مدارس کی طرف سے بھی رابطے، تربیت ورہنمائی کا انتظام نہیں ہوتا۔ مدرسہ جہاں تعلیم کے لیے کئی سال کا طویل عرصہ مقرر کرتا ہے؛ کیا ہی اچھا ہو کہ سال میں کم از کم ۱۵، ۲۰/ یوم کا عملی وتربیتی کورس متعین کرلیا جائے، جس میں فضلاء شریک ہوکر علمی وعملی رہنمائی اور باہمی دلچسپی کے مسائل سے آگاہی حاصل کریں۔ ایسا ایک اجتماع گرمیوں کی تعطیلات میں اور ایک شعبان ورمضان کی تعطیلات میں ہوجانا مناسب ہے، تاکہ اسکولوں اور مدارس دینیہ میں کام کرنے والے دونوں قسم کے فضلائے کرام اس سے مستفید ہوسکیں۔ (۱)

ع پیوستہ رہ شجر سے، امید بہار رکھ

استاذ کا حق اور فرض:

اساتذہ اور دیگر علمی ودینی محسنوں اور مربیوں کا ذکر خیر اور ان سے استفاضے کا اظہار اور ان کے حق میں دعائے خیر علم کی زیادتی کا باعث ہے، اور ان کی طرف سے غفلت اور اس کا اخفا احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت ہے، اسلاف نے خاص طور سے اپنے تلامذہ کو اس کی تاکید کی ہے، چناں چہ اندلس کے مشہور محدث "ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی" نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے فرمایا: "يقبح بكم أن تستفيدوا منا

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۹۰

ثم تذکرونا ولا تترحموا علینا" (یعنی تمہارے حق میں یہ بُرا ہے کہ ہم سے علمی ودینی فائدہ حاصل کرتے ہو، اور ہم کو یاد کر کے ہمارے حق میں دعائے خیر نہیں کرتے)۔

اسلاف کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے، امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کا بیان نقل کیا ہے:"قلّ لیلۃ إلّا وأنا أدعوا لمن کتب عنا وکتبنا عنه" (یعنی تقریباً ہر رات میں اُن لوگوں کے لیے دعا کرتا ہوں جنہوں نے ہم سے پڑھا اور ہم نے جن سے پڑھا)۔ (۱)

اپنے علاقے کے ائمہ اور مدرسین سے ربط وتعلق پیدا کریں:

جب آپ اپنے اپنے علاقوں میں جائیں تو علاقے میں جہاں کہیں بھی اپنے ساتھی ہیں؛ ان سے رابطہ رہنا چاہیے۔ پورے علاقے میں مسجد کے امام ہیں، خطیب بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، ان کا آپس میں ایک ربط ہونا چاہیے۔آپس میں طے کرلو کہ ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو ہم جمع ہوا کریں گے، اور اس میں ترتیب قائم کرو کہ آنے والے مہینے کی پہلی جمعرات کو فلاں مولوی صاحب کی مسجد میں جمع ہوں گے،عصر کے بعد کا وقت رکھو، مغرب کے بعد کا نہیں کہ آپ کو کھانا نہ کھلانا پڑے، چائے وائے پلادیا کرو، عصر کے بعد جمع ہوجائیں، (اس مجلس میں) آپ کے جو مسائل ہوں، ان پر بحث ہونی چاہیے، ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونا چاہیے، اس طرح محبت بھی بڑھے گی اور تعاون بھی ہوگا، اسی مجلس میں یہ طے کرلو کہ آنے والے مہینے کی پہلی جمعرات کو فلاں مولوی صاحب کی مسجد میں جمع ہوں گے، اس طرح تعلق رہے گا۔ (۲)

---

(۱) برنامج الشیخ الرعینی: ص ۵۔

(۲) ماہنامہ بینات، رجب ۱۴۴۳ھ: ص ۲۱۔

(۲۴) قبلہ نما بنیے!

فضلا ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ اور ایسے باہمت ہونے چاہییے کہ جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا، اپنی جگہ پر کھڑا رہ کر راستہ بتاتا ہے۔ یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانے میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔

چناں چہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

لوگوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرّہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں، اس میں شیخ سعدیؒ خاص طور پر بڑے ممتاز ہیں، اسی طریقے سے مولانا رومؒ مثالوں کے بادشاہ ہیں، دونوں روز مرّہ کے واقعات سے بڑی حکیمانہ باتیں اور بڑے عمیق نتائج نکالتے ہیں۔ میں اپنا بھی اسی قسم کا ایک تأثر اور عبرت کا سبق پیش کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کرکے آرہا ہوں، دہلی سے چلا اور حیدرآباد پہنچا، خدا جانے گاڑی نے کیا کیا رخ بدلے، کن کن علاقوں سے گذری، لیکن قبلہ نما نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا، اس نے نہ گاڑی کے پھرنے کی پرواہ کی، نہ سمت کے تبدیل ہونے کی، مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سی جماداتی چیز؛ جو انسان کی صنعت ہے، وہ اتنی امین، ایسی ثابت قدم، ایسی خوددار اور ایسی پابند اصول ہے کہ اس نے نہ یہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے، نہ یہ کہ انسان (جو اشرف المخلوقات ہے) برابر اپنا رُخ بدلتا رہا ہے، ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا، اور ہم نے

اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی۔ اس سے مجھے غیرت بھی آئی اور عبرت بھی ہوئی کہ قبلہ نُما تو کسی کی پرواہ نہ کرے اور ہمیشہ سمت قبلہ بتائے، اس نے اپنا مقصد وجود تبدیل نہیں کیا اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق آنے دیا، اس سے مجھے خیال ہوا کہ علمائے دین کو حقیقت میں "قبلہ نُما" ہونا چاہیے، ان کے اندر قبلہ نما کی سی استقامت ہونی چاہیے، کسی طرف کی ہوا چلے، اور کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ ؂

چلو تم ادھر کو ہَوا ہو جدھر کی

اور سمجھانے والے کتنا ہی سمجھائیں ؂

زمانہ باتو نہ سازد، تو بازمانہ بہ ساز

لیکن ان کا عقیدہ اقبالؔ کی (جو خود اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور مفکر و فلسفی اور پھر شاعر تھے) اس تعلیم پر ہو۔ ؂

حدیث کم نظراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ باتو نہ سازد، تو بازمانہ بہ ساز (۱)

(۲۵) علم و عمل میں مطابقت:

آج تک ہم نے جو پڑھا ہے اور اس میں کوتاہی بھی رہی ہے، تو آج ہم یہ عزم کرلیں کہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے ان شاء اللہ اس پر عمل کریں گے، یہ دین جو ہم نے پڑھا ہے اس کا اثر ہمارے جسم، اخلاق، اعمال اور معاملات پر ظاہر ہونا چاہیے۔ (۲)

---

(۱) خطبات مفکر اسلام: ۵/ ۲۵۹

(۲) ماہنامہ بینات، رجب ۱۴۴۲: ص ۲۔

ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں، یہ اپنی روح کے اعتبار سے اسلامی نہیں، اسلامی اقدار کی معاشرتی وریاستی سطح پر پامالی مشاہد ہے،اس کی بنیادی وجہ عالمی طاقتوں کا جبراً مسلط کردہ دجّالی نظام ہے،جس کی بناء مادیت پرستی،نتائجیت پرستی،عقلیت پرستی اور جمہوریت پر قائم ہے۔

اس ماحول میں فاضل کے لیے اپنے علم اور عمل کے اندر کامل مطابقت پیدا کرنا ایک بڑا چیلنج ضرور ہے۔ ہمارا فاضل اس مقاومت میں احساس کمتری کے باعث فکری ونظریاتی شکست اور تہذیب جدید سے ہم آہنگی کے میلانات کا شکار ہوجاتا ہے، وہ فقر بوذر اور خوئے حیدری کا علم رکھنے کے باوجود اسے عملاً برتنے میں ناکام رہتا ہے،علم وعمل میں عدم مطابقت سے فاضل کی زندگی سینکڑوں مسائل ومشکلات کی آماجگاہ بن جاتی ہے، ہر وقت ذہنی دباؤ، مزاج میں عدم توازن، گفتگو میں بے احتیاطی،معمولی باتوں پر اشتعال، مداہنت وخوف کی نفسیات، احساس کمتری واحساس برتری کی کیفیات،عزیز واقارب اور اپنے متعلقین سے کشیدگی اور احساسات کی نزاکت جیسے مسائل کا اسے سامنا رہتا ہے،اور یہ دشواریاں اس کی زندگی کا ظاہری وروحانی سکون چھین کر اسے تلخ بنادیتی ہیں۔

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے،اس کو دو جہاں عطا کیے گئے ہیں،ایک جہانِ اصغر، یعنی اس کی ذات، اور ایک جہانِ اکبر،یعنی خطۂ ارض، ان دونوں جہانوں پر طاغوت کے غلبے کا استحصال اور احکام الٰہی کا نفاذ فریضۂ خلافت کا اولین تقاضا ہے،منصب خلافت کی انجام دہی کا کام جہانِ اصغر پر غلبے کے سفر سے شروع ہوتا ہے۔لہٰذا جدید فاضل کی اولین ذمہ داری اپنی ذات پر ”خلافت صغریٰ“ کا قیام ہے، اس کے بغیر عہد جدید کے طوفانوں اور تباہ کن اثرات سے بچاؤ ایک خواب تو ہوسکتا ہے،حقیقت نہیں۔

اقامت دین کے لیے ہماری کاوشیں بر نہ آنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ معاشرے میں اجتماعی کاموں میں تن دہی ہمارا نصب العین بن جاتا ہے، جب کہ علم و عمل کی مطابقت کا معرکہ تشنۂ تکمیل رہتا ہے، اس کا واحد ذریعہ تزکیۂ باطن ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اس کا حصول اہل اللہ کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔ [1]

اپنے علم کو عملی زندگی میں دخیل کیجیے:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

پہلے جائزہ اس بات کا لینا چاہیے کہ جو کچھ پڑھا ہے؛ اس پر عمل بھی ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا؟ عمل میں کچھ ترقی ہو رہی ہے کہ نہیں ہو رہی؟ اصلاح ہو رہی ہے کہ نہیں ہو رہی؟ اور دوسرے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ جب ہمارا مقصد خود اپنی اصلاح بھی ہے اور دوسروں تک دین پہنچانا بھی ہے، تو اس دین کے پہنچانے کے لیے بھی کوئی تیاری ہو رہی ہے کہ نہیں ہو رہی؟ تو پہلا کام: خود اپنا جائزہ لو۔

اور اس کا ایک آسان طریقہ ہے، جس کے اوپر اپنے آپ کو جانچ کر دیکھتے رہو۔ وہ آسان طریقہ یہ ہے:

بچپن سے یعنی جب سے درجۂ اولیٰ شروع کیا تو "نور الایضاح" پڑھی، مثلاً: "نور الایضاح" کے بعد "قدوری" پڑھی، "قدوری" کے بعد "کنز" پڑھی، "کنز" کے بعد "شرح وقایہ" پڑھی، "شرح وقایہ" کے بعد "ہدایہ"

(۱) مستفاد از ماہنامہ بینات - رمضان وشوال ۱۴۳۸ھ - بعنوان "مولوی، معاشرہ اور جدید فضلاء کی ذمہ داری" از مولانا محمد طفیل کوہاٹی مع تغییر۔

پڑھی، "اولین" پڑھی، "اخیرین" پڑھی، خدا جانے کیا کچھ پڑھا!! پھر "مشکوٰۃ" پڑھی۔ سب میں "کتاب الصلوٰۃ" آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ تو ذرا دیکھو کہ آٹھ سال تک کتاب الصلوٰۃ پڑھتے چلے گئے، کنز میں پڑھی، قدوری میں پڑھی، کہاں کہاں پڑھتے رہے!! تو اُس نماز میں جو پہلے پڑھتے تھے، یعنی یہاں آنے سے پہلے، اس میں کچھ فرق واقع ہوا ہے کہ نہیں؟ یا ویسے ہی پڑھ رہے ہیں جیسے پہلے پڑھتے تھے؟؟

نور الایضاح کو دیکھو! اس میں کتنی سنتیں لکھی ہوئی ہیں، کچھ یاد ہے؟ (مکرر فرمایا) باون سنتیں ہیں یا نہیں؟ اچھا! وہ باون سنتیں نور الایضاح میں پڑھیں، تو کیا کبھی اس نقطۂ نظر سے اپنی نماز کا جائزہ لے کر دیکھا کہ نور الایضاح میں جو باون سنتیں لکھی ہوئی ہیں وہ ہماری نماز کے اندر بھی آگئی ہیں کہ نہیں؟ کبھی جائزہ لیا؟ اگر لیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ پڑھ رہے ہیں عمل کے لیے، اگر نہیں لیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بے مقصد پڑھ رہے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ "نور الایضاح" سے لے کر "بخاری" تک کتاب الصلوٰۃ پڑھتے چلے گئے اور نماز درست نہ ہوئی؟؟ اگر مقصد سامنے ہوتا اور مقصد کی اہمیت ہوتی تو یہ صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ یہ میں نے ایک مثال دی ہے، اس کا جائزہ لے کر دیکھو۔ پھر جہاں صلوٰۃ ہے وہاں زکوٰۃ بھی ہے، بیوع بھی ہے، معاملات بھی ہیں، اخلاق بھی ہیں اور معاشرت بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جتنا پڑھتے چلے آرہے ہو اس کا جائزہ لے کر دیکھو کہ کچھ

تبدیلی آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ ایسا تو نہیں جیسا ہمارے والد ماجد فرمایا
کرتے تھے کہ جب فارغ ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ "جاء حمارًا صغیرًا
ورجع حمارًا کبیرًا" جیسا تھا ویسا ہی ہو کر رہ گیا، اور عمر کے سوا اور کسی
چیز میں اضافہ نہ ہوا، ایسا تو نہیں؟ اس کا جائزہ لو۔ (۱)

علما کا معیار عوام سے اونچا ہونا چاہیے:

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان میں قابلیت، رشد و حسن سیرت اور لوگوں کی طرف ان کے درپئے خدمت ہونے کو بھانپا، تو انہیں چند نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک نصیحت اس موقع سے بہت ہی زیادہ مناسب ہے۔ فرمایا:

اپنے لیے اس سے زیادہ ہی عبادت پر راضی ہونا، جتنا کہ دوسرے بجا لاتے ہیں۔ چناں چہ جب عوام تم کو دیکھیں گے کہ وہ جتنی عبادت انجام دیتے ہیں تم اس سے زیادہ عبادت نہیں کرتے تو وہ تمہارے بارے میں یہ خیال جمالیں گے کہ وہ جس جہل پر اَڑے ہیں اس نے انہیں جتنا فائدہ پہنچایا تمہارے علم نے تمہیں اتنا بھی فائدہ نہ دیا۔ (۲)

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات تجربے سے صد فیصد صحیح ثابت ہوئی کہ عوام ہمیشہ علما سے ایک درجہ نیچے رہتے ہیں، جب علما شب زندہ دار تھے، تب عوام تہجد گزار تھے، جب علما تہجد گزار ہوئے تو عوام سے تہجد گئی، اور جب علما کی تہجد گئی تو عوام

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۲۶۷-۲۶۸۔

(۲) اہل علم اور نماز باجماعت کی تاکید: ص ۴۹-۵۰، بحوالہ: "الاشباہ والنظائر: ۳/۳۷۵۔

کی نمازِ فجر غائب اور اب تو............۔

جب علما آداب و مستحبات کا خیال رکھتے ہیں تو عوام سنتوں کو اہمیت دیتے ہیں، علما آداب ترک کرتے ہیں تو عوام سنن چھوڑ دیتے ہیں، علما سنن چھوڑتے ہیں تو عوام واجبات، اور علما واجبات سے گریز کرتے ہیں تو عوام فرائض سے کنارہ کش ہوتے ہیں، علما فرائض سے کنارہ کش ہوتے ہیں تو عوام کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ ایک خطاب (سیرت طیبہ) میں فرماتے ہیں:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اثر نقل کیا ہے اور اس کو حدیث موضوع کہا ہے، سند جس درجہ کی بھی ہو؛ مگر بہر حال ایک چیز ہے جو قواعد شرعیہ کے بالکل مطابق ہے، اور وہ اثر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب علماء جائز کے حصول کی فکر میں پڑ جائیں گے تو عوام مکروہات کا ارتکاب کریں گے، اور جب علماء مکروہات کا ارتکاب کریں گے تو عوام حرام میں مبتلا ہوں گے، اور جب علماء حرام چیزوں میں مبتلا ہوں گے تو عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "ينبغي لحامل القرآن أن يُّعرف بليله إذ الناس نائمون، وبنهاره إذ الناس مفطرون، وبحزنه إذ الناس يفرحون، وببكائه إذ الناس يضحكون، وبصمته إذ الناس يخوضون، وبخشوعه إذ الناس يختالون. وينبغي لحامل القرآن أن يكون باكيًا محزونًا

(۱) ماہنامہ راہ عافیت-شعبان ۱۴۳۷ھ-بعنوان: "کیا آپ واقعی فارغ ہو گئے" از: مفتی طاہر صاحب سورتی۔

حكيمًا حليمًا سكينًا، ولا ينبغي لحامل القرآن أن يكون جافيًا ولا غافلًا ولا سخابًا ولا صياحًا ولا حديدًا."[۱] (حاملِ قرآن کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ اُس کو اُس کی رات (کے قیام وعبادت) سے پہچانا جائے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، اور اُس کے دن (کے روزے) سے جب لوگ روزے سے نہ ہوں، اور اُس کے غم سے پہچانا جائے جب کہ لوگ (غفلت سے) ہنس رہے ہوں، اور اُس کی خاموشی سے جب کہ لوگ غیر ضروری باتوں میں مشغول ہوں، اور اُس کی عاجزی سے پہچانا جائے جب کہ لوگ تکبر میں مبتلا ہوں۔ اور حاملِ قرآن کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ (اللہ کے خوف سے) رونے والا، (امت کے لیے) غمگین، دانا، بردبار و باوقار رہو، اور اس کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ سخت مزاج، غافل، بدگو، چلّانے والا اور تیز مزاج وغصہ وَر رہو)۔[۲]

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہونی چاہیے۔ دیکھنے والا کھلی آنکھوں سے دیکھ سکے کہ یہ لوگ دنیا کے طالب نہیں ہیں، اُن کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے اکثر کام حسبۃً للہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، جب تک ہمارے طبقۂ علما میں یہ اخلاقی امتیاز پیدا نہیں ہوگا، ایثار کا مادّہ نہیں ہوگا، اُن کی شخصیت مؤثر اور قابلِ احترام نہیں ہوگی، دل ودماغ پر گہرا اَثر اور وقار قائم نہیں ہوگا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں اپنے دوستوں سے اور علما وطلبہ سے یہی بات کہا کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو عوام کی طرح سمجھ کر یہ مت کہو: ”یہ کام جائز تھا؛

---

(۱) الزہد للامام احمد: ص ۲۰۲۔

(۲) ماہنامہ دار العلوم، شمارہ ۵-۶، جلد ۱۱، شعبان، رمضان ۱۴۳۸ھ۔

اس لیے ہم نے کرلیا"، بلکہ علما کو بہت سے جائز کاموں سے بھی اس لیے رکنا پڑتا ہے؛ تا کہ عوام گمراہ نہ ہو۔علما کو بہت سے ایسے جائز کام چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ یہ ہو کہ عوام کو کوئی مغالطہ لگ جائے گا، ایسے کاموں سے بھی علما کو بچنا چاہیے، اس واسطے کہ تم اپنی ظاہری وضع قطع سے دعویٰ کررہے ہو کہ ہم اللہ والے ہیں، اور اللہ والوں کا جوطرزِ عمل ہے: اہل علم کو اُس کے خلاف نہیں کرنا چاہیے، چاہے پھر وہ جائز ہی ہو۔ (۱)

علم عمل کے لیے پڑھایا جاتا ہے:

آج ہمارا حال بالکل مختلف ہے۔علم عمل کے لیے پڑھا جاتا ہے، مگر ہماری ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ علم پڑھ کر ہم سہولت پسند ہوجاتے ہیں، بجائے عمل کرنے کے ہمارا علم عمل چھوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔معلوم ہوگیا کہ یہ عمل مستحب ہے، یہ نفل ہے، یہ سنت ہے، یہ سنت غیر مؤکدہ ہے، کیا معنی؟ اب چھٹی، مستحب، نفل، سنت، یہ وہ امور ہیں جس کے ترک پر کوئی مواخذہ نہیں، لہٰذا چھوڑ دو- إنا للہ وإنا إلیہ راجعون-۔ (۲)

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ" بھائی مستحب پسندیدہ عمل کو کہتے ہیں، اور پسندیدہ عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے، چھوڑنے کے لیے نہیں"۔ (۳)

ایک اہم علمی نکتہ:

حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم نے" ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد"

---

(۱) مجالس مفتی اعظم: ص ۲۰۰۔

(۲) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ۲۵۔

(۳) یادگار ملاقاتیں: ۱۳۴۔

میں جلسۂ درسِ ختم بخاری میں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ایک دفعہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی اخیر عمر میں "حیدرآباد" تشریف لائے اور علما سے تھوڑی دیر خطاب کیا، اور فرمایا: آپ لوگوں کو نکتہ نوازی کی عادت بھی ہے اور نکتہ سمجھنا بھی جانتے ہیں، اس لیے ایک نکتے کی بات بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ لفظ "علم" میں وہی حروف ہیں جو لفظ "عمل" میں ہیں، لیکن نکتے کی بات یہ ہے کہ "علم" میں حرکات کے اعتبار سے دو سکون اور ایک حرکت ہے، اور "عمل" میں دو حرکتیں اور ایک سکون ہے۔ اس میں لطیفہ یہ ہے کہ جب تک علم حاصل کرنے کا زمانہ ہے؛ اپنے عمل پر اکتفا کرتے ہوئے سکون کے غلبے کے ساتھ حصولِ علم پر توجہ دینا چاہیے، اور جب یہ زمانہ ختم ہوکر عمل کا زمانہ شروع ہوجائے؛ تو اب اپنے عمل کو کافی نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ حرکت دوگنی ہوجائے کہ میں بھی دین پر قائم رہوں اور امت بھی دین پر قائم رہے، اب سکون وراحت کم؛ کوششیں، فکریں، حرکت وعمل زیادہ ہو، اب کنواں نہیں؛ ابرِ کرم بنیں، اب ہم خود ہی قوم کے محتاج بنیں اور ابرِ کرم بن کر اُن پر برسیں۔ پہلے دور میں کہا جاتا تھا کہ علما کنواں ہیں، پیاسے خود آئیں گے اور پیاس بجھائیں گے، اب دور ایسا آ گیا ہے کہ پیاسے کو پیاس لگ رہی ہے، مرنے کو تیار ہے؛ لیکن کنویں تک جانے تیار نہیں، ایسے پیاسوں کے لیے آپ کو کنواں نہیں؛ ابرِ کرم بن جانا ہے، حضرت شاہ احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت دل پر نقش کر لینا ہے۔ ؎

رحمت کا اَبر بن کر سارے جہاں پر چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اب آپ کو خود جا کر لوگوں کے حالات معلوم کرنے ہیں، فکریں کرنا ہیں، جو گمراہ ہیں انہیں سیدھا راستہ دِکھانا ہے، اپنے محلے، علاقے اور جہاں تک اللہ توفیق دے وہاں تک بڑی حکمت عملی سے یہ کام آپ کو پہنچانا ہے۔ (۱)

(۲۶) نماز با جماعت کا اہتمام اور تکبیر اولیٰ کا چلہ:

برسوں مدرسے میں رہنے کے باوجود بعض فضلا پنج وقتہ نمازِ باجماعت کی پابندی سے محروم رہتے ہیں، تکبیر اولیٰ تو پانے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ مسجد اور نماز سے شغف اور لگاؤ نہیں، بعد میں آنا اور سب سے پہلے مسجد سے بھاگنے کی کوشش کرنا۔ اذان کا جواب دینے کی سنت تقریباً متروک ہو چکی ہے۔ اذان کے بعد نماز کی تیاری کا اہتمام نہیں کیا جاتا، کھڑے ہیں تو کھڑے ہیں، کھیل میں ہیں تو کھیل بدستور جاری ہے، مطالعہ یا تکرار کر رہے ہیں تو یہ اقامت تک جاری رہے گا، نماز کھڑی ہوگئی تو اب یہ استنجا کرنے اور وضو کے لیے جائیں گے۔ اور نماز بھی کوتاہیوں سے پُر ہے، نہ رکوع پورا، نہ سجدہ اطمینان سے......۔

یاد رکھیے! اگر نماز کے معاملے کی پوری طرح حفاظت ہوگئی تو باقی امور بھی محفوظ ہو جائیں گے۔ نماز ضائع ہوئی، اس کا کما حقہ اہتمام نہ ہو سکا، تو باقی امور بھی بربادی کی نذر ہو جائیں گے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گورنروں کے نام گشتی مراسلہ ہمارے لیے موجب بصیرت اور مشعل راہ ہونا چاہیے، آپ نے لکھا تھا: "إِنَّ أَهَمَّ أُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلَاةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا أَوْ حَافَظَ عَلَيْهَا فَهُوَ لِمَاسِوَاهَا أَحْفَظُ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَاسِوَاهَا أَضْيَعُ" (۲) (بے شک تمہارے تمام کاموں میں سب سے اہم میرے نزدیک

(۱) نو فارغ علمائے کرام کے لیے چند گراں قدر نصیحتیں: ص ۶۔

(۲) موطأ امام مالک، کتاب الصلوۃ، باب وقوت الصلوۃ، رقم الحدیث: ۶۔

نماز ہے، جس نے اس کو یاد رکھا اور اس پر محافظت کی وہ اس کے ماسوا امور کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہوگا، اور جو اس کو ضائع کرے گا تو اس کے ماسوا امور کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا)۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پابندی جماعت کے لیے یہ طریقہ ارشاد فرماتے تھے کہ اذان سننے کے بعد فوراً ہی نماز کی تیاری شروع کر دی جائے۔

بہر حال! یہ یا اس کے علاوہ دیگر طریقوں کو اپناتے ہوئے اپنے آپ کو اس کا عادی بنایا جائے کہ جماعت سے کم از کم چار پانچ منٹ پہلے مسجد میں موجود ہوں۔ (۱)

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ سالوں تک آپ کا یہ معمول رہا ہے کہ اذان سے پہلے آپ مسجد میں موجود ہوتے تھے۔ (۲) چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے ۴۰/روز تک جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ پاتے ہوئے نماز پڑھے گا اس کے لیے دو براءتیں لکھی دی جائیں گی: ایک دوزخ سے براءت، اور دوسرے نفاق سے براءت۔ (۳)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ دار العلوم میں دستار بندی کے جلسے کے لیے آئے تھے، اس زمانے میں حضرت سرپرست تھے، اجلاس میں آئے، اذان ہوئی، اذان ہوتے ہی وہاں سے مسجد جانے کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن مجمع بہت بڑا تھا، لوگوں کی بھیڑ بھی تھی، کچھ لوگ مصافحہ بھی کر رہے تھے، تو مسجد ایسے وقت پہنچے کہ

---

(۱) اہل علم کی زندگی۔

(۲) حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۱۶۲۔

(۳) سنن الترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب فی فضل التکبیرۃ الاولیٰ، رقم الحدیث: ۲۴۱، حکم الحدیث: حسن۔

اقامت ہوچکی تھی اور امام صاحب حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے، نماز کے بعد لوگوں نے پوچھا: حضرت! ابھی نماز سے پہلے تو آپ خوش وخرم تھے، اب آپ کے چہرے پر غم وحزن کے آثار ہیں؟ کیا بات ہے؟ فرمایا: رشید احمد کے لیے اس سے زیادہ غم اور تکلیف کی بات کیا ہوگی کہ آج ۲۲/سال کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہے۔ (۱)

مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عزیزو! میں صاف صاف آپ سے کہتا ہوں، اور اس میں کسی اشارے کنایے سے کام نہیں لیتا، آپ نماز پنج گانہ کی پابندی کریں، نوافل، تسبیحات کو بھی ترک نہ کریں، تاکہ معلوم ہو کہ آپ کسی دینی درس گاہ سے پڑھ کر آئے ہیں۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جو منزلیں، جو امتحان وآزمائش آپ کو پیش آنے والی ہیں، اور یہ ملک بلکہ ملت اسلامیہ جس راستے سے گذر رہی ہے، پھر معاشی ذمے داریاں، خاندان کی پرورش کا مسئلہ، پھر جو اخلاقی بیماریاں اور امراض ہیں، وہ سب نماز کی ادائیگی میں فرق پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی طرف سے توجہ ہٹا سکتے ہیں۔ (۲)

(۲۷) تلاوت قرآن اور تصحیح قرآن کا اہتمام:

خیال یہ ہے کہ طلبہ (فضلا) کی اکثریت قرآن پاک کی باقاعدہ یومیہ تلاوت سے

(۱) نصیحت گوش کن جانا: ص ۳۹-۴۰، بحوالہ: تذکرۂ اکابر گنگوہ: ۱/ ۳۳۷

(۲) افتتاح بخاری وختم بخاری: ص ۹۷

محروم رہتی ہے، یہ بڑی محرومی ہے۔ حفاظ بھی اکثر رمضانی وشعبانی ہوتے ہیں کہ ان مہینوں میں تلاوت کا کچھ اہتمام کرلیا اور پھر سال بھر چھٹی، ضرورت اس امر کی ہے کہ تلاوت قرآن پاک کا ایک وقت مقرر ہو۔

حضرات صحابہ کا اہتمام دیکھیے! ان میں قراء تھے، کم ازکم ایک منزل روزانہ کا معمول تھا۔ حضرت عثمانؓ تو ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ تین رات میں قرآن ختم کرتے تھے، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تلاوت کا معمول تھا۔ آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھے ہوں گے۔ ؎

ع وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ يَتْلُوْ كِتَابَه (۱)

(نیز) تصحیح قرآن پاک کا اہتمام ہونا چاہیے۔ بہت سے طلبہ غلط پڑھتے ہیں اور اس حالت میں سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت حاصل کرکے رخصت ہوتے ہیں۔ (۲) اس لیے فضلائے مدارس کسی ماہر مشاق مجوِّد کو "حدر" میں سنا کر تجویدی اغلاط کی اصلاح کرالیں، اور پھر اس شعبے میں ثواب اور استخلاص کے ساتھ لگ جائیں، تو استعمال کی جگہ بھی میسر ہوگی؛ اور ان شاء اللہ بہت بڑا صدقۂ جاریہ بھی ہوگا۔ (۳)

---

(۱) نصیحت گوش کن جانا: ص ۴۲-۴۳۔

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۴۔

(۳) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۴۴ھ: ص ۵۔

(۲۸) روزانہ احادیث کی قراءت، درود شریف کی کثرت اور موجودہ دور کے مسائل پر نظر:

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں حضرت مولانا بدرعالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہم حاضر ہوئے، غالباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے، تو حضرت نے پوچھا: کیا کرتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ جامعہ ڈابھیل میں ہوں، تو حضرت نے چند نصیحتیں فرمائیں:

پہلی بات حضرت نے یہ ارشاد فرمائی کہ جیسے قرآن شریف کی روزانہ تھوڑی بہت تلاوت کرتے ہو؛ اسی طرح حدیث شریف بھی روزانہ پڑھا کرو! مجھے خاص طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ:

> تو یہاں سے کل "تجرید بخاری" خرید لینا! اور روزانہ پڑھتے رہنا! تم کو دو فائدے ہوں گے:
>
> ایک یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے کا ثواب ملے گا۔
>
> اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بخاری کی روایتیں تمہارے ذہن میں رہیں گی، ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے گی کہ بخاری شریف میں فلاں جگہ یہ روایت موجود ہے۔

دوسری بات حضرت نے یہ ارشاد فرمائی کہ درود شریف کی کثرت رکھا کرو! دیکھو! ہندوستان میں بریلوی مکتب فکر کے لوگوں کے ساتھ ہمارے مناظرے ہوئے، ان کی کتابیں ہمارے خلاف چھپیں، ہمارے علما نے اُن کے جوابات دیے، ہم رد میں اِس حد تک

پہنچ گئے کہ سو مرتبہ ہم سے درود شریف نہیں پڑھا جاتا۔ حضرت نے بہت افسوس سے فرمایا کہ یہ ٹھیک نہیں، رہا اُن کا غلو! سو وہ اپنی جگہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو! کہ انہوں نے "فضائل درود شریف" گھر گھر پہنچائی، اور "چہل درود" بھی بہت سی مسجدوں میں پڑھا جا رہا ہے۔ (۱)

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری توجہ کم ہوگئی ہے۔ ابھی میں ساؤتھ افریقہ گیا تھا، پروفیسر سلمان ندوی صاحب ڈربن میں ملے، انہوں نے فرمایا کہ بڑے افسوس اور دُکھ کی بات ہے کہ عامۃ المسلمین تو سیرت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے؛ لیکن ہمارے اصحاب درس اور علما بھی سیرت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ سیرت کو ہر طریقے سے دیکھنے کی ضرورت ہے، اور حدیث شریف پر اس نقطۂ نظر سے بھی ہمیں غور کرنا ہے کہ موجودہ دور کے جو حالات ہیں؛ اُس میں حدیث شریف ہمیں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ علامہ یوسف قرضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "السنة مصدر للحضارة" نامی کتاب ہے، اس میں انہوں نے توجہ دلائی کہ دیکھو! موجودہ دور کے یہ یہ مسائل ہیں، دنیا میں ان کا بڑا شور ہے، اس کا علاج حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا ہے۔

حدیث شریف کے طلبا کے سامنے ہم لوگ شروع شروع میں بہت طویل بحثیں کرتے ہیں، اور اخیر میں جو ضروری چیزیں ہوتی ہیں وہ چھوٹ جاتی ہیں، اور موجودہ دور کے مسائل پر ہماری نظر نہیں ہوتی۔ (۲)

---

(۱) ختم بخاری شریف، بمقام: جامعہ ریاض العلوم لیسٹر، برطانیہ، افادات: حضرت مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ: ص ۲۶-۲۷۔

(۲) ختم بخاری شریف، بمقام: جامعہ ریاض العلوم لیسٹر، برطانیہ، افادات: حضرت مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ: ص ۲۸-۲۹۔

(۲۹) ذکر اللہ کا اہتمام:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے؛ ہر حال میں آپ کی زبان پر اللہ کا ذکر، تسبیح وتلاوت ہونی چاہیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں بغیر وضو کے ذکر اللہ کی اجازت والی روایت نقل کی ہے؛ وہاں حضرت عائشہؓ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے: "كان رسول الله ﷺ يذكرالله على كل أحيانه" ہر حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا ذکر کرتے تھے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! شریعت کے احکام تو بہت سارے ہیں، آپ مجھے کوئی ایسا حکم بتادیجیے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: "لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللهِ" (تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر وتازہ رہنی چاہیے)۔(۲) گویا زبان پر "سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلا الله، الله" ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس امت کے سید العلماء ہیں، "أعلم أمتي بالحلال والحرام" کا لقب ملا، اُن کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "إني أحبك يا معاذ! لا تدعن دبر كل صلاة أن تقول: اللّٰهُمَّ أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك"(۳)۔ اُن وقتاً فوقتاً جو نصیحتیں کی گئیں وہ ہم سب کے لیے نہایت ضروری ہیں۔(۴)

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/ ۶۸، ۱۲۹۔

(۲) مسند احمد: ۱۷۶۸۰۔

(۳) سنن ابی داود، باب الاستغفار، رقم الحدیث: ۱۵۲۳۔

(۴) تیری رہبری کا سوال ہے: ص ۱۸-۱۹۔

ایک مقبول تسبیح پوری سلطنت سے بہتر:

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ ذکر کیا ہے: ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت کے ساتھ ہوا کے دوش پر جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہوا کو آپ کے لیے مسخر کر دیا تھا، جہاں جانا چاہتے تھے ہوا اُن کو اس رخ پر پورے دربار کے ساتھ لے جاتی تھی، فضا میں ان کا پورا دربار جا رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر ایک مومن نے کہا: "سبحان الله! ماذا أعطي آل داود" سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے داود کے گھرانے والوں کو کیسی نعمت عطا فرمائی! حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس جملے سے باخبر کیا تو انہوں نے ہوا کو حکم دیا کہ دربار کو نیچے اتارو، اور اس مؤمن سے کہا کہ "تسبيحة واحدة في صحيفة رجل مؤمن أفضل مما أوتي ابن داود" کسی مومن شخص کے صحیفے میں موجود ایک تسبیح میری پوری سلطنت سے بہتر ہے۔ (۱) اللہ نے موقع دیا ہے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہاتھ میں تسبیح رکھتے ہوئے "سبحان الله، الحمد لله" پڑھتے رہو، لوگوں کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرو۔ لوگ تو ہر حال میں طعن و تشنیع کریں گے، کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے بولتے رہیں گے کہ بہت بڑا مولوی بن گیا، ان کی پرواہ کیے بغیر آپ اپنے کام میں مشغول رہیں۔ (۲)

فضلا کی نماز، تلاوت اور ذکر عوام جیسا نہ ہو:

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

"...... یہ علم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص ورثہ اور ترکہ ہے، اور پھر کارِ نبوت میں آپ کی

---

(۱) الزہد والرقائق لابن المبارک: ۲/ ۵۹

(۲) نصیحت گوش کن جانا: ص۸۶-۸۷

نیابت، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمت ہے۔ یہ صرف محنت سے حاصل نہیں ہوسکتی،...... اس کے لیے محنت وریاضت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق اور تقویٰ بھی شرط ہے۔ ......اللہ تعالیٰ سے تعلق کا خاص ذریعہ عبادات؛ مثلاً نماز اور تلاوت قرآن اور ذکر اللہ وغیرہ ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ نماز اور تلاوت اور ذکر کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو، اور اس میں روح ہو، ...... یہ بات خود آپ کے سوچنے کی ہے کہ کیا آپ کی نماز اور تلاوت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ حدیث وتفسیر پڑھنے والے طلبہ کی ہونی چاہیے"۔

میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم نصیب فرمایا ہے کہ جس وقت آپ نماز کے لیے اللہ کے حضور میں کھڑے ہوں تو "إِنَّه يُنَاجِيْ رَبَّه" کی کیفیت کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور جب زبان سے عرض کریں: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" تو آپ کا دل اللہ کی طرف سے "حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ" کی آواز سنے، اسی طرح "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہیں تو آپ کا دل "أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ" کی آواز سنے، اور "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہیں تو "هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ، وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ" کی بشارت سنے۔ اسی طرح جب تلاوت کریں تو آپ کو یہ دھیان ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری تلاوت سن رہا ہے، اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ کیا ارشاد فرما رہا ہے۔ پھر جب وہ آیتیں آئیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا یا جنت کا ذکر ہو تو اللہ سے اُس کے لیے دعا کریں، اور جہاں اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال اور دوزخ کا ذکر آئے تو وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں۔ آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔[1]

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۱۵۸

اِس وقت کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ مساجد میں نمازوں سے قبل اور بعد بیٹھ کر تلاوت، ذکر و تسبیح کی جو عمومی فضا کبھی ہماری مساجد کی پہچان ہوا کرتی تھی، وہ بھی مادّیت سے کافی متأثر ہوئی ہے، اب یہ مناظر دل پر آرے چلاتے ہیں کہ کسی من چلے کو نماز سے قبل یا بعد ۲-۴ ر منٹ کا وقت ملتا ہے تو وہ کم بخت موبائل ہڑپ کر جاتا ہے، لہٰذا ہمارے فضلا اتنا کرلیں کہ مسجد میں اول تو خود جلدی آئیں اور دیر تک بیٹھنے کے خوگر بنیں، پھر آہستہ آہستہ دوسرے نوجوانوں اور سنجیدہ بچوں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ (۱)

(۳۰) دعاؤں اور مناجات کا اہتمام:

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب ووارث بننا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے کام کی ذمے داری سنبھالنا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص نسبت اور خاص مناسبت حاصل ہو، اور آپ کی خصوصی وامتیازی اوصاف میں آپ کا حصہ ہو۔ میں نے اس پر بہت غور کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں کس وصف کا غلبہ ہے؟ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے ہی کمالات عطا فرمائے ہیں۔ ؎

آں چہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

سب سے زیادہ غالب وصف؛ دعا:

لیکن آپ کی زندگی اور آپ کے احوال میں غور کرنے سے یہ بات کھل کر

---

(۱) ایک پیغام فضلا کے نام: ص ۲۵۔

سامنے آجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف میں سب سے زیادہ غالب وصف دعا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، اور ایسے سوز وگداز سے، لاچاری ومحتاجی کے ایسے شدید احساس اور الحاح کے ساتھ کسی نے نہیں مانگا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے مانگا۔ حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں دعائیں مروی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، آپ ان کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر دعا میں نیازمندی اور عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔ یہ دعائیں آپ کا خاص الخاص ورثہ ہیں۔تو میرا آخری مشورہ یا نصیحت آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ ان دعاؤں سے خاص مناسبت پیدا کیجیے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ دعا کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے لیے دعا کرنا ہو دِل میں اس چیز کی طلب اور حاجت مندی کا احساس ہو، جس طرح پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے۔اور اللہ کے کرم پر اعتماد کر کے اس یقین کے ساتھ مانگے کہ وہ چیز بس اس کے خزانے میں اور اس کی قدرت میں ہے، اور وہ اپنے کرم سے مجھ محتاج اور بھکاری کو عطا فرمائے گا۔

دعا اگر دِل سے نہ ہو، بس زبان بول رہی ہو اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں، تو وہ دعا نہیں ہے، دعا صرف وہی ہے جو دل سے ہو، دعا دراصل دل کا عمل ہے، زبان سے تو اس کا بس ظہور ہوتا ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ ہاتھوں کا اٹھنا اور زبان سے دعا کے الفاظ کا نکلنا دعا کی صورت اور اس کا ظاہری شکل ہے، دعا کی حقیقت توجہ کے ساتھ دل کی طلب اور دِل کا اللہ سے مانگنا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جب آدمی کو رنج اور غم ہوتا ہے تو وہ روتا

ہے، اس کے منہ سے رونے کی آواز نکلتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں، لیکن یہ رونے کی آواز اور آنکھوں سے آنسو رنج اور غم کی اصل حقیقت نہیں ہے، بلکہ اس کی ظاہری شکل وصورت ہے، اصل رنج وغم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے، آنکھوں اور منہ سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔

صورتِ محض نہ ہو؛ حقیقت ہو:

آج ہماری عام حالت یہ ہے کہ کم از کم فرض نماز کے بعد ہم دعا کرتے ہیں، اور بعض اوقات خوب دیر تک دعا کرتے ہیں، لیکن یہ دعا صرف زبان کی اور ہاتھوں کی ہوتی ہے، دل متوجہ نہیں ہوتا۔ بسا اوقات خود میرا یہی حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حال درست فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دعا نہیں ہے، دعا کی صرف صورت ہے۔ آپ ابھی سے اس کی عادت ڈالیے کہ آپ کی دعا اصلی ہو اور حقیقی ہو، دعا کی صرف شکل وصورت نہ ہو، خاص کر تنہائی میں دل کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالیے۔ اس سے ایمان کی حقیقت مانگیے، علم ومعرفت مانگیے، نماز کی حقیقت اور تقویٰ مانگیے، دین کی خدمت کی توفیق مانگیے، تنہائیوں میں رو رو کر اور تڑپ تڑپ کر مانگیے، پھر دیکھیے! اللہ کا کیسا فضل ہوتا ہے!!

خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماثور دعاؤں سے مناسبت پیدا کیجیے۔

حدیث کی ہر کتاب میں ”کتاب الدعوات“ ہے، جس میں مختلف موقعوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سینکڑوں دعائیں جمع کر دی جاتی ہیں، یہ دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص الخاص ورثہ ہیں اور بڑا بیش بہا خزانہ ہے، اور اس

کی کنجی ہمارے آپ ہی کے پاس ہے، جو اِن مدرسوں میں حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ افسوس! ہمیں اس خزانے کے جواہرات کی قدر نہیں، اگر کوئی ایسا آلہ یا میٹر ہوتا جس سے آخرت کے لحاظ سے چیزوں کی قدر و قیمت جانچی جاسکتی، تو معلوم ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی دعائیں دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ اس کی؛ اس نعمت کی قدر جانیں، اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس عربی تعلیم اور ہمارے ان دینی مدرسوں کی برکت سے ہمارے لیے اس خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ (۱)

(۳۱) احساس کمتری سے بچنا:

مدارس کے ماحول میں ایک فکری غلطی (جس کا تدارک ضروری ہے) یہ ہے کہ خارجی ماحول کو دیکھ کر ہمارے قلوب دین اور تعلیم دین کی حقیقی عظمت سے خالی ہوتے جارہے ہیں۔ مال کی ریل پیل، کار، کوٹھی، بنگلہ اور دیگر مادی ترقیات جو دنیوی تعلیم پر ملتی ہیں، وہ دینی تعلیم پر حاصل نہیں ہوتیں، اس لیے ہم احساس کمتری اور اپنے مستقبل کے بارے میں تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (۲)

چناں چہ حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

اس راہ میں قدم قدم پر اپنے اوپر محاسبہ اور نگرانی کی کڑی نگاہ رکھنے کی

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۱۶۴-۱۶۵

(۲) اہل علم کی زندگی: ص ۲۸۵

ضرورت ہوتی ہے، کیوں کہ جدیدیت سے مرعوب ہونے کا فتنہ اس قدر خطرناک اورزوداثر ہے کہ عمدہ تربیت اور ٹھیٹھ دینی و علمی ماحول میں نشوونما پانے والے بھی چند ایام میں اس کے اس طرح زیرِ دام آجاتے ہیں کہ انہیں اپنی سابقہ طرزِ زندگی، سابقہ فکر، ادب واحترام کے سابقہ پیمانے اور بسا اوقات اپنے مربی واساتذہ تک فرسودہ نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں دل ودماغ سے شروع ہوتی ہیں اور جسم پر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، داڑھی گھٹتی ہے، پائنچے ٹخنوں سے نیچے کھسکتے ہیں، دسترخوان کی جگہ ٹیبل اور مسواک کا نعم البدل برش قرار پاتا ہے، بالوں کا اسٹائل بدلتا ہے، ٹوپی سر کے بجائے جیب میں رہنے لگتی ہے، علما اور صلحا کا لباس اترتا ہے، اور زندگی کا پہیہ ایک نئے ڈھپ پر گھومنے لگتا ہے۔......

احساس کمتری کی عکاس ان تبدیلیوں کا شکار ہونے والوں کی یہ خام خیالی ہوتی ہے کہ اس طرح وہ زمانے کے نئے معاشرے میں "ایڈجسٹ" ہوجائیں گے یا ان کا قد بڑھ جائے گا۔

بلاشبہ زندگی کے دھارے سے الگ سائباں لگانے کے بجائے اس میں شامل ہوکر ہی قیادت کرنا علماء کا فریضہ ہے، نقشوں کو دیکھنے کے بجائے لوگوں سے مل کر ہی دیکھنا چاہیے کہ "کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے"، لیکن بایں ہمہ اسلامی طرزِ زندگی، صلحا کی وضع وہیئت سے متعلق دل میں کسی معذرت یا مرعوبیت کا ذرہ بھر شائبہ نہیں آنا چاہیے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں! حال ہی کی تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھیں، کتنی علمی شخصیات

ہیں جو اپنی پوری اسلامی وضع قطع اور مکمل طرزِ زندگی کے ساتھ جدید دانش گاہوں میں گئے، نئے ایوانوں میں گئے، لیکن ان کا وقار، ان کی ہیئت اور ان کی شخصیت کا رعب نہ صرف برقرار رہا؛ بلکہ سب پر حاوی رہا، اور کسی دانشور یا حکمران کو ان کے سامنے پَر مارنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ ......فکر و تربیت کی یہ پختگی کڑی نگرانی اور بڑا ریاض چاہتی ہے، اس لیے برادرانِ گرامی! جب "بسم اللہ" کی، گنبد سے باہر آپ قدم رکھنے لگے، تو نئے زمانے کے اندھیروں میں، شوریدہ ہواؤں میں، دیرینہ فکر و تربیت کے جلتے بجھتے چراغ سے اپنے بام و دَر کو سجائے رکھنا، بنائے رکھنا![۱]

حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

نری چمک دمک سے متأثر نہیں ہونا چاہیے، میرے بھائی!

All that lighters is not gold• Old is gold

ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی، بلکہ جو چیز پرانی ہوتی ہے وہ سونا ہوتی ہے۔

احساس کمتری کا ہرگز شکار نہیں ہونا چاہیے۔ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے سینے کو علم نبوت سے معمور کیا ہے، اور پھر تم احساس کمتری کا شکار ہوتے ہو؟ کس قدر افسوس کی بات ہے! یہ علم نبوت کی ناقدری ہے۔ میرے بھائی! ایک شخص کو وزارت کا منصب مل جائے اور وہ ٹھوکر مار کر بھنگی بننا پسند کرے، وہ بھی اپنے منصب کی اتنی ناقدری کرنے والا نہیں ہوگا، جتنا ایک عالم اپنے منصب سے گر کر اپنے

---

(۱) کرنیں: ص ۱۸۱-۱۸۲

منصب کی ناقدری کرنے والا بنا ہے۔ [1]

احساس کہتری کیوں؟

بقول مفکر اسلام:

عزیزو! آپ احساس کہتری کا کیوں شکار ہو!! دوسروں کا احساسِ کہتری ایک نفسیاتی مرض ہے، مگر آپ کا احساس کہتری دینی کمزوری، ضعف عقیدہ اور ضعف ایمان کی دلیل ہے، جس کے نتائج بہت سنجیدہ اور دوررس ہیں، انبیا کے نائبین اور علوم نبوت کے حاملین کو اپنی کہتری اور حقارت کا احساس ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبوت کے مقام سے ناآشنا اور یقین سے خالی ہیں۔ آپ تو ان ہستیوں کے جانشین ہیں جن کے متعلق عارف رومی نے بجاطور پر کہا تھا۔ ؎

نخوتے دارند وکبرے چوشہاں ❁ چاکری خواہند از اہل جہاں

اور جن کے متعلق شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ ؎

شہانِ بے کلہ وخسروانِ بے کمر اند

خودشناسی وخودداری:

آپ کے پاس جو دولت ہے اس سے دنیا کا دامن خالی ہے، آپ کے سینے میں علومِ نبوت ہیں، اور وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں، اور جن کے گم ہونے سے آج عالم میں اندھیرا ہے، اضطراب وانتشار ہے،

(۱) عالم ربانی کسے کہتے ہیں: ۴۴

شر وفساد ہے، آپ اپنے ان سادہ کپڑوں، ان حقیر جسموں اور اس خالی جیب ودامن پر نظر نہ کریں، آپ دیکھیں کہ آپ کا سینہ کن دولتوں سے معمور اور آپ کے اندر کیسا بدرِ کامل مستور ہے۔ ؎

بر خود نظر بکشا زتہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند [1]

(علامہ اقبالؒ)

(میں آپ کو مخاطب کر رہا ہوں) شاعر نے چاند کو خطاب کر کے کہا کہ ہلال جب باریک ہوتا ہے تو بے چارہ حقیر معلوم ہوتا ہے۔ تب اپنے اوپر، اپنے مستقبل پر نظر ڈالو، اپنی تہی دامنی پر رنج نہ کرو کہ تو خالی ہے، بالکل بال کی طرح، تیرے سینے میں چودہویں کا چاند سو رہا ہے، اور چودہویں کے چاند کی کیا حقیقت ہے؟؟ آپ کے سینے میں اللہ کا کلام ہے، سِرِّ الٰہی ہے (اور علوم نبوت ہیں)۔ [2]

اپنی قدر پہچانیے!!

میرے پیارو! حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ دہرانے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے دار العلوم کراچی کے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے ایک جملہ ارشاد فرمایا تھا: ”میرے پیارو! اپنی قدر پہچانو“ میں بھی کہتا ہوں: میرے پیارو! اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنی قدر پہچانو!۔ [3]

---

(۱) اہل علم کی زندگی: ص ۹۸-۹۹۔

(۲) تحفۂ حفاظ: ص ۴۳-۴۴۔

(۳) فضلاء کی خدمت میں: ۵۵۔

(۳۲) معاشرے سے توقعات وابستہ کرنے سے اجتناب:

جدید فاضل کو اپنے مقام واحترام کے حصول کے لیے معاشرے اور متعلقین سے توقعات رکھنا بھی زیب نہیں دیتا۔ یہ جذبات ”امتیازی شان“ کی نفسیات پیدا کرتے ہیں، اس نفسیات کے حامل ہر وقت اس خوف کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں ان کی ”مقبولیت“ کم یا متأثر نہ ہو، ان کی کاوشوں کا محور اپنے اس خول کی حفاظت رہتی ہے، اور وہ کوئی کارنامہ انجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔

بڑوں کی ابتدا دیکھنی چاہیے؛ انتہا نہیں:

معاشرے میں اکابر علما کے احترام ومقام کی پشت پر طویل مجاہدات ہوتے ہیں، ان کی حالیہ زندگی دیکھ کر ان کی نقالی شروع کردینا کم ظرفی کی علامت ہے۔ معاشرے میں ایجابی کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو مجاہدات کی بھٹی سے گذر کر اور شدائد ومشکلات برداشت کرکے آگے بڑھے ہوں۔ آج کل اداروں اور تحریکات میں بغیر کسی مجاہدہ اور کردار کے ”صاحبزادگان“ کی گدی نشینی سے جو ہولناک نتائج سامنے آرہے ہیں وہ کسی سنجیدہ شخصیت پر مخفی نہیں، رفتہ رفتہ وہ ادارے اور تحریکات اپنا مقام کھودیتے ہیں۔

جدید فاضل کو اپنے مقام واحترام کی کوئی توقع معاشرے سے وابستہ نہیں کرنی چاہیے، اور نہ اس نیت سے کام کرنا چاہیے، خلوص وللّٰہیت کے ساتھ جہد مسلسل کی خُو ڈالنا چاہیے، ان شاء اللہ محنت ومجاہدے سے یہ سارے مراحل فطری طور سے طے ہوں گے، اور دینی ودنیوی مقبولیت قدم چومے گی۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ بینات- رمضان وشوال ۱۴۳۸ھ: ص ۱۰۴۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم نصیحت:

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

مجھے یاد آتی ہے وہ بات جب میں اپنی رسمی طالب علمانہ زندگی کو مکمل کر کے مدینہ منورہ سے واپس آیا، اور میرے بزرگوں نے مختلف کام سپرد کیے، تو پہلے ہی دن میرے والد ماجد نے مجھے بٹھایا اور کہا: "اب تم زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہے ہو، میں تجربوں کی روشنی میں کچھ باتیں تم کو سمجھانا چاہتا ہوں، دل کے کانوں سے سننا اور دل پر نقش کر لینا!!"۔ میں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا، کیوں کہ وہ اس طرح تمہید باندھ کر گفتگو کرنے کے عادی نہیں تھے، وہ سیدھے سیدھے کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ ٹھیک ہے؛ وہ غلط ہے، لیکن اس طرح کی گفتگو وہ بہت کم کرتے تھے، میں سناٹے میں آ گیا کہ اب میرے والد مجھے کیا کہنے جا رہے ہیں؟؟

پھر انہوں نے کہا: "اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اس قوم کی تربیت و خدمت کے لیے میدان میں اُتر رہے ہو جس کی طرف سے تمہیں سوائے تنقیدوں اور ہمت شکنیوں کے کچھ نہیں ملنے والا ہے، یہ قوم تم کو خون کے آنسو رلائے گی، تم اس قوم کی خاطر اپنے بچوں کو جھونک دو گے، اپنی صحت و جان خطرے میں ڈال دو گے، سب کچھ لٹا دو گے؛ تب بھی یہ قوم تمہیں بخشے گی نہیں، اس لیے پہلے دن سے اپنی نیت کو خالص کر لو! صرف اللہ کی طرف دیکھنا! قوم کی طرف مت دیکھنا! بالکل مت دیکھنا!! اگر تم نے آخرت اور مغفرت کی نیت کر کے کام کیا تب تو تم کام کے میدان میں جمے رہو گے، ورنہ کچھ دن بعد بھاگ کھڑے ہو گے"۔ ان کی بروقت نصیحت اور آج تک کام آ رہی ہے۔ (۱)

---

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس، شوال ۱۴۳۴ھ: ص ۴۸۔

(۳۳) قابلیت سے زیادہ مقبولیت کی فکر:

فارغ التحصیل ہونے والے نوجوان فضلائے کرام کے لیے ایک بہت بڑا سوال جو اپنے اندر تہہ در تہہ کئی پہلو رکھتا ہے؛ یہ ہوتا ہے کہ وہ فراغت کے بعد عملی زندگی کی ابتدا کس طرح کریں؟ جن فضلا کے سر پر کسی صاحب علم وفضل کا دست شفقت ہو؛ تو وہ اپنے بڑوں کی رہنمائی اور شفقت سے اِس گھاٹی کو عبور کر کے کامیاب زندگی کی ابتدا کر دیتے ہیں، اور دینی خدمات میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور جن حضرات کا خاندانی پس منظر ایسا نہیں ہے ہوتا، اور انہیں کسی معروف استاذ یا شفیق شیخ کا قرب حاصل نہیں ہوتا، وہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں، اور اُس وقت تک کرب میں مبتلا رہتے ہیں جب تک توفیق الٰہی ان کی دست گیری نہیں کر لیتی۔ اس موقع پر توفیق الٰہی شامل حال کیسے ہوتی ہے؟ یہ بات اگر کھل جائے تو ان شاء اللہ سارے مسئلے خود حل ہو جائیں گے۔

حضراتِ اساتذۂ کرام کی ہدایات اور نصائح کا نچوڑ اور زندگی کے تجربات کچھ یوں بتلاتے ہیں کہ اِس میں کچھ حصہ خالص وہبی ہوتا ہے، اور اغلباً دعا اور خدمت سے نصیب ہوتا ہے، اور کچھ میں کسب کا بھی کسی قدر دخل ہوتا ہے، جو عموماً اخلاص اور محنت سے حاصل ہوتا ہے، وہبی عنصر کو آپ "قبولیت" کا نام دے سکتے ہیں، اور کسبی چیز کو آپ "قابلیت" کہہ سکتے ہیں، اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ قابلیت اِس میدان میں کام نہیں آتی؛ جب تک کہ اُس پر قبولیت کا سایہ نہ ہو، کسب کچھ کام نہیں دیتا؛ جب تک قدرت کی طرف سے وہبی تفویض کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ (۱)

---

(۱) پا جا چراغِ زندگی: ص ۲۷۹-۲۸۰۔

لہٰذا تعلیمی دور گزار کر علمی میدان میں نَو وارد حضرات کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ علمی خدمات کا آغاز کس شکل میں کریں؟ اُن کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول کس طرح ہو جائیں؟ جب ایک مرتبہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے دائرے میں آجاتا ہے تو اُس کے بعد دینی خدمات میں جڑنا اور لمحہ بہ لمحہ ترقی کرتے چلا جانا اُس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہتا، رحمت حق خود اُس کی رہنمائی کرتی ہے، اُس کے لیے راہیں کشادہ کرتی ہیں، اور بہتر سے بہتر یا مناسب سے مناسب شکل پیدا کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ طلبہ زمانۂ طالب علمی میں علمی یا اخلاقی یا عملی لحاظ سے اتنے ممتاز نہیں ہوتے، لیکن فراغت کے بعد اُن کی خدمات کا امتیاز اور قبول عام کے کھلے اثرات سب کو حیران کر دیتے ہیں، اُس کے برعکس کچھ حضرات بڑے کرّ وفرّ اور ناز و انداز والے ہوتے ہیں؛ لیکن بعد فراغت اُن کا نام ونشان ڈھونڈنے سے نہیں ملتا، آخر اِس میں کیا راز ہے؟ اِس راز کی گرہ کُشائی ایک سے زیادہ انداز میں کی جاسکتی ہے، ۱۰۰/ باتوں کی ایک بات یہی ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جس کی قبولیت کا فیصلہ ہو جائے: اُسے روشنی کا چراغ، مینار، ستارہ یا چاند بننے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ (۱)

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری زیدمجدہٗ کی کتاب "اللہ والوں کی مقبولیت کا راز" اور "ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان" سے شائع شدہ کتاب "قابلیت ومقبولیت" کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔ واللہ الموفّق.

مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب نے اکابر کے ارشادات وملفوظات اور آپ بیتیوں وسوانح کے علاوہ بہت سے مقبول الخدمات معاصرین کی کارکردگی کا مطالعہ کرنے اور

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۸۱-۲۸۵۔

کارگزاری سننے کے بعد اِس مشاہدے اور جائزے کا تین نکاتی خلاصہ ہدیۂ قارئین کیا ہے:

(۱) بااَدب؛ بانصیب۔ (۲) خلوص کی خوشبو اور تواضع کی مہک۔ (۳) سنت ابراہیمی (قربانی کی برکات)۔[۱]

نیز"جامعۃ الرشید" کے فضلا کے سالانہ تربیتی اجتماع (منعقدہ ۲۴ /دسمبر ۲۰۲۲ء) میں مفتی ابولبابہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ علما کے لیے سب سے اہم چیز قبولیت ہے، اور اس قبولیت کے حصول کے چند ٹوٹکے ہیں: مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ جڑے رہنا، اُن سے پوچھ پوچھ کر چلنا وغیرہ۔

اور مزید فرمایا: قبولیت کے لیے مادّی اسباب میں سات سمندروں کا پانی ناکافی ہے، لیکن باطنی اسباب میں آنسو کا ایک قطرہ بھی کام کر جاتا ہے۔

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے! پا جا چراغ زندگی: ص۲۸۵-۲۸۶۔

خاتمہ:

فراغت کے بعد کی زندگی میں کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں بہت مفید خلاصہ حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب زید مجدہم کی کتاب "پاجاچراغِ زندگی" سے اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

طالب علم کی زندگی کے تین اہم مراحل:

مولانا مفتی ابولبابہ صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی بھی طالب علم کی زندگی کے تین مراحل بہت اہم ہوتے ہیں:

(۱) تعلیمی زندگی کے آغاز کا مرحلہ۔

(۲) دورۂ حدیث کا سال۔

(۳) فراغت کے بعد نئی زندگی۔ اِس تیسرے مرحلے کو تفصیل سے سمجھنا بہت ضروری ہے۔

فراغت کے بعد عالم کی چار قسم کی زندگی:

فراغت کے بعد عملی میدان میں قدم رکھتے ہی طالب علم کو چار زندگیوں سے واسطہ پڑتا ہے:

(۱) نجی اور ذاتی زندگی: تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اگر کسی میں ہیرے جڑ دیے جائیں اور دنیا بھر میں اس کی مانگ ہو، لیکن نجی زندگی درست نہ ہو، تو اسے نہ اپنی صلاحیتوں کا فائدہ ہوگا اور نہ دوسرے اس سے مستفید ہوسکیں گے۔ بقیہ تینوں زندگیاں بھی نجی زندگی پر

ہی موقوف ہیں۔نجی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ۶/امور کا اہتمام ضروری ہے: (۱) اہل اللہ کی صحبت (۲) نمازِ باجماعت کا اہتمام (۳) خلوت کا اہتمام (۴) قیام اللیل کی کوشش (۵) شب و روز کے مسنون اذکار (۶) دعاؤں کا اہتمام۔

(۲) ازدواجی وخانگی زندگی: شادی کرتے وقت پہلے دین دیکھا جائے، پھر سلیقہ، پھر حسن و جمال بھی دیکھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو مقصود نہ بنایا جائے۔

علمائے کرام کے وسائل چوں کہ محدود ہوتے ہیں اس لیے انہیں گھریلو زندگی میں درجِ ذیل باتوں کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے:

۱-خرچ کو آمدنی کے ماتحت رکھیں، ورنہ حرام طریقے اختیار کرنا پڑیں گے۔

۲- کچھ نہ کچھ رقم ہمیشہ بچا کر رکھیں، تاکہ کسی حادثے میں یا ایمرجنسی میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

۳-خرچ اور خریداری میں احتیاط سے کام لیں۔ایک بزرگؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تین مرتبہ داعیہ پیدا ہو تب بازار جائیں، اور کم از کم تین دکانوں سے نرخ معلوم کریں، پھر خریدیں۔خریداری کا یہ فارمولا یاد رکھیں گے تو بہت سارا پیسہ بچ جائے گا۔

۴- سادہ زندگی گزاریں۔ اس میں آسانی ہے، بہت زیادہ عیش وعشرت سے نقصان ہوتا ہے، حرص وہوس سے روحانیت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

۵-معیارِ زندگی مال داروں کو دیکھ کر مقرر نہ کریں۔ ہمیشہ دنیوی چیزوں میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھیں، اور علم، تقویٰ اور دین میں اپنے سے اوپر لوگوں کو دیکھیں۔

رزق میں برکت کے اسباب:

عملی زندگی میں ایک بڑا مرحلہ رزق میں برکت کا ہوتا ہے، درجِ ذیل اسباب سے

رزق میں برکت ہوتی ہے: (۱) ترک معاصی اور استغفار (۲) انفاق فی سبیل اللہ (۳) صلہ رحمی (۴) سوال سے احتراز (۵) قرض سے اجتناب (۶) شکرِ نعمت۔

(۳) کسی ادارے یا تحریک سے وابستہ زندگی: فراغت کے بعد تعلیم جاری رکھیں گے تو کون سا شعبۂ تعلیم اختیار کریں؟ اور اگر کوئی متعدی خدمت کرنا چاہیں تو اس کے لیے انتخاب کا معیار کیا ہو؟ اس کے لیے تین باتوں کو مدنظر رکھیں:

۱- امت مسلمہ اور اپنی ضرورت کو پیش نظر رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی مثال ایسی ہو جیسے کوئی ایک بیماری میں پی-ایچ-ڈی کرے اور وہ بیماری اس علاقے یا ملک میں ہی نہ ہو۔

۲- اہلیت اور صلاحیت بھی ہو۔

۳-طبیعت کا رجحان بھی ہو۔ کبھی ضرورت اور اہلیت وصلاحیت تو ہوتی ہے لیکن طبعی رجحان نہ ہونے کی وجہ سے انسان اس کام کو صحیح طور پر انجام نہیں دے پاتا۔

ادارے کے انتخاب کی تین شرائط پوری کرنے کے بعد مزید دو چیزوں کا اہتمام ضروری ہے:

۱- استشارہ: جس سے مشورہ لیا جائے اس میں بھی تین شرائط دیکھی جائیں: (۱) دین داری (۲) تجربہ کاری (۳) اہل محبت میں سے ہونا۔ بے دین، ناتجربہ کار اور مخالف آدمی صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔

۲- استخارہ: استخارے میں صرف خوابوں پر دارومدار نہ رکھیں، کیوں کہ شیطان بھی خواب دکھاتا ہے، اور اس کو اللہ نے یہ قدرت دی ہے۔ کئی بار استخارہ کریں۔ جس طرف

طبیعت کا میلان ہو اسے اختیار کرلیں۔ [1]

ادارے میں درخواست دینے کا طریقہ:

بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنا صاف ستھرا کمپوز شدہ "تعارف نامہ" (.C.V) تیار کریں، جس میں سب سے اوپر تو اسے بھیجنے کا مقصد لکھیں کہ میں تدریس یا کسی اور دینی خدمت کا حصول چاہتا ہوں۔ پھر اس کے بعد درجِ ذیل امور سے متعلق معلومات درج کریں:

۱- **ذاتی نوعیت کی معلومات:** جیسے نام، والد کا نام، تاریخ پیدائش، پتہ، موبائل نمبر،

---

(۱) حضرت مفتی طاہر صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں: بعض فضلا جب کسی دینی خدمت میں لگتے ہیں تو اپنے اساتذہ یا شیخ سے مشورہ نہیں کرتے، بعض کا تو کوئی شیخ ہی نہیں ہوتا، ایسوں کو چاہیے کہ بلا تاخیر اپنے آپ کو مکمل کسی صاحب دل کے حوالے کر دیں، اور خود "مردہ بدستِ زندہ" ہو جائیں۔ کام کی جگہ کا تعین اپنے بڑوں کے مشوروں اور استخارے کے بعد ہی کریں، چاہے اس میں ہفتہ، عشرہ اور مہینہ ہی لگ جائے۔ پھر جب کوئی کام کسی جگہ شروع کریں تو اس عزیمت و حوصلے سے شروع کریں کہ اب تو میرا جنازہ یہیں سے اٹھے گا۔

اس وقت عمومی صورت حال یہ ہے کہ کسی ادارے یا کام سے وابستہ ہوتے وقت ہی یہ پروگرام ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے، ابھی شروع تو کر لیتے ہیں؛ سیٹ ہوا تو ٹھیک؛ ورنہ کہیں اور چلے جائیں گے، گویا: "تو نہیں اور سہی، اور نہیں اور سہی"، یہ مزاج ہمارے اکابر کے مزاج کے بالکل برعکس ہے۔

ہمارے استاذ، شیخ و مرشد حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دام مجدہم کو آپ کے شیخ حضرت فقیہ الامۃ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے تدریس کے لیے ڈابھیل بھیجا، لگ گئے تدریس میں، چند سالوں کے بعد مدرسے میں خلفشار ہوا تو استعفا دے کر اپنے شیخ فقیہ الامۃؒ کی خدمت میں دیوبند تشریف لے گئے، جب حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ پوری صورتِ حال سے آگاہ ہوئے تو حضرت نے دوبارہ ڈابھیل بھیجا۔ میرے استاذ و محسن مدظلہم فرماتے ہیں کہ "بس! سارا سلوک اِسی میں طے کرا دیا"۔

لیکن دوبارہ جب ڈابھیل تشریف لائے ہیں تو اِس شان سے کہ خود حضرت کے الفاظ ہیں: "اب تو ان شاء اللہ میرا جنازہ (جب بھی اٹھے گا) ڈابھیل ہی سے اٹھے گا"۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذ دام مجدہم وظلہم سے کتنا عظیم الشان کام لیا! کیا تعلیم، کیا تزکیہ وارشاد! یہ بات کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے اور ہر نوع کے شرور و فتن سے ہمیشہ حضرت کو محفوظ رکھے (آمین)۔

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ اس کے بغیر کام میں قوت اور جان بھی تو نہیں آتی، کیوں کہ آپ تو جگہ کی تبدیلی کا عزم مصمم کیے بیٹھے ہیں، بس کسی حادثے کا انتظار ہے، تو پھر وہ یکسوئی، وہ اطمینان جس کی کسی ٹھوس کام کے لیے ضرورت ہوتی ہے؛ وہ آپ کو کیسے میسر آ سکتا ہے؟ وہ تو تب ہی ہوگا جب آپ کہیں جا کر ایسا "اعتکاف" کریں جو آپ کے وصالِ پُر ملال پر ہی اختتام پذیر ہو۔ (ایک پیغام فضلا کے نام: ص ۱۸-۱۹)

ای میل ایڈریس، مادری زبان، شناختی کارڈنمبر، پاسپورٹ نمبر، ازدواجی حیثیت، وغیرہ۔

۲-تعلیمی نوعیت کی معلومات: جیسے تخصص، دورۂ حدیث کس کس سن میں، کن کن اداروں سے، اگرکسی درجے میں امتیازی نمبرات ہوں تو اس کی تفصیل، عصری تعلیم، میٹرک، انٹر، گریجویشن، وغیرہ۔

۳-اضافی معلومات: جو اضافی کورس آپ نے کیے ہوں، اورجن اداروں یا اشخاص کی نگرانی میں کیے ہوں، انہیں لکھیں۔ مثلاً: "الغزو الفکری" فلاں معروف شخصیت سے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حاضر العالم الاسلامی، قراءات سبعہ، عشرہ، کمپیوٹر کورس، عربی یا انگریزی لینگوتیج کورس، کوئی مقابلہ اگرجیتا ہو، کوئی ہنرجانتے ہوں، وغیرہ۔

۴-تجربہ: کہیں تدریس، امامت یا اورکوئی قابل ذکرخدمت کا تجربہ ہوتو اسے بھی ضرور لکھیں۔

اس ترتیب سے باقاعدہ ایک معیاری تعارف تیارکریں، پھرمختلف فائلیں خرید لیں، ہرفائل میں یہ تعارف اورجتنی بھی اسناد اس میں مذکور ہیں؛ سب کی ایک ایک فوٹو کاپی لگائیں، اگررنگین فائلیں ہوں تو بہت اچھا۔ اب مطلوبہ اداروں میں جاکرمنتظمین سے ملیں، ملنے کا مقصد بیان کریں، اور یہ فائلیں جمع کروادیں، جب بعد میں وہ آپ کی فائل کو بغور دیکھیں گےتو اپنے ادارے میں آپ کے لیے جگہ خود نکالیں گے، بشرطیکہ آپ میں اہلیت

بھی ہو۔ اچھے اداروں میں گنجائش ہوتی نہیں؛ بنانا پڑتی ہے۔ (۱)

تحریک کا انتخاب:

تحریکاتِ حاضرہ میں شمولیت سے پہلے اس کا شرعی حکم معلوم کرلیں۔ اس کے لیے تین امور کا اہتمام ضروری ہے:

۱- تاریخ کا علم۔ ۲- حالاتِ حاضرہ۔ ۳- فقہ۔ یعنی تاریخ اور حالاتِ حاضرہ کے جائزے کے بعد فقہ میں اُس تحریک کے اہداف، طریقۂ کار کا حکم دیکھا جائے۔

ادارے یا تحریک سے وابستگی کے بعد:

پھر کسی بھی ادارے یا تحریک سے وابستگی کے بعد چار کام کریں:

۱- استقامت: طلبہ کی فراغت کے بعد کے دس سال بہت اہم ہوتے ہیں، اگر کوئی

---

(۱) حضرت مفتی طاہر صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں: اپنی جگہ کی تبدیلی تنخواہ یا آسائشوں کی کمی کی بنیاد پر کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ میرے استاذ، محدث الامۃ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ درسِ صحیحین کے دوران یہ نصیحت بہت زور وقوت سے فرمایا کرتے تھے: "بچو! تنخواہ کی بنیاد پر کبھی جگہ نہ بدلنا!!"۔

مثلاً آپ کہیں دس ہزار تنخواہ پر کام کر رہے ہیں، اور آپ کو بیس ہزار کی پیش کش آگئی، تو آپ ہرگز اُسے قبول نہ کریں، پورے انہماک اور لگن سے اپنے کام میں لگے رہیں۔

گزشتہ ہفتے حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی نے حضرت مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی دام مجدہم کے حوالے سے عجیب بات سنائی: مولانا نعمانی آر-ایس-ایس کے سینٹر میں گئے، وہاں دیکھا کہ ندوی اور قاسمی فضلا دفتر میں کام کر رہے ہیں، آیات وروایات کی تلاش جاری ہے، اور اُن پر اعتراضات کیا اور کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ سب کام کر رہے ہیں، موقع پاکر حضرت نعمانی صاحب نے اُن فضلا سے فرمایا: آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ تو اُن کا جواب تھا: "یہ لوگ ہمیں ڈیڑھ لاکھ اور اُس سے کچھ کم زیادہ تنخواہیں دیتے ہیں، تو ہم یہاں کام کرتے ہیں۔ آپ بھی دیجیے ہمیں تنخواہ! ہم چھوڑ دیں گے اِن کو۔

جب کہیں تقرر کے لیے جائیں تو دعا مانگ کر توجہ الی اللہ کے ساتھ جائیں، اور انتظامیہ سے ادارے کے اصول وضوابط، دستور العمل برائے ائمہ/ مدرسین معلوم کرلیں، بہ خوبی سمجھ لیں۔ معاملات کی لائن کی ہر گفتگو بہت صاف ستھری کرلیں، کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے، تو امید ہے کہ ان شاءاللہ آئندہ کام کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ (ایک پیغام فضلا کے نام: ص۱۹-۲۰)

ہنگامی صورتِ حال درپیش نہ ہو تو تقرری کے بعد پانچ تا دس سال ایک ہی جگہ ٹک کر کام کریں، یہ بنیادی سال محنت کے ہوتے ہیں۔

۲- دیانت: دیانت داری کے ساتھ جتنے وقت اور جتنی ذمے داری پوری کرنے کا معاہدہ ہو، اُسے پورا کریں، اُس میں ہرگز کمی بیشی نہ کریں۔

۳- اطاعت: خود بھی ادارے کے قواعد کا اہتمام کریں اور طلبہ کو بھی یہ بات سمجھائیں۔ کوئی بھی انتظامیہ سمع وطاعت کو اول درجے پر رکھتی ہے، استعداد وقابلیت دوسرے نمبر پر شمار کی جاتی ہے۔

۴- مسابقہ: جو خدمت بھی آپ کے ذمے لگے اُس میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں، جمود اختیار نہ کریں۔

چار چیزوں سے پرہیز کریں:

۱- دوسروں کے کاموں میں مداخلت نہ کریں: ایسا نہ ہو کہ آپ ہوں تو مدرس؛ لیکن مالیات میں مداخلت کر رہے ہوں، البتہ اگر کوئی منکر نظر آئے تو منتظم کو ایک مرتبہ کہہ دیں، اپنی بات پر اصرار کر کے فساد کا سبب نہ بنیں۔

۲- اختلاف: اسباب اختلاف اور افرادِ اختلاف (جو ادارے کی پالیسیوں کے مخالف ہوں) سے مکمل احتراز کریں۔

۳- بدگمانی سے بچیں۔

۴- بدزبانی سے بھی بچیں۔

ان نصائح پر عمل کریں گے تو ادارے یا تحریک میں بس آپ ہی آپ ہوں گے، ورنہ خود بھی ادارے سے جائیں گے، اور ادارے اور تحریک کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔

(۴) امت مسلمہ یا عالم اسلام کے حوالے سے اجتماعی زندگی اور ذمے داری: دینی مدارس کے فارغ التحصیل کو سمجھنا چاہیے کہ اُن کی ذمے داری مسجد اور مدرسے کی چہار دیواری تک محدود نہیں؛ بلکہ پوری امت مسلمہ تک دین کی روشنی پھیلانا اور اُن کے عقائد واعمال کی حفاظت کرنا بھی اُن کی ذمے داری ہے۔

معاشرے میں فعال کردار:

معاشرے میں فعّال کردار ادا کرنے کے لیے تین چیزوں کا اہتمام کریں:

۱- دروس: جیسے درسِ قرآن، درسِ حدیث وغیرہ کا اہتمام۔

۲- تعلیم بالغان: دفتری ملازمین اور کاروباری حضرات کے لیے روزانہ نصف گھنٹے سے ایک گھنٹہ، ...... اس میں تجوید، نماز کی تسبیحات، تشہد، خاتمہ، دعائے قنوت، آیۃ الکرسی اور دیگر چھوٹی سورتوں کا ترجمہ، بہشتی زیور سبقاً سبقاً، اسی طرح تفسیر وحدیث کے منتخب ابواب۔

۳- مسائل حاضرہ کا مطالعہ اور اس پر گفتگو: رمضان آنے سے پہلے روزہ، زکوۃ، فطرہ، تراویح وغیرہ کے مسائل اچھی طرح دیکھیں اور لوگوں کو کے سامنے بیان کریں۔ ذی الحجہ آنے سے قبل حج، قربانی، تکبیرات تشریق کے مسائل۔ محرم سے قبل یوم عاشوراء کے مسائل، ربیع الاول میں سیرت سے متعلق معلومات حاصل کریں۔ اگر کوئی خاص دن؛ جیسے شہادتِ عمر، شہادتِ عثمان، وفات ابوبکر، وفات عائشہ، وفات امیر معاویہ وغیرہ آئے تو اپنے لوگوں کو اس سے باخبر رکھیں۔ اسی طرح بعض موسمی بدعات آجائیں تو ان پر بات کریں، لیکن لٹھ نہ ماریں، تدبیر وتدریج کو ملحوظ رکھیں۔ مختلف طبقات کو چھٹیوں میں کورسز کروائیں، جیسے سمر کیمپ (summer camp) وغیرہ۔

نئے اداروں کا قیام:

امت مسلمہ کی ضروریات کا ادراک کر کے اگر آپ اپنا ادارہ کھولنا چاہیں تو اس میں بھی وہی تین شرائط ہیں: (۱) ضرورت ہو (۲) آپ میں ادارہ چلانے کی اہلیت اور صلاحیت ہو (۳) طبیعت کا رجحان بھی ہو۔ پھر اچھی طرح اپنے اساتذہ سے مشورہ بھی کر لیں اور آخر میں کئی مرتبہ استخارہ بھی۔

معاشرے کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے کئی اقسام کے ادارے ہو سکتے ہیں، تاہم معاشرے کی اہم ضرورت تعلیمی ادارے ہیں۔

تعلیمی ادارے تین طرح کے ہو سکتے ہیں:

۱-علم دین کے ادارے: مقاصد پر سمجھوتا اور ذرائع پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، مقاصد جتنے پرانے ہوں گے اُتنا بہتر، اور ذرائع جتنے جدید ہوں گے اُتنا اچھا۔

۲-اسلامی اسکول: غیر شرعی اسکولوں کا متبادل پیش کیا جائے۔ اس کے کئی فوائد ہیں: (۱) دینی مدارس کی طرح وسائل اکٹھے نہیں کرنے پڑیں گے، بچوں کی فیسوں سے تمام اخراجات پورے ہو جائیں گے۔ (۲) دینی سوچ کے حامل بچے معاشرے کا حصہ بنیں گے۔ (۳) ان بچوں کے ذریعے ان کے گھرانوں پر محنت کرنے کا وسیع میدان ہاتھوں میں ہوگا۔

۳-بنات کے تعلیمی ادارے: اس وقت مختلف این-جی-اوز؛ بلکہ بڑے بڑے ممالک کی جانب سے مسلم خواتین میں بے دینی کی محنت ہو رہی ہے، لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ عورتوں کے لیے دینی ادارے قائم کیے جائیں۔ اگر آپ بنات کے مدارس قائم کریں تو دینی تعلیم کے ساتھ سلائی، کڑھائی اور امورِ خانہ داری کے مضامین بھی شامل کر لیں، پھر دیکھیں؛ افادیت کئی گُنا زیادہ ہو جائے گی۔

ان کے علاوہ مزید ادارے مندرجہ ذیل ہیں:

۴-رفاہی ادارے: غیر مسلموں کی طرف سے رفاہی ادارے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ایسے میں اگر علما رفاہی ادارے قائم نہیں کریں گے تو مسلمانوں کا سخت نقصان ہوگا۔آپ مدرسے کے ساتھ ٹرسٹ بھی رجسٹر کروالیں، اور پھر ارد گرد نظر ڈالیں کہ علاقے میں کس چیز کی ضرورت ہے؟؟ اگر کوئی غریب بیوہ ہو تو اس کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کردیں، وہ بیوہ آپ کو کتنی دعائیں دے گی!

۵-نشریاتی ادارے: اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً آپ اخبار یا جرائد کا اجرا کریں،اور اچھی معیاری ویب سائٹ، ریڈیو چینل اور اسلامک ریکارڈنگ سینٹر وغیرہ بنائیں۔

۶-سماجی ادارے: لوگوں کے درمیان تصفیہ کروانے کے لیے "دار الافتاء" کے ساتھ ساتھ "دار القضاء" بھی قائم کریں۔ دنیا کا سَروے ہے کہ ۸۰ ر فیصد جھگڑے قرآن وحدیث کی روشنی میں بآسانی حل ہوجاتے ہیں۔

ادارے کیسے قائم کیے جائیں؟

کسی بھی وکیل سے بات کرلیں، وہ تمام قانونی تقاضے پورے کر کے آپ کو ادارہ رجسٹر کروا دے گا، آپ کی تحریک، ادارہ، جماعت کو قانونی سپورٹ بہت ضروری ہے۔

زندگی کے تمام مراحل کے لیے نہایت کارآمد ہدایات:

سنۃ اللہ ہے کہ تین چیزوں کا پھل اِس دنیا میں ضرور ملتا ہے، کرنے والا مسلمان ہو یا کافر:

۱-محنت۔آج مغربی دنیا کو جو برتری حاصل ہے اُس کی وجہ اُن کی محنت ہے،

مسلمان محنت کرے گا تو اُسے کفار کی بنسبت زیادہ برکات ونتائج ملیں گے۔

۲- خدمت۔ خدمت کے منصب سے کوئی معزول نہیں کرسکتا۔

۳- ہنر۔ تمام اقوام میں اِس کی قدر کی گئی ہے، جو ہنر آپ کی تعلیمی زندگی کے مناسب ہو اُس کو سیکھنے کی کوشش کریں۔

غلو فی الدین سے بچنے کے لیے ہدایات:

افراط وتفریط کو غلو فی الدین کہا جاتا ہے، امورِ ذیل کے اہتمام سے ان شاء اللہ اس سے حفاظت ہوگی:

۱- اتباعِ سنت: جب بھی کوئی سنت چھوٹتی ہے اُس کی جگہ کوئی بدعت/ غلط رسم لے لیتی ہے۔

۲- اتباعِ سلف: عقائد ونظریات میں خصوصاً اور فروع میں عموماً سلف صالحین کا اتباع کریں، البتہ جدید مسائل میں فقہا کی بیان کردہ شرائط کے تحت اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔

۳- اعتدال: یہ بہت ضروری ہے، دین کی بات پہنچانے یا اُس کی تنفیذ کے لیے تدبیر اور تدریج سے کام لیا جائے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی محنت ضائع ہو، اور لوگ دین سے ہی متنفر ہوجائیں۔

دینی تحریکوں، اداروں اور جماعتوں کے لیے شرعی لائحۂ عمل:

ہماری دینی تحریکوں، اداروں، جماعتوں اور اسلامی ممالک کو جو چیلنج درپیش ہے؛ اگر اربابِ اقتدار اور دینی قیادت تین چیزوں کا اہتمام کرلیں تو وہ امت مسلمہ کو بہتر نتائج دے سکتے ہیں:

۱- دین داری وتقویٰ: اس میں کمزوری کی وجہ سے ہماری دینی تحریکیں اور ادارے

وہ مطلوبہ نتائج نہیں دے رہے ہیں جو وہ دے سکتے ہیں۔

۲-اجتماعیت، اتفاق واتحاد: باہمی خلفشار اور اختلاف کس قدر نقصان دہ ہے! اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۳-اختیارِ اسباب: یہ بات عقائد میں طے ہے کہ اسباب اختیار کرنا فرض ہے، ترکِ اسباب سنگین غلطی بلکہ گمراہی ہے، اور قرآن وحدیث کی واضح ہدایات کے خلاف ہے۔ اور اسباب اختیار کرنے کی تین شرطیں ہیں: (۱) جائز ہوں (۲) استطاعت بھی ہو (۳) رائج الوقت اسباب ہوں۔

رائج الوقت اسباب میں تین احتمالات ہو سکتے ہیں: (۱) جن کے جواز پر اتفاق ہو (۲) جن کے عدم جواز پر اتفاق ہو (۳) جن کے جواز میں اختلاف ہو۔ ناجائز اسباب کو ہاتھ نہ لگائیں، جائز کا اہتمام کریں، مختلف فیہ سے بچیں، لیکن جو اختیار کرے اس کا تعاقب نہ کریں۔

رائج الوقت اسباب کیا ہیں؟

۱-قانون (آئین): اس کے علم سے آپ کی چاروں زندگیاں نقصانات ومشکلات سے بچ سکتی ہیں، دین کی حفاظت ونشر واشاعت بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کس چیز سے ہم قانون کی گرفت میں آسکتے ہیں، ادارے بند ہو سکتے ہیں۔ ہم چوں کہ ان کو پڑھتے نہیں لہٰذا بڑا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ قانون کا براہِ راست یا بالواسطہ مطالعہ قیادت اور علما کے لیے بہت ضروری ہے۔

۲-تعلیم: عصری علوم؛ خصوصاً وہ جن کا شریعت کے بہت سے احکام سے تعلق ہے۔

۳-انتظام وانصرام: جدید دنیا میں آج کل انتظام وبندوبست کی بہت ضرورت ہے۔

۴- اقتصاد و معیشت: کتب فقہ میں تجارتی معاملات "کتاب البیوع" کے عنوان سے ہیں، ان مسائل کا اقتصاد و شریعت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر آپ جدید معیشت و تجارت کو اچھی طرح سمجھ لیں تو آپ لوگوں کو تجارتی و اقتصادی مسائل میں بہت بہتر رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں، اس کے بغیر آپ تجارتی مسائل کی اصلی نوعیت ہی کو نہیں سمجھ سکتے، حل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اسی طرح پورے ملک کی مجموعی معیشت سے بھی ایک عالم باخبر ہو کہ بجٹ کیا ہوتا ہے؟ کس طرح بنتا ہے؟ ٹیکسوں کا نظام کس طرح کام کرتا ہے؟ آج کے زمانے میں بحمد اللہ لوگوں کا دین کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے، لوگ اپنی معاش اور آمدنی کو حرام طریقوں سے پاک رکھنا اور حلال کی طرف آنا چاہتے ہیں، مختلف اسلامی مالیاتی ادارے وجود میں آ رہے ہیں جو مستند مفتیان کرام کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں، اس موضوع پر باقاعدہ تخصصات شروع ہو چکے ہیں، ایسے میں تو آپ کی ذمے داری بڑھ جاتی ہے کہ آپ بھی اقتصاد و مالیات کو باقاعدہ پڑھیں۔

۵- رفاہی امور: آج کل عوام کے دین، ایمان اور توکل کی حفاظت کا یہ بہت بڑا مسئلہ (ذریعہ) ہے، ورنہ بے دین این-جی-اوز رفاہی کاموں کی آڑ میں امت مسلمہ میں نہ غیرت چھوڑیں گے نہ شرم وحیا، نہ پردے کا کچھ پتہ چلے گا نہ چار دیواری کا کوئی تقدس، حتی کہ بہت سے بھولے بھالے مسلمان ایمان کی دولت سے بھی جائیں گے، اور یہ سب کچھ آپ کی نظروں کے سامنے ہو رہا ہو گا، آپ کچھ نہیں کر سکیں گے، اس لیے آپ اپنے اپنے علاقوں رفاہی کاموں کی بنیاد ڈالیں۔

۶- میڈیا: اس وقت دنیا کا بڑا ہتھیار میڈیا ہے، موجودہ دور میں اسلام کی تیز تر اشاعت کے لیے ہر ممکن حد تک جدید ذرائع سے استفادہ کریں۔ نیز انفارمیشن، ٹیکنالوجی،

بالخصوص انٹرنیٹ کے ساتھ شناسائی پیدا کریں۔آج باطل قوتیں میڈیا کے سہارے اسلام کے پُرامن چہرے کو دہشت گردی کے الزام سے داغ دار کرنے میں کامیاب نظر آرہی ہیں، ہر سطح پر اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے، شریعت اور شعائرِ اسلام کی توہین ہورہی ہے، المیہ تو یہ ہے کہ ہماری جانب سے روک تھام کی کوئی منظم کوشش نہیں، وجہ یہ کہ ہمیں میڈیا کا استعمال کرنا نہیں آتا، جس کی وجہ سے ہم اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

۷-سیاست: آج کل علما چوں کہ عملی سیاست میں آرہے ہیں، لہٰذا انہیں سیاست کی بھی سمجھ بوجھ ہونی چاہیے۔کسی بھی ملک کے تین بڑے ستون ہوتے ہیں: عدلیہ، مقنّنہ اور انتظامیہ، یہ کس طرح کام کرتے ہیں؟ ان کا دائرۂ کار کیا ہوتا ہے؟ حکومتیں کس طرح بنتی اور ٹوٹتی ہیں؟ وزارتیں کتنی قسم کی ہوتی ہیں؟ اہم وزارتیں کون کون سی ہیں؟ سفارت کاری کیسے ہوتی ہے؟ ممالک کے آپس میں تعلقات کیسے ہوتے ہیں؟ اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے دنیا بھر میں کیا کیا کھیل کھیل رہے ہیں؟ ان معلومات سے آگاہی ہونی چاہیے۔

۸-سائنس وٹیکنالوجی: آج کا دور سائنس کا دور ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت زندگی آسان سے آسان تر ہوتی جارہی ہے، موبائل فون، ہوائی جہاز اور گاڑیاں وغیرہ؛ سب سائنس وٹیکنالوجی کی ہی مرہونِ منت ہیں، آج کا انسان خلا میں جاچکا ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان اس فن میں بہت پیچھے ہے، حالاں کہ اس فن یعنی جدید فلکیات کے بانی اور موجد تو مسلمان تھے، جن کے بنائے ہوئے فارمولوں اور نظریات کی بدولت دنیا خلا کو مسخر کر چکی ہے، لیکن ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو چھوڑ دیا، کفار نے اسے اپنا لیا۔صرف جدید فلکیات کی بات نہیں؛ کیمیا، بائیلوجی، طبیعیات، ان کے بنیادی نظریات کے موجد بھی مسلمان تھے، اور یہ سائنسی فنون مسلمانوں کا ورثہ ہیں۔

یہ نہیں کہا جارہا ہے کہ آپ ان میں سے ہر ہر شعبے میں خود جائیں، بلکہ موٹی موٹی معلومات آپ کو ہونی چاہیے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ مذکورہ بالا شعبے کسی بھی معاشرے کے لیے بہت اہم ہیں، لہٰذا ان سے وابستہ افراد پر خصوصی محنت کی جائے، اور ان کے ذہنوں کو اسلامی بنایا جائے، تا کہ وہ دین اسلام کے محافظ بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی منشا کے مطابق دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔[۱]

التماس واعتذار:

جدید فضلا سے یہ چند بکھری باتیں، اپنے نفس کو سامنے رکھ کر، خیر خواہی کے جذبے سے عرض کردی گئیں، ان باتوں کی حیثیت آپ زادِ راہ کی سمجھیے۔ جس طرح سفر میں ہر آدمی اپنے زادِ راہ کی حفاظت کرتا ہے، آپ بھی اس کو دل و دماغ میں محفوظ کرلیں، زادِ راہ کی حفاظت سے آدمی کو سفر کے دوران آرام ملتا ہے، ان شاء اللہ آپ کو بھی روحانی سکون میسر ہوگا، اور اب رخصت ہونے کی یہ کہتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں:

اے جانے والے! تجھے چشم تر کا سلام ❁ یہ تن کی فرقت ہے، دل کی جدائی نہیں

اور اخیر میں درازی سخن کی سب ساتھیوں سے معذرت خواہی کو واجب سمجھتا ہوں کہ بے تکلفی اور تعلق باہمی میں یہ سب کچھ جمع کر کے لکھ ڈالا، "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"، نہ میں اس کا اہل ہوں، نہ ہی ان خوبیوں کا حامل، "من نکردم شما حذر بکنید"۔

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم ❁ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اور عرض کی گئی تمام باتوں کو عمل میں لانے کا آپ سب سے زیادہ بندہ ہی محتاج

---

(۱) پاجا چراغِ زندگی: ص ۲۵۱-۲۷۷ (ملخصاً)۔

ہے۔ میرے عزیز بھائیو! جو کچھ میں نے آپ سے کہا وہی اپنے نفس کو بھی میری نصیحت ہے، میں قیامت میں اس پر نہ پکڑا جاؤں کہ دوسروں کو اچھی اچھی باتیں بتاتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا، اور آپ اس پر نہ پکڑے جائیں کہ تم نے سب کچھ سنا، پڑھا اور عمل نہیں کیا۔

"فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه، أولئك الذي هدىهم الله وأولئك هم أولوا الألباب"۔

اللہ تعالیٰ راقم الحروف اور تمام فضلاء کو جوانانِ سعادت مند میں شامل فرمائیں، اور پیر دانا (ہمارے اکابرین واسلاف) کی ان نصائح غالیہ کو دل وجان سے عزیز تر سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

عبدالرب عبدالوہاب واپی سعادتی

خادم الحدیث مدرسہ نور الاسلام، دمن

۱۵/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

اہم مصادر و مراجع

شمار	اسمائے کتب مع مصنفین و مرتبین	اسمائے مطابع
۱	اہل علم کی زندگی (مولانا عابد عمر- فاضل وفاق المدارس العربیۃ، پاکستان-)	مکتبہ حلیمیہ، کراچی
۲	مشکوٰۃ المصابیح (علامہ ولی الدین خطیب تبریزیؒ)	---
۳	تحفۃ المدارس (حضرت مولانا محمد اسحاق ملتانی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۴	مجالس مفتیٔ اعظم (حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)	---
۵	عالم ربانی کسے کہتے ہیں۔ (حضرت مولانا سلیم دھورات صاحب)	دارالتزکیۃ، لیسٹر، یو- کے
۶	جامع ترمذی (امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ)	---
۷	تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری (حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ)	مکتبۃ الحجاز، دیوبند
۸	کرنیں (مولانا ابن الحسن عباسی)	عروش پبلیکیشنز، دیوبند
۹	فضلا سے اہم خطاب (افادات: حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری)	ادارۃ الصدیق، ڈابھیل
۱۰	پاجا سراغِ زندگی (حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ)	مجلس تحقیقات ونشریات، لکھنؤ
۱۱	آپ کی منزل یہ ہے (حضرت مولانا ولی رحمانی صاحب)	---
۱۲	درسِ ترمذی (مفتی تقی عثمانی صاحب)	دارالکتاب، دیوبند

۱۳	مبادیات حدیث (مفتی احمد صاحب خانپوری)	
۱۴	داستاں میری (مولانا تقی الدین ندوی)	مرکز الشیخ ابی الحسن علی ندوی، اعظم گڑھ
۱۵	الخیر الجاری شرح......(حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب)	---
۱۶	نوجوان علماء کے نام......(حضرت مولانا علی میاں ندویؒ)	مجلس المعارف، کاپودرا
۱۷	علماء اور طلبہ کو ایک مختصر مگر اہم پیغام (مفتی تقی عثمانی صاحب)	دار التزکیۃ، لیسٹر، یو۔کے
۱۸	نقوش رفتگاں (مفتی تقی عثمانی صاحب)	---
۱۹	لطائف اشرفیہ (قاری محمد اسحاق ملتانی صاحب)	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۲۰	بنیاد اصلاح (حاجی محمد عبد الستار صاحب)	مکتبہ احیاءِ سنت، حیدر آباد
۲۱	نئی نسل کے علماء وفضلاء کے نام...... (مولانا عبد القوی صاحب حیدر آبادی)	مجلس المعارف، کاپودرا
۲۲	ماہنامہ بینات، کراچی	---
۲۳	دینی مدارس: ماضی، حال، مستقبل (مولانا ابن الحسن عباسی)	---
۲۴	ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ (مدیر: مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب)	---
۲۵	شمع فروزاں (مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)	
۲۶	یادگار باتیں (حضرت مولانا اسحاق صاحب ملتانی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۲۷	تحفۂ حفاظ (حضرت مولانا اسحاق صاحب ملتانی)	// // //
۲۸	الیواقیت الغالیۃ (حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ)	---

۲۹	خطبات بخاری شریف (حضرت مولانا اسحاق صاحب ملتانی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۳۰	ماہنامہ البلاغ کراچی (مدیر: مفتی تقی عثمانی صاحب)	مکتبہ دار العلوم، کراچی
۳۱	اہل علم اور نماز باجماعت کی تاکید (مفتی حفظ الرحمٰن سمکلی صاحب)	جامعہ ریاض الصالحین، مانگرول
۳۲	نصیحت گوش کن جانا (خطابات بہ فضلائے جامعات) (افادات: حضرت مفتی احمد خان پوری صاحب)	دار الحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سورت
۳۳	افتتاح بخاری وختم بخاری (حدیث پڑھنے اور فارغ ہونے والے......) (مرتبہ: حضرت مفتی زید صاحب مظاہری ندوی)	---
۳۴	ماہنامہ وفاق المدارس، ملتان	
۳۵	پا جا چراغِ زندگی (مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب)	السعید پبلیکیشنز، کراچی
۳۶	احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن (حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۳۷	تری رہبری کا سوال ہے! (مفتی ابوبکر جابر قاسمی)	فیصل انٹرنیشنل، دہلی
۳۸	ماہنامہ رفیق منزل	
۳۹	ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ	
۴۰	ایک پیغام فضلا کے نام (مفتی طاہر صاحب سورتی)	دار الحمد اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، سورت
۴۱	تحفۃ العلماء (افادات حضرت تھانویؒ) مرتب: مفتی زید مظاہری ندوی	مکتبہ عمر فاروق، کراچی